يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما

صبیح رحمانی

اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

خیمہ افلاک کا ایستادہ اسی نام سے ہے

نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

آیئے ہم اس اسم گرامی کو اپنی زندگی کی علامت بنالیں

مشتاق احمد قریشی

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۵۔ای، ٹی اینڈ ٹی فلیٹ شادمان ٹاؤن نمبر ۲ شمالی کراچی ۷۵۸۵۰ پاکستان
فون نمبر:۔ ۶۹۰۱۲۱۲ فیکس نمبر:۔ ۴۹۴۱۷۲۳

ضابطہ

نعت رنگ	کتاب نمبر ۵
اشاعت اول	فروری ۱۹۹۸ء
قیمت	۱۵۰ روپے
تصحیح کتابت	مولانا شاہ محمد تبریزی
کمپوزنگ	میڈیا سروسز:۔ ۲۶۳۴۳۳۴
بہ اشتراک	طاہرہ کشفی میموریل سوسائٹی کراچی
ناشر	اقلیم نعت
طابع	فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ کراچی
تقسیم کار	فضلی بک سپر مارکیٹ

۴۔ ماما پارسی بلڈنگ، ٹمپل روڈ، اردو بازار کراچی

فون:۔ ۵۔ ۲۰۔ ۲۶۲۹۷ فیکس:۔ ۲۶۳۳۸۸۷

مرتب و پبلشر صبیح رحمانی نے

فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ کراچی سے چھپوا کر صدر دفتر اقلیم نعت

۲۵۔ ای/ٹی اینڈ ٹی فلیٹ فیز ۵ شادمان ٹاؤن نمبر ۲ شمالی کراچی ۷۵۸۵۰ پاکستان سے جاری کیا

نعت کے ادبی فروغ کے سفر میں "اقلیم نعت" کے ساتھ شریک

جناب الحاج قاضی محمد جان صدیقی صاحب

جناب کیپٹن (ر) وارث النبی اعوان صاحب

جناب محمد انور جمال صاحب

جناب محمد ارشد جمال صاحب

جناب ڈاکٹر عابد محمود صاحب

جناب صاحبزادہ محمد سلیم فاروقی صاحب

جناب سلیم اختر رحمانی صاحب

اور

جناب سید محمد جمال صاحب

کے نام

دھنک

نقش اول

تمجید

حافظ عبدالغفار حافظ

مقالات

نعت کے عناصر
اردو نعت گوئی کے موضوعات
مدح نگاری کی روایت اور مدح رسولؐ
اردو مرثیے میں نعتیہ شاعری کے امتیازات
مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی ممانعت
اردو نعت اور شاعرانہ رویہ
دکن کے چند نعت گو شعراء
تقسیم ہند کے بعد مغربی بنگال میں نعت گوئی
گنگا سہائے تمیز لکھنوی کی چند نایاب نعتیں
غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کچھ نئے آفاق
اقبال کی نظم "ذوق و شوق" حمد ہے یا نعت؟
نعت میں چراغاں

ت

صبیح رحمانی ۱۱

تابش دہلوی ۱۳
گوہر ملیسانی ۱۴
جاوید اقبال ستار ۱۵

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی ۱۷
ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط ۳۴
ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی ۶۲
ڈاکٹر ہلال نقوی ۸۰
رشید وارثی ۱۲۴
عزیز احسن ۱۴۴
سید ابراہیم ندوی ۱۵۵
ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی ۱۶۱
شفقت رضوی ۱۷۰
نور احمد میرٹھی ۱۷۴
پروفیسر افضال احمد انور ۱۸۶
منصور ملتانی ۲۰۱

علاقائی زبانیں اور نعت

ہندکو میں نعت رسولؐ	پروفیسر خاطر غزنوی	۲۱۷
سندھی مولود	پروفیسر آفاق صدیقی	۲۲۲
سندھی نعتیہ شاعری پر ایک نظر	حافظ حبیب الرحمن سیال	۲۲۸

تجزیاتی مطالعہ

دل مدینے کی رہ گزر میں ہے (نظم)	امتیاز ساغر	۲۳۳
تجزیہ نگار	ڈاکٹر فرمان فتح پوری، سرشار صدیقی	

فکر و فن

نیاز فتح پوری کی نعت سرائی	پروفیسر محمد اقبال جاوید	۲۴۰
جمال الدین کا نعتیہ ترکیب بند	محمد عباس طالب صفوئی	۲۷۲
وقت کا تلازمہ میری نعتوں میں	پروفیسر عاصی کرنالی	۲۷۸
منفرد لہجے کا نعت گو شاعر سرشار صدیقی	واصل عثمانی	۲۸۲
شاخ غزل پہ مدحت کے خوشنما پھول	عزیز احسن	۲۸۸

مدحت

۲۹۶

مولانا حامد حسن قادری، حفیظ تائب، شاعر لکھنوی، راغب مراد آبادی، حنیف اسعدی، فضا ابن فیضی، حکیم محمود احمد برکاتی، سید ابوالخیر کشفی، انجم رومانی، لالہ صحرائی، بیکل اتساہی، قیصر الجعفری، انور سدید، عالم تاب تشنہ، ع س مسلم، جمال پانی پتی، ریاض مجید، محسن احسان، سحر انصاری، ساجد صدیقی، عنوان چشتی، تحسین فراقی، محمد یوسف منہاس، انجم شادانی، پیرزادہ قاسم، عنایت علی خان، امیر السلام ہاشمی، انور مینائی، گلزار بخاری، اعجاز رحمانی، ایاز صدیقی، رفیع الدین راز، ریاض حسین چوہدری، قمر عباس وفا کانپوری، شفیق الدین شارق، احمد صغیر صدیقی، افتخار امام، عزیز احسن، سید نعیم حامد علی، خالد عباس الاسدی، سید قمر زیدی، آفتاب کریمی، غلام مرتضیٰ راہی، ساحر شیوی، منصور ملتانی، انور جاوید ہاشمی، حلیم حاذق، افضال احمد انور، سید معراج

جامی، ظفر اقبال ظفر، محمد افضل خاکسار، اختر سعیدی، محمد احمد اریب، شگفتہ شیریں، رئیس احمد، فیصل عظیم، صبیح رحمانی

مطالعات نعت

بہر زماں، بہر زباں	ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق	۳۲۸
بہار میں نعتیہ شاعری	محمود عالم	۳۳۷
برلب کوثر	ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی	۳۳۲
حاصل مطالعہ	شفیق الدین شارق	۳۴۰

خطوط

۳۶۱

تابش دہلوی (کراچی)، ڈاکٹر کالی داس گپتا رضا (ممبئی بھارت)، ڈاکٹر سلیم اختر (لاہور)، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی (فیصل آباد)، پروفیسر عنوان چشتی (نئی دہلی بھارت)، ڈاکٹر خورشید رضوی (لاہور)، پروفیسر عاصی کرنالی (ملتان)، ڈاکٹر انور مینائی (کولار بھارت)، سرشار صدیقی (کراچی)، محسن احسان (پشاور)، ڈاکٹر نجم الاسلام (حیدر آباد)، افتخار امام صدیقی (ممبئی بھارت)، ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی (حیدر آباد)، ڈاکٹر میرزا امتیاز حسین کیف (کراچی)، گوہر ملسیانی (صادق آباد)، مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی (کراچی)، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی (لاہور)، احمد صغیر صدیقی (کراچی)، حافظ حبیب الرحمٰن سیال (نواب شاہ) ضیاء الحسن (کراچی)، جاوید احمد مغل (جیکب آباد)، ڈاکٹر شگفتہ شیریں (کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن

نقشِ او

علامہ اقبالؒ نے کہا تھا۔

حیات ذوقِ سفر کے

حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ ذوقِ سفر ز
ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے تک۔ اور

ٹھہرتا نہیں کا

اس حقیقت کا عکس زندگی کے ہر شعبے میں دیک

نعت رنگ "اقلیم نعت" کے تمام رفقا
بن گیا ہے اور آج اس کتابی سلسلے کی پانچویں ک
ہوئے ہیں یہ احساس ہو رہا ہے کہ کسی ایک
لگانے کے بجائے ہم کچھ نہ کچھ آگے بڑھے
ہے اور ہر قدم ہمیں کچھ نہ کچھ آگے لے گیا

اب اس بات کا فیصلہ آپ ہی کر سکتے ہ
نہیں۔ اور اگر صحیح ہے تو کس حد تک۔ آپ
ہیں اور ہم آپ ہی کی تجاویز پر غور کر کے ا
کوشش کرتے ہیں۔

کسی رسالے یا کتابی سلسلے کے کئی مع
میں اگر کسی کتابی سلسلے کے قاری، لکھنے وا
بن جائیں تو یہ کامیابی کا ایک واضح اور محکم
نظر، دقیقہ سنج اور صاحب نظر پڑھنے والے
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت للعا

یہ حلقہ وسیع تر ہو کر جلد ہی دنیا کے ہر ملک کو اپنے دامن میں لے لے گا اور اس کا اثر نعت رنگ کے مضامینِ نثر و نظم پر بھی مرتّب ہو گا۔

عصر حاضر میں جب نعتیہ شاعری اپنے فن اور اسلوب کے اعتبار سے تخلیقی شاعری کا ایک معتبر حوالہ بن رہی ہے۔ نعت رنگ ؔ نے فکر و تنقید اور تحقیق دونوں کو ہم رشتہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نئے موضوعات اور زاویوں پر مقالے اور مضامین شائع کیے ہیں جس سے غور و فکر اور بحث کے نئے دریچے کھل رہے ہیں اور نعت کے ادبی مضامین کو زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے ہماری خواہش ہے کہ نعت کے اسالیب میں 'رفعت' عقیدت اور ادبی محاسن اس طرح یک جا ہو جائیں کہ ادب اور زندگی دونوں کے راستے جگمگا اٹھیں نعت رنگ کی تازہ اشاعت نے ہم پر آتش کے اس شعر کے مفاہیم کو زیادہ واضح کر دیا ہے ؎

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

لیکن ابھی ہمیں اور مسافر نوازوں کی ضرورت ہے ہم چاہتے ہیں کہ نعت رنگ کی چھوٹ سے ہر دیار روشن ہو اور یہ کام آپ کا بھی ہے۔ اشارہ صراحت سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔

آخر میں ہم اپنے تمام رفقاء' سرپرستوں اور مقالہ نگاروں کے ممنون ہیں کہ ان کے مسلسل تعاون اور توجہ سے نعت رنگ کامیابی کے سفر پر گامزن ہے۔ اب اس سعادت کے سفر میں جناب طارق رحمٰن صاحب (منیجنگ ڈائریکٹر فضلی سنز) بھی شامل ہو گئے ہیں ان کا جذبہ اور طباعت و اشاعت کے سلسلے میں ان کا تجربہ اور حوصلہ نئی منزلوں کو ہم پر سہل کر دے گا (انشاء اللہ)

صبیح رحمانی

حمدیں

اے رب ذوالجلال والاکرام اے خدا — تو ہی خبر ہے اپنی، تو ہی اپنا مبتدا
تیری نظر میں کافر و دیں دار ایک ہیں — اک تو ہی تو ہے کافر و دیں دار کا خدا
عاری تعینات سے ہے اسقدر بسیط — محدود اس قدر کہ دلوں میں سما گیا
تیری صفات معطی، و مغنی و مقتدر — تیری صفات منذر و قہار و کبریا
تو عین ذات فرقِ مراتب سے بے نیاز — تیری صفات فرقِ مدارج سے ماورا
مرہم ہے زخم جاں کو ترا ذکر دلپذیر — تسبیح تیری، ٹوٹے دلوں کے لیے دوا
ہر نغمہ تیرے سوز محبت سے جاں نواز — ہر جام تیرے بادۂ عرفاں سے دلکشا
خوشبو سے تیری، باغِ دو عالم ہے عطر بیز — مہرومہہ و نجوم سے ظاہر تری ضیاء
جدت سے تیری، پھول میں سو خلد جلوہ گر — ندرت سے تیری، تخم ہیولا ہے نخل کا
قطرہ ترے کرم سے بضاعت میں بحر ہے — قدرت سے تیری، ذرہ میں صحرا سمٹ گیا
کہسار تیرے داب و جلالت کے پاسدار — دریا ہیں تیرے جود و سخاوت کا آئینا
نرگس ہے تیری دید کی ہر لحظ منتظر — تیری ہی جستجو میں سبک سیر ہے صبا
یکساں ترے سحاب کرم کو ہیں بحر و بر — تجھ سے ہی فیض یاب ہیں کیا شاہ کیا گدا
توبہ کو تو ہی دیتا ہے اقبال کا شرف — ہوتی ہے مستجاب ترے در پہ ہر دعا
تابشؔ پہ لطف خاص کہ اس کا جہان میں — کوئی نہیں ہے حامی و ناصر ترے سوا

تابشؔ دہلوی

حمد

مری آنکھیں
دھنک رنگ منظر تخلیق پاتی ہیں
چمک اٹھتی ہیں
پھولوں کی طرح وہ مسکراتی ہیں
وہ کیسا نور ہے جو ریشے ریشے میں اترتا جاتا ہے
چمن میں غنچہ و گل میں
فضا میں لہلہاتی ٹہنیوں میں
دشت کے نوکیلے کانٹوں میں
پہاڑوں پر چمکتی دھوپ میں
چاندی سے گالوں میں
سبک رو' ندیوں' نالوں میں
بہتی آبشاروں میں
وہ نغمہ گونجتا ہے
جس کی لے میں چاشنی ہے
زندگی ہے' روشنی بھی ہے
اگر سوچیں تو نورِ جاوداں ہے وہ
چمک پاتی ہیں جس سے
یہ مری آنکھیں
مری آنکھیں

گوہر ملسیانی۔ صادق آباد

بفیض حمد کبریا بپا یہ انقلاب ہے
کہ فکر میں ہے بانکپن، قلم بھی پُر شباب ہے

اُسی کی ذات کا فشاں، اُسی کی شان کا پتا
وہ خار جو ہے دشت میں، چمن میں جو گلاب ہے

غفور بھی، کریم بھی، رؤف بھی، رحیم بھی
عطا بھی اُس کی بیکراں، کرم بھی بے حساب ہے

اُسی کے نور کا کرم نگاہ میں ہے دم بہ دم
زمیں پہ جلوۂ سحر، فلک پہ آفتاب ہے

قیام بھی، قعود بھی، رکوع بھی، سجود بھی
یہ سب ہیں جس کے واسطے خدا کی وہ جناب ہے

جو اُس کے در پہ آ گیا، درِ فلاح پا گیا
جو اُس کے در سے پھر گیا وہ خانماں خراب ہے

کشا اُسی سے مشکلیں، روا اُسی سے حاجتیں
اُسی کا بندۂ کرم ہر ایک شیخ و شاب ہے

کلیم حق نے کھو دیے حواس کوہِ طور پر
جو دیکھے جلوۂ خدا یہ کس نظر میں تاب ہے

رکھ اپنے قلب پر نظر، نہ دیکھ تو اِدھر اُدھر
کہ جلوہ گاہِ کبریا دل پُر اضطراب ہے

اُسی کے فضل سے رواں مرے عزیز ملک میں
یہ راوی اور یہ اٹک، یہ سندھ، یہ چناب ہے

نہ چھوڑ حافظؔ حزیں ثنائے ربِ عالمیں
کہ مشق کی یہ مشق ہے، ثواب کا ثواب

حافظ عبدالغفار حافظؔ

ترے سوا یہ ہنر اور کس کو آتا ہے

خزاں کے ہاتھ پہ
تازہ گلاب رکھ دینا
اجاڑ آنکھوں میں
نیندوں کے خواب رکھ دینا
اندھیری رات کی دیوار کاٹ کر اس میں
ہر ایک صبح نیا آفتاب رکھ دینا
ترے سوا یہ ہنر اور کس کو آتا ہے

جاوید اقبال ستار۔ (بریڈفورڈ۔ برطانیہ)

نعت کے ع

(ایک طویل مطالعے

یہ تحریر ایک اعتبار سے پچھلے شمارے میں شائع ہونے وا

توسیع ہے۔

الحمد للہ "نعت رنگ" سے نعت کے ادبی پہلوؤں کے ج
ارباب نظر کو تفہیمِ نعت کی طرف متوجہ کردیا ہے۔ اب نع
ساتھ مضامینِ نعت پر بھی فکر کا نیا دور شروع ہوگیا ہے۔ اس
کیونکہ نقاد اسی وقت نقد و نظر کو آگے بڑھا سکتا ہے جب متعلقہ
کی مدد سے جائزہ بھی لیتا ہے، تحسین بھی کرتا ہے اور کمزور
اچھی تنقید تخلیقی فن کاروں کے لیے رہنمائی کے فرائض ا
گو شاعروں کو اس نکتہ کے پیش نظر تنقید کا مطالعہ کرنا چا
ظاہر ہے کہ وہ نمائندہ اور اہم شاعروں کو چنتا ہے، پس شاعر
نہیں ہونا چاہیے۔

گزشتہ تحریر میں لفظ اور معانی کے تعلق پر گفتگو کی
تھے۔

(الف) شاعری کی مختلف تعریفیں۔ زندگی، حُسن، خ
تعریف ممکن نہیں کیونکہ بڑی حقیقتوں کے بہت سے پہلو ہو
ہیں اور مل کر بڑی صداقت کو واضح تر کرتی ہیں۔ شاعری م
کیفیات، فکر، تخیل اور وجود کا اظہار بھی کرتے ہیں۔

(ب) نیا لفظ "نئے" خیال کے ساتھ وابستہ ہوتا
اس مسئلہ کو اس تحریر میں قدرے تفصیل کے ساتھ پیش ک

(ج) شاعری کے بہت سے عناصر ہیں لیکن مشرق

ناصر

(ی تلخیص)

ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی

الے مضمون "نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم" کی

جائزے کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے، اُس نے
ت کی ادبی حیثیت اور ادبی پہلوؤں کے ساتھ
ر آج کے نعت گو شاعر تبریک کے مستحق ہیں
ادب کا خاصا ذخیرہ موجود ہو۔ نقاد موجود ادب
یوں کی نشان دہی بھی کرتا ہے۔ اِس مرحلہ پر
جام دیتی ہے اور یہی تنقید کا منصب ہے۔ نعت
ہے۔ نقاد مثال کے طور پر اشعار پیش کرتا ہے۔
کے دل میں کمزوریوں کی نشان دہی سے شکوہ پیدا

گئی تھی۔ ضمناً کچھ اور مسائل بھی پیش کیے گئے

ر اور صداقت کی طرح شعر کی کوئی جامع و مانع
تے ہیں۔ یہ تعریفیں کسی ایک پہلو کا احاطہ کرتی
ں لفظ مفہوم کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ شاعر کی

ہے۔ جدت کا معاملہ فکری بھی ہے اور لسانی بھی۔
یا جائے گا۔
ق و مغرب کے بڑے نقادوں نے تخیل کو بنیادی

اہمیت دی ہے۔ حالی نے تخیل' مطالعہ کائنات اور الفاظ کی جستجو کو شاعری کے اجزائے ثلاثہ قرار دیا ہے۔ کائنات میں انسان اور اس کے معاملات بھی شامل ہیں۔ بہر صورت شاعری کے تمام اجزاء اور عناصر کا اظہار لفظوں کے ذریعہ ہوتا ۔ "شاعر اپنے طلسمی لمس سے لفظوں کو "چیز دیگر" بنا دیتا ہے۔ لفظ کبھی ساز اور نغمہ بن جاتے ہیں اور کبھی رنگ اور خطوط"

(د) بڑی شاعری چہار سمتی مکالمہ ہے' شاعر کا مکالمہ اپنے رب کے ساتھ (اور مسلمان شاعر کے مکالمہ کی اس سطح میں خالق کائنات کے ساتھ رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں)' شاعر کا مکالمہ عالم انسانیت سے' شاعر کا مکالمہ کائنات سے اور شاعر کا مکالمہ اپنی ذات سے۔ زبان کے خمیر میں یہ بات شامل ہے کہ ایک سے زیادہ جہتوں اور سطحوں کے مکالمے ایک ہی شعر یا شعری تخلیق میں آجائیں (ملاحظہ ہو نعت رنگ ۴' صفحہ ۹۔۳۸)

(ر) نعت ایک مستقل صنفِ سخن ہے۔ ہیئت کی بنیاد پر نہیں موضوع کی بنیاد پر۔ نعت ہر فارم اور ہیئت میں لکھی جاتی ہے۔ یوں شاعر کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے نعتیہ موضوع اور شعری تجربے کے مطابق ہیئت کا انتخاب کرلے (ملاحظہ ہو نعت رنگ ۴۔ صفحہ ۴۱ سے صفحہ ۴۶ تک)

(۲)

نعت کے عناصر کیا ہیں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے اگر کوئی نقاد تمام عناصر کی نشان دہی کرنا چاہے' یا عناصر کی کوئی فہرست ترتیب دینا چاہیے تو یہ کارِ محال ہے۔ مختصر جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ آفاقی اور اعلیٰ شاعری کے جو عناصر ہیں وہی نعت کے عناصر ہیں۔ مغرب میں نقدِ شعر پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ یہ سلسلہ ارسطو کی بوطیقا سے شروع ہوا اور ٹی ایس ایلیٹ تک اس نے سفر کیا۔ یہ سفر آج بھی جاری ہے۔ اردو میں تنقیدِ شعری ہمیں اپنے تذکروں میں بھی ملتی ہے۔ یہ کہنا درست نہیں کہ تذکروں میں "شعر گرم"، "بندش الفاظ"، "معنی آفرینی"، "خیال بندی" جیسے چند الفاظ ہیں اور بس۔ بات ہمارے اندازِ تفہیم کی ہے۔ ہم ان الفاظ کو چند رسمی اور روایتی الفاظ سمجھ لیتے ہیں اور اس حقیقت کو فراموش کردیتے ہیں کہ یہ ہمارے بزرگوں کی تنقیدی اصطلاحات ہیں جو عربی' فارسی کے واسطے سے ہماری زبان میں آئیں۔ عابد علی عابد مرحوم ڈاکٹر عبادت بریلوی' گوپی چند نارنگ اور بعض دوسرے ناقدوں نے ان اصطلاحات کی وضاحت اور تفسیر کے سلسلہ میں کام کیا ہے۔ "بندش الفاظ" یہ اصطلاح شعری اسلوب کی کتنی ہی خوبیوں کا احاطہ کرلیتی ہے۔ اس میں الفاظ کے انتخاب کے بعد اُن کے خلاقانہ استعمال کا مفہوم بھی شامل ہے۔ شاعری کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے "بہترین الفاظ بہترین ترتیب کے ساتھ" (ملاحظہ ہو نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم۔

نعت رنگ نمبر ۴) پھر الفاظ معنی کا اشاریہ ہیں۔ بندش الفاظ کے دائرے میں یہ بات بھی سمت آتی ہے کہ شاعر نے اپنا خیال قوت' قدرت اور سلیقہ کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ "شعر گرم" میں مضامین شاعری کی نوعیت اور اُن کی تاثیر کا احاطہ کیا گیا ہے۔

تذکروں کے بعد حالی نے مقدمہ شعر و شاعری' امداد امام اثر نے کاشف الحقائق میں اور شبلی نعمانی نے موازنہ انیس و دبیر اور شعر العجم (بالخصوص جلد چہارم) میں شاعری کے فن پر بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ اردو میں کئی اور تحریریں اس سلسلہ میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان تحریروں میں مثال کے طور پر محاسن کلام غالب کا نام پیش کیا جا سکتا ہے۔ شعر و شاعری سے متعلق جو اصول پیش کیے گئے ہیں اُن میں سے بیشتر کا اطلاق نعت پر بھی ہوتا ہے۔ اِس وقت "مقدمہ شعر و شاعری" اور "شعر العجم" سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم "محاسن کلام غالب" سے چند معیار اور اصول پیش کرتے ہیں۔ بجنوری کے جملے داوین میں ہیں اور اُن کی تشریح میں راقم الحروف بھی بجنوری کا شریک ہے۔

۱۔ "شاعری موسیقی اور موسیقی شاعری ہے" یہ بات شاعری کی تمام اصناف کے ساتھ نعت کے لیے بھی درست ہے۔ نعت گو شعرا اپنے مضامین اور اپنے شعور نغمہ کے مطابق بحروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ کچھ بحریں ایسی ہیں جو ہمارے اجتماعی لاشعور کو بڑی خوبی سے اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں۔ ہمارے اور آپ کے ذہن میں بعض نعتوں سے الفاظ رقص کرتے رہتے ہیں اور اُن کی موسیقی ہمارے بچپن سے ہماری شخصیت کا حصہ بن چکی ہے۔

۲۔ شاعر کی نظر کا اشیا کے خارجی پہلو سے گزر کر داخلی کیفیت تک پہنچنا۔ ہم اس کائنات کے مختلف مظاہر و مناظر سے گزر کر جب اُن کے بطون تک پہنچتے ہیں تو وہاں ہمیں حقیقتِ محمدیؐ جلوہ گر نظر آتی ہے۔

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نور مصطفیؐ اورا بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیؐ ست

۳۔ "تصور کے زبان سے ادا کرنے کا نام ہی لفظ ہے۔" ہم نعت میں جو بھی لفظ ادا کرتے ہیں اُن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور نبوت و رسالت کے بارے میں ہماری فکر اور دائرۂ تفہیم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ الفاظ' معنی کی دنیا اپنے اندر رکھتے ہیں اور بڑا شاعر الفاظ و معانی کی دنیا میں تجدید و تفسیر کا علم بردار ہوتا ہے۔ اچھا شاعر عام الفاظ کو نئے معانی عطا کرتا ہے اور زبان کے مزاج اور حدود (Frame Work) کے

اندر رہتے ہوئے۔ نئے الفاظ اختراع وایجاد کرتا ہے۔

(۳)

لفظ کے سلسلہ میں "نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم" میں مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔ "لفظیات" کے سلسلہ میں کچھ اور پہلوؤں کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً "صنائع لفظی" کی بحث۔ "سیاقۃ الاعداد"۔ "تجنیس اور اُس کی مختلف قسمیں "صنعت منقوطہ اور غیر منقوطہ" وغیرہ۔ ان دنوں نعت گو شعرا صنعت غیر منقوطہ کی طرف مائل ہیں، لیکن ان صنعتوں کا روح شعر سے کوئی علاقہ نہیں۔ اچھے شعرا ان صنعتوں کی خاطر شعر نہیں کہتے، ہاں یہ صنعتیں خود بخود کسی شعر میں آجائیں تو دوسری بات ہے۔ اگر آپ کو اُردو کے "سب سے بڑے اشعار" کے مطالعہ سے کوئی دلچسپی ہے تو صنائع بدائع سے متعلق کسی کتاب کی ورق گردانی کریں، یا پھر کسی مفصل لُغت میں سند کے طور پر پیش کردہ اشعار دیکھیں...... اسی طرح پیچیدہ گوئی بھی اعلیٰ درجہ کی شاعری کی بنیاد نہیں بن سکتی۔

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا کہ ناحق خون پروانوں کا ہو گا

لفظ جذبہ کے بغیر شعر نہیں بنتا۔ ہم وزن، ہم جنس اور ہم قافیہ لفظوں کے جوڑنے کو شاعری نہیں کہتے۔ یہ شوق پہلے تو عام تھا، اور بعض بڑے شاعروں نے ایسی کوششوں کو معنویت سے پیوست کر دیا تھا۔ اب نعتوں میں یہ طرز عام نظر آتی ہے، مگر ایسی نعتوں میں اُس جذبہ کی جھلک نہیں ملتی جو حضوری، اور محبت کی نشان دہی کرے۔

روئے نبیؐ میں شادماں دیکھ جمالِ حق عیاں حُسن یہ حسن، رُخ یہ رُخ، جلوہ یہ جلوہ، ہو یہ ہو
بادِ صبا یہ کہتی ہے نورِ نبیؐ جھلک اُٹھا لالہ یہ لالہ، گُل یہ گُل، رنگ یہ رنگ، بو یہ بو

بے جہت آرائش اور لفظی بازی گری کا شاعری سے کوئی تعلق نہیں۔ بہت سے شاعر اور بعض نقاد جدت، نئے پن، تازہ اسلوب کو نئے الفاظ تک محدود سمجھتے ہیں، گزشتہ تیس چالیس سال سے سینوں میں سورج اگائے جا رہے ہیں اور چاند کے بجھ جانے کا چلن عام ہو گیا ہے۔ شب گزیدہ سحر کے بعد گزیدگی کا مرض عام ہو گیا ہے۔ اعتماد گزیدہ، فریب گزیدہ، وعدہ گزیدہ وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح دریچہ، شجر، سیلاب، آشوب ذات، آشوب صفات، آشوب آگہی، فلک کا دشت، دشت آرزو، نذر اسرار لہو، یتیم لہو، وصال منزل و گام، وصال جیب و گریباں جیسی ترکیبیں اور استعارے عام ہو گئے ہیں۔ بڑے شاعر کی تقلید ہر دور میں وبائے عام کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ غالب اور اقبال کی ترکیبوں اور لفظیات کی تقلید کے بعد فیض صاحب کی نقالی آج خاصی عام ہے، لیکن اُن کی شاعری کی فنی اور فکری سطح سے اس نقالی کا کوئی تعلق نہیں۔

جدت لفظ کی سطح پر ایک اوپری چیز ہے۔ تازہ کاری اور اسلوب تازہ شاعر کی مکمل شخصیت کا نام ہے۔ نئے خیالات کے اظہار کے لیے نئے اسلوب کی ضرورت پڑتی ہے' جیسا کہ پچھلے مطالعے (گنجینۂ معنی کا طلسم) میں بجنوری کے حوالے سے عرض کیا گیا تھا کہ جس طرح ہر روح اپنا پیکر لے کر آتی ہے اسی طرح ہر خیال اپنا پیرایۂ اظہار ساتھ لاتا ہے اور پھر ابن رشیق کا یہ خیال شبلی کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے "لفظ جسم ہے اور مضمون روح"۔ اس مضمون تازہ کا سرچشمہ شاعر کی ذات ہے۔ بڑا شاعر کائنات کے اُن پہلوؤں' مناظر اور حقائق کو دیکھ لیتا ہے جنہیں دیکھنے سے دوسرے محروم رہتے ہیں۔ بڑے شاعر کا تخیل زندہ و متحرک ہوتا ہے۔ وہ اس دُنیا اور امکانات کی دنیا کی تصویروں کو حقیقت کے طور پر دیکھ سکتا ہے۔ ماضی' حال اور مستقبل کے درمیان ربط قائم کرنا تخیل کا کام ہے۔ یہ تخیل ہی ہے جو ہمارے لئے فاصلوں کو پاٹ دیتا ہے۔ نعت گو شاعر کا تخیل اگر فعال اور متحرک ہے تو وہ اُسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے مدینے میں پہنچا دے گا۔ وہ اپنے آپ کو بزمِ رسالت میں نفس گم کردہ اصحاب کے درمیان بیٹھا ہوا یا دست بستہ کھڑا ہوا پائے گا۔ وہ ایک عظیم تجربے سے گزرے گا۔ آفتاب رسالت کی شعاعیں اُس پر پڑ رہی ہیں اور ان کرنوں سے اُس کا وجود بدل رہا ہے۔ ان کی موجودگی کا احساس حقیقی ہے' مگر نگاہیں دیدار جلوہ کے لیے اٹھنے کی ہمت نہیں کرتیں۔ بس موجودگی کا احساس ہی آدمی کو بدل رہا ہے۔ کانوں کو اذان بلالی سنائی دے رہی ہے اور اسِ اذان کی لہروں سے کانوں کے ذریعہ ایمان کا مفہوم دل میں اتر رہا ہے۔ اصحاب صفہ کے ہونٹوں پر قرآن و حدیث کے غنچے کھل رہے ہیں یا وہ خاموشی سے بیٹھے دین کے نکات پر غور کر رہے ہیں۔ اردو شاعری میں تخیل کے اس عمل کی چند اچھی مثالیں موجود ہیں۔ حفیظ کے شاہنامۂ اسلام میں "دعائے صحرا" کو لے لیجئے۔ صحرا کس طرح ایک زندہ وجود میں بدل جاتا ہے جسے ایک طرف سرورِ کائنات کے قدموں سے اپنی سرفرازی پر فخر ہے اور دوسری طرف یہ غم ہے کہ اُس کے دامن میں رسول کائنات اور اُن کے ساتھیوں کے لیے پانی کا ذخیرہ نہیں۔ ایک ایک لفظ حقیقت کا عکس نہیں بلکہ حقیقت اور حقیقی واردات کا اظہار معلوم ہوتا ہے۔ یا محسن کاکوروی نے رات کو کعبے میں کس طرح داخل ہوتے دیکھا۔ وہ کیسی رات تھی جب سناٹا اور انفاس ہوا ہم آغوش ہو گئے تھے اور جب غلافِ کعبہ میں جذبات کی لرزش خفی نگاہوں پر آشکار ہو گئی تھی۔

بھیگی ہوئی رات آبرو سے
داخل ہوئی کعبے میں وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلیٰ گل اندام
شبنم کی ردا بقصد احرام
کیا سعیٔ صفا سے رنگ فق ہے
سر سے پا تک عرق عرق ہے

آنا ٹھلتا ہوا نہ جانا انداز خرام صوفیانہ
سنائے کا دم انیس و محرم انفاس ہوا رفیق و محرم
خوشبو وہ کہ ہار یاسمن کے لپٹے ہوئے بالوں میں دلہن کے
قطبین کے سایۂ ضیا میں مشغول دوگانے کے ادا میں

محسن کے یہ اشعار جب حرم کعبہ میں اپنی پہلی حاضری کے موقع پر مجھے یاد آئے تو "میں نے دیکھا کہ غلافِ کعبہ میں حرکت سی تھی۔ غلافِ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ رات نے غلاف کو اپنا پردہ بنالیا تھا۔ انسانی آوازوں کے درمیان خاموشی کا ایک جزیرہ تھا اور رات خاموشی کے اُس جزیرے میں انفاس ہوا سے پیام دوست سُن رہی تھی۔ سنگِ اسود ازلی اور ابدی خوشبوؤں کا گہوارہ بنا ہوا تھا" (وطن سے وطن تک)۔

یہ شاعرانہ تخیل کا اعجاز ہے کہ اُس نے نظروں کے سامنے موجود منظر کو چودہ صدیوں کے کینوس پر پھیلادیا۔ شاعر کا تخیل ہماری دید اور فکر کو نئی جہات عطا کر دیتا ہے۔

نعت میں تو تخیل میں دل بھی شامل ہو جاتا ہے۔ دل کو ایک نئی زندگی بخشی جاتی ہے۔

دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بتدریج بندے کو عطا کرتے ہیں چشم نگراں اور

محسن، حفیظ اور اقبال کی نعتیہ شاعری نے دل، تخیل اور چشم نگراں کے رشتے کی تفہیم کو میرے لیے ممکن بنادیا۔ (ان تین شاعروں کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ ابھی اُن کی مثالیں دی گئی ہیں، ورنہ دوسرے شاعر بھی فہرست میں شامل کئے جاسکتے ہیں۔)

محاکات کو بھی تخیل کے دائرے میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ امیجری کے لیے ہمارے نقادوں نے محاکات کی اصطلاح ہی استعمال کی ہے۔ کسی منظر کی جزئیات کو اس طرح پیش کرنا کہ وہ منظر ہمارے سامنے مجسم ہو جائے محاکات ہے۔ اس بات کے اعادے کی ضرورت نہیں کہ محاکات کے لیے لفظوں کو رنگ اور خطوط کے طور پر استعمال کرنا ضروری ہے۔

جدت اور جدید اسلوب کا رشتہ ان تمام عناصر سے ہے۔ آج کل جدت کو نئے اصناف کے استعمال سے مشروط کیا جا رہا ہے مثلاً سانیٹ، ہائیکو، ماہیا، نثری نظم وغیرہ۔ ایک حد تک تو یہ بات درست ہے، مگر یہ جدت میرے خیال میں اوپری جدت ہے، اگر کوئی نئی فکر، نیا منظر، نیا خیال ان نئے اصناف کے سہارے سامنے نہیں آتا۔ سانیٹ کا تجربہ اردو میں پہلے پہل بیسویں صدی کے دوسرے عشرے کے آغاز میں سامنے آیا۔ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی نے پہلا سانیٹ لکھا۔ اُس کے بعد دوسرے شاعروں نے طبع آزمائی کی۔ اہم شعرا میں سے ن۔ م۔ راشد نے سانیٹ لکھے جن میں سے دو ایک سانیٹ "ماورا" میں موجود ہیں۔ پاکستانی شعرا

میں ش۔ صحیٰ کے سانیٹوں میں شعر کا جلوہ نظر آتا ہے،لیکن مجموعی طور پر سانیٹ اردو کی صنف سخن نہیں بن سکا۔ ہائیکو اور واکا کے بارے میں بھی میرا یہی تاثر ہے لیکن یہ اصناف ہمارے مزاج اور ذوق شعری سے قریب تر ہیں۔ ہائیکو کے تین مصرعوں میں ایک خیال اُسی طرح سمٹ آتا ہے۔ جیسے غزل کے دو مصرعوں میں 'اور واکا' صورت میں نہ سہی اپنی "وسعت" میں رباعی کی یاد دلاتا ہے۔ بہر صورت ان پیکروں کو قبول کرنے میں کوئی قباحت نہیں اگر شاعر کا انداز اور مزاج ان سے مطابقت پیدا کرے۔

صرف مدینے میں
اور کہاں پر اُگتے ہیں
سورج سینے میں
صبیح رحمانی

ابھی تک اردو میں ہائیکو کی ہیئت متعین نہیں ہو سکی، لیکن پہلے اور تیسرے مصرعوں میں قوافی کا التزام! ہمارے مذاقِ سخن اور غزل کے شعر سے قریب تر کر دیتا ہے۔ جاپانی شعرا ہائیکو میں فطرت سے متعلق لفظ کو اہمیت دیتے ہیں۔ صبیح رحمانی کے اِس ہائیکو میں سورج کا لفظ اس شرط کو پورا کرتا ہے، اور یہ لفظ یہاں ایک استعارہ بن گیا ہے، اور یوں غزل سا ماحول اُبھر آئی ہے۔

جدید اسالیب کی تلاش میں سرگرداں نعت کے بعض نقادوں نے مثلث، مخمس، مسدس سے لے کر مثمن اور مستزاد تک کی وادیوں کو طے کر لیا ہے۔ اسی طرح بعض معتبر نقاد بھی غزل کی ہیئت کو نعت کی رفتارِ ترقی کو روکنے کے مترادف سمجھتے ہیں۔ غزل ہماری شاعری کی شہزادی شہر زاد ہے اور اس کے بغیر شعرو ادب کی الف لیلہ اپنے مرکزی کردار سے محروم رہے گی۔ غزل کی کیا کیا مخالفت نہ کی گئی۔ کلیم الدین احمد نے اسے نیم وحشی صنف سخن کہا، اُن سے پہلے عظمت اللہ خان نے اِس کی مخالفت کی۔ جوش صاحب نے ساری زندگی غزل کا مذاق اُڑایا اور ساری زندگی نظم کے نام پر غزلِ مسلسل کہتے رہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ ہر شاعر کو اپنے مزاج اور اپنے موضوع کے مطابق پیکر شعری کے انتخاب کا حق حاصل ہے۔ ہمارے دور میں عبدالعزیز خالد نے نہایت طویل نعتیہ نظمیں غزل یا قصیدہ اور مثنوی کے فارم میں لکھی ہیں، محسن کاکوروی کی مثنویاں ہماری نعتیہ شاعری کے شب افروز ہیروں کا درجہ رکھتی ہیں۔ سودا اور مومن کے نعتیہ قصائد قصیدہ کی روایتی تکمیل اور ہنر مندی کے نمونے ہیں اور محسن نے طرزِ نو کی بنیاد ڈالی۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

بیسویں صدی میں بھی عزیز لکھنوی نے اچھے نعتیہ قصیدے لکھے۔ میرا مقصد اس وقت نعتیہ قصائد کی تاریخ مرتب کرنا نہیں، محض یہ عرض کرنا ہے کہ ہماری نعتیہ شاعری میں اسالیب کا تنوع پوری طرح

موجود ہے' لیکن نعت کے بہترین نمونے ہمیں غزل کے پیکر میں ملتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہر قوم اپنا اظہار مختلف فنونِ لطیفہ کے ذریعہ کرتی ہے۔ یونانیوں نے اپنا اظہار مجسمہ سازی اور ڈرامے کے ذریعہ کیا' ہندوؤں نے رقص اور سنگیت کے ذریعہ اپنے جوہر کو آشکار کیا' مسلمانوں نے شاعری' فنِ تعمیر اور خطاطی کے ذریعہ اپنے مزاج اور تخلیقی توانائیوں کا اظہار کیا۔ پھر علاقوں کا اثر بھی توجہ طلب ہے۔ عربوں نے قصیدہ کو اپنی زندگی کے ہر پہلو کے اظہار کے لیے منتخب کیا اور ہم اہل عجم نے غزل کو اپنی ذات اور مزاج کا آئینہ بنالیا۔ غزل نے تنقید اور حالات کی آگ میں "غسل آتشیں" کے ذریعہ اپنے حسن کو چمکایا ہے۔ غزل کے پیکر کا کمال یہ ہے کہ شاعر حقیقی رفعت تک اپنی دروں بینی کے سہارے پہنچ جاتا ہے' بے مقصد آرائش اور لفاظی سے بچ جاتا ہے اور پیچیدہ گوئی کی زحمت سے شاعر اور قاری دونوں بچ جاتے ہیں۔ اختر الایمان بھی غزل کے خاصے خلاف تھے اور سمجھتے تھے کہ غزل نے شاعروں کو محدود کر دیا ہے۔ میں نے اُن سے عرض کیا تھا کہ آپ کی مختصر اور خوبصورت ترین نظمیں ہیئت کے فرق کے باوجود غزلیں ہی ہیں۔ اُن میں روحِ تغزل ہے۔

مثلاً آپ کی نظم

شب ماہ بھی تو' سحر بھی تو

یا ایسے مصرعے۔

کون ستارے چھو سکتا ہے' راہ میں سانس اُکھڑ جاتی ہے

یہ سب "غزل طور" ہیں۔

آج کی نعت کا سب سے توانا اور سب سے جدید حصہ وہی ہے جو غزل کے فارم میں لکھا گیا ہے۔ اس کا ایک سبب تو غزل کے اپنے امکانات ہیں اور دوسرا سبب یہ ہے کہ آج کے بہترین نعت گو وہی شاعر ہیں جنھوں نے غزل کی صنف کو مسخر کیا اور اُس میں اپنے ہنر کو تسلیم کرایا۔ ان شاعروں میں پرانے بھی ہیں اور نئے بھی۔ چند اشعار پیش کرتا ہوں۔ ان کی تازگی اور جدت تک پہنچنے میں آپ کو زحمت نہیں ہوگی۔ غزل کی فیاضی دیدنی ہے۔ وہ اپنے قاری کو دل و نظر کی نزاکتوں اور حسن کے بدیے ضرور پیش کرتی ہے۔

فروغ حسن سے تیرے چمک گئی ہر شے
ادا و رسمِ بلالؓ و طرزِ بولہبی

اصغر گونڈوی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان نے اگر ایک طرف ابو بکرؓ میں پنہچے ہوئے صدق' عمرؓ میں موجودہ فاروقیت' عثمانؓ کی فطرت کے غنا اور علیؓ کے مزاج میں بے تاب علم کو اُبھار اور تکمیل تک پہنچایا تو دوسری طرف ابو جہل اور ابولہب کی کفر کی قوت کو اُبھارا تا کہ دنیا دیکھ لے کہ کفر اپنی تمام تر طاقت کے

باوجود اپنے اندر خسراں اور ہلاکت کے سوا کچھ اور نہیں رکھتا۔

دانش خیال مرگ سے مطلق نہیں ہراس میں جانتا ہوں موت ہے سنت رسولؐ کی

احسان دانش نے اس کائنات میں ہر لمحہ واقع ہونے والی حقیقت موت کو کس طرح سنت رسولؐ سے متعلق کیا ہے۔ حالی نے تخیل کی وضاحت کرتے ہوئے یہ نکتہ بیان کیا تھا کہ تخیل دو الگ الگ چیزوں میں ایک ایسا رشتہ اور تعلق پیدا کرتا ہے' جس کی طرف کسی نے دھیان نہ دیا ہو۔ موت کی ہمہ گیری اور ناگزیر ہونے سے ہم سب واقف ہیں' اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت' ہماری زندگی کا راستہ ہے۔ احسان دانش نے ان دونوں کو ہم رشتہ بنایا۔ مضمون تازہ تخیل کی مدد ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

اب بغیر کسی تبصرہ کے نعت کے چند شعر پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ وہ پھول ہیں جن پر حب نبی کا "آب حیات شادابی بن کر برسا ہے تاکہ شادابی پر کملاہٹ کا اثر نہ ہو"

سبوئے جاں میں چھلکتا ہے کیمیا کی طرح کوئی شراب نہیں عشق مصطفیٰؐ کی طرح
وہ جس کے لطف سے کھلتا ہے غنچۂ ادراک وہ جس کا نام نسیم گرہ کشا کی طرح

سراج الدین ظفر

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا' ہزاروں کا سہی اب سے تا حشر جو فردا ہے وہ تنہا تیرا

دل میں اترتے حرف سے مجھ کو ملا پتا ترا معجزہ حسن صوت کا' زمزمہ ء صدا ترا

احمد ندیم قاسمی

نظم ہستی میں توازن کے لیے ساری دُنیا اور تنہا مصطفیٰؐ

تابش دہلوی

کچھ اپنے خانہ ء دل کا سا کارخانہ تھا بخطِ نور جہاں آستاں لکھا دیکھا

حنیف اسعدی

نثار زندگی جس نے حضورؐ پر کر دی وہ سیر کرتا ہوا وادیٔ بقا میں ملا

مظفر وارثی

بس جائے اگر دل میں مرا رب تو سمجھنا
یہ دل ہے حرم' اس کی ہیں میقات یہ آنکھیں

آفتاب کریمی

جس نے کونین کی رگ رگ میں لہو دوڑایا افقِ مشرقِ آدم پہ وہ خورشید آیا

محسن احسان

تقدیر پہ چھوڑا ہے اس ناقۂ ہستی کو یہ کعبہ ہے، وہ طیبہ دیکھیں تو کہاں ٹھہرے

میں دل کے حرا میں ہوں اور فکر ثنا میں ہوں کہ دو مرے سائے میں وقت گزراں ٹھہرے

سرشار صدیقی

اُس کی شاخوں پہ آکر زمانے کے موسم بسیرا کریں اک شجر جس کے دامن کا سایہ بہت اور گھنیرا بہت

میری بینائی سے اور میرے ذہن سے محو ہوتا نہیں میں نے اسمِ محمدؐ کو دیکھا بہت اور سوچا بہت

سلیم کوثر

سارے عالم کو جزیرہ ٹھہراؤں ایک انساں کو سمندر لکھوں

ثروت حسین

مرے طاقِ جاں میں نسبت کے چراغ جل رہے ہیں مجھے خوف تیرگی کا کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا

کسی وہم نے صدا دی "کوئی آپ کا مماثل؟" تو یقیں پکار اٹھا "کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا"

صبیح رحمانی

خلا سے دیکھئے تو خاتمِ زمیں میں ریاض نگیں کی طرح دمکتا ہے گنبد خضرئی

ریاض مجید

ان نعتیہ اشعار میں وہ بہت سے عناصر موجود ہیں جو ہماری شاعری اور غزل کی تعمیر کرتے ہیں۔ تخیل، مرتبہ ٔرسالت کا ادراک، الفاظ کا دروبست اور ہر جگہ لفظ و معنی کا ارتباط موجود ہے۔ ایسی نئی ترکیبیں بھی بڑے آشنا انداز میں آگئی ہیں جو نئے مفاہیم کو ادا کر رہی ہیں اور جن کے تلازمے ثنائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ہیں۔ "ناقۂ ہستی" (حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُونٹنی اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مکان) افق مشرق آدم (ہمارے رسول انسانی حیات اور تاریخ کا سب سے بلند کنارا اور مقام ہیں) طاقِ جاں (وہ جگہ جو وجود میں مرکزی حیثیت رکھے اور جہاں چراغ نسبت جل سکے) پھر اپنے عہد کا خوبصورت استعارہ (خلا سے نظارۂ زمین)، حضور نبی کریمؐ کے نام کے بغیر شعر کا ایسا پھیلاؤ اور وسعت کہ کوان کے علاوہ کوئی اور یاد نہ آئے (سمندر) لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے جب آدمی تکلف اور تصنع کی بیساکھیوں کے سہارے جدت کی کاوش میں جتلانہ ہو بلکہ اپنے وجود کی سچائیوں کے ساتھ حریم ذہن اور خلوت سرائے دل

کو محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یاد اور تذکرہ کے لیے وقف کر دے' ورنہ اُن کے نام کے بغیر "سیکولر نعت" ہی کہی جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی تو خود نعت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر' اُن کے احباب واصحاب' اُن کے اہل بیت' اُن کی ازواج مطہرات اور اُن کی بنات طیبات کا ذکر تو اجزائے نعت بلکہ عناصر نعت میں شامل ہے۔ جدید اسالیب کے بہت سے سراغ رساں' اُن عناصر کے بغیر جدت تلاش کرتے ہیں خواہ نعت' نعت نہ رہ جائے۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا شاہکار محمد عربی ہیں تو ابو بکر و عمر' عثمان و علی شاہکار رسالت ہیں۔

غزل بڑی کافر صنفِ سخن ہے۔ ایسی صنفِ سخن جو کسی مصلحت کے در پر اپنے مزاج اور اداؤں کو قربان نہیں کرتی' لیکن درِ خیر الوریٰ پر آکر سجدۂ تسلیم و رضا بجالاتی ہے کہ اُس کی گل بدنی کو وہ گل فضا مل جاتی ہے جس کے بغیر وہ مکمل نہیں تھی۔ فعل کو ردیف بنانے سے غزل کو تسلسل مل جاتا ہے "تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو"۔ "وہ زمانہ یاد ہے" "کبھی تھا' نہ ہے' نہ ہوگا"۔ خبر رکھتے ہیں"۔ وابستہ ہے" یہ جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ یا خبریہ کے تردد میں پڑنے کا محل نہیں۔ فعل ناقص (جو محض خبر دے) فعل ہی ہے۔ (فعلیہ ردیفوں کے علاوہ طویل ردیفیں بھی فضا کی تخلیق میں بڑا حصہ لیتی ہیں اور یہ جدت غزل کے پیکر اور شاعر کے مزاج کے ہم آہنگ ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ اطہر نفیس مرحوم نے کس حسن سے جدت کے منبع کی خبر دی ہے۔

خود اپنے ہی باطن سے اُبھرتا ہے وہ موسم جو رنگ بچھا دیتا ہے تتلی کے پروں پر

شاعر کے باطن سے اُبھرتا ہوا رنگ و نور' عطا اور رحمت کا یہ موسم نعت کو ایسا نقشِ مزین بنا دیتا ہے جس میں وہ سارے رنگ موجود ہوتے ہیں جن کا کوئی نام دنیا کی کسی زبان میں نہیں۔ اور اس موسم کی تخلیق نسبت رسولؐ سے ہوتی ہے۔ وہ جنہیں ہمارے سلام و درود کی حاجت نہیں مگر ان پر سلام و درود بھیج کر ہم اپنی ذات کی تکمیل کرتے ہیں اور اپنی قبائے ذات پر رنگ الہٰی کے گل بوٹوں کو سجاتے ہیں۔ شاہ بدیٰ' حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام و درود بھیجتے ہوئے جب ہماری نظر گنبد خضریٰ' مسجد نبوی کے در و بام' مسجد قبا کی محرابوں' جنت البقیع کے روشن ذروں میں چھپے چاند سورج کی ضیا پر پڑتی ہے تو

بے ساختہ یہ نغمہ ہونٹوں پر آجاتا ہے۔

سر چشمۂ عطا' درِ خیر الوریٰ کی خیر گنبد سے جان و دل میں اُترتی ضیا کی خیر
ہر بابِ مسجدِ نبوی ہے درِ مُراد ہر زاویے سے اُس حرمِ دل کشا کی خیر
ہو منبرِ رسولؐ سے بیت حضورؐ تک ہر یادگار خواجۂ ارض و سما کی خیر
جاں کا خرابہ رشکِ حدیقہ بنا دیا اے شہرِ مصطفیٰ تری آب و ہوا کی خیر

طیبہ کے پاسبان، اُحد کے لیے سلام تقویٰ پہ استوار حریمِ قُبا کی خیر

حفیظ تائب

جدت اور جدید اسلوب کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کے مراحل (Process) سے فن کار اور شاعر بھی پوری طرح باخبر نہیں ہوتا۔ اپنے تمام شعور کے باوجود۔ تخلیق ایک پُراسرار عمل ہے، اور یہ فن کار کی ذات کی نمود ہے۔ کبھی ایک ناول میں ایک جملہ پڑھا تھا جو لوحِ ذہن کا حصہ بن گیا۔

Self Expression is the only Justification of life

"زندگی کا واحد جواز اپنا اظہار ہے"

ہمارے میر صاحب نے بھی تو کہا تھا۔

ہاں فقط ریختہ ہی کہنے نہ آئے تھے ہم چار دن یہ بھی تماشا سا دکھایا ہم نے

مگر سچ تو یہ ہے کہ یہ تماشا بھی ہم اپنے اختیار سے کب دکھاتے ہیں۔ ہم تو کفِ کوزہ گر میں مختلف پیکروں میں ڈھلتے رہتے ہیں۔ اور قصہ یہیں تمام نہیں ہوتا۔ پھر وہ کوزہ گر کسی حد تک اپنا فن ہماری طرف منتقل کر دیتا ہے۔

نعت میں جدت اور اسالیب جدید کی یہ گفتگو اب تک بڑی حد تک غزل تک محدود رہی ہے ویسے دوسرے اصناف کا ذکر بھی کیا جا چکا ہے۔ آج بھی نظم کے پیکروں میں نعت کہی جا رہی ہے۔ پیکروں میں نے یوں کہا کہ نظم کے کئی پیکر ہیں مثلث، رباعی، مخمس، مسدس، مثمن، قطعہ، قصیدہ، مثنوی سے لے کر سانٹ، ہائیکو، واکا، ماہیا، کافی، وائی، نظم آزاد اور نثری نظم تک۔ ہاں سہ حرفی کو تو میں بھول ہی گیا تھا۔ مختار صدیقی اور ابن انشاء نے سی حرفی کے عمدہ نمونے اردو میں پیش کیے۔ حفیظ تائب صاحب نے سی حرفی میں ایک بہت خوبصورت نعتیہ نظم کہی ہے۔ ان اصناف کے علاوہ دوہے کو بھی نعت کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مرحوم عرش صدیقی کی یاد آئی، جنھوں نے ایک پورا نعتیہ مجموعہ دوہے کی صنف میں مرتب کیا (کملی میں برات)۔ یوں نعت نے ہر صنف کو گل زمین بنا دیا ہے۔ بعض شعرا نے اپنی ذات میں موجود غنائیت کے اظہار سے بہت خوبصورت نظمیں لکھی ہیں۔ ایسی نظمیں جن میں الفاظ دف بجاتے اور رقص کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ رقص جو بدن کے خم و پیچ کی طرح نہیں ہے، بلکہ فطرت کی رفتار کی باقاعدگی اور نظم کی مثال ہے۔ ایسی نظموں میں مجھے مظفر وارثی کی نعتیہ نظم رحمۃ للعالمین بہت پسند ہے۔ غنائیت مظفر وارثی کی ذات کا بنیادی عنصر ہے۔

خوشبو تری جوئے کرم
آنکھیں تری بابِ حرم

اور

الہام جامہ ہے ترا
قرآں عمامہ ہے ترا

منبر ترا عرشِ بریں
یا رحمتہ للعالمین

نعت کا ایک عنصر یہ بھی ہے کہ موضوع شاعر کا ذاتی اور شخصی تجربہ بن جائے۔ اُس کی شخصیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت اور تعلق کی سکت ہو اور اُس کا تخیل اتنا رسا ہو کہ پندرہ صدیوں کے فاصلے کو پاٹ سکے۔ سرشار صدیقی کی نظم "ام النبیؐ" کے چند مصرعے ملاحظہ ہوں

فیصلہ ہے نظامِ قدرت کا
شاخ لازم ہے پھول سے پہلے
تیری تخلیق ناگزیر ہوئی
دو جہاں کے رسول سے پہلے
تیری عظمت کا کیا ٹھکانا ہے
تجھ سے جبریل ہم کلام ہوئے
آیتوں کے نزول سے پہلے

کبھی کبھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت کرتے ہوئے شاعر کا حقیقی احساسِ عجزِ بیان و کلام اُس پر نئے اسالیب کے دروازے کھول دیتا ہے۔ نعیم صدیقی کی مشہور نعتیہ نظم اس کی تاباں و درخشندہ مثال ہے۔

حضورؐ! ایک ہی مصرع یہ ہو سکا موزوں
"میں ایک نعت کہوں سوچتا ہوں کیسے کہوں"

یہ نظم شدّتِ احساس اور شاعر کے احساسِ درماندگی کی زندہ دستاویز کا درجہ رکھتی ہے۔ اس نظم کے بعد ایسی نظموں کا ایک سیلاب سا آگیا

میں نعت لکھوں تو کیسے لکھوں سعید وارثی

نعت میں کیسے لکھوں ضمیر اظہر

میں کیسے نعت لکھوں قمر انجم

جب جدت اسلوب کی کوشش میں توازن نہ رہے اور شاعر اپنے وجود کو اپنے لفظوں کا حصہ نہ بنا سکے تو جدت بھونڈے پن میں بدل جاتی ہے۔ یہ ایک ادبی حقیقت ہے کہ عظمت اور عظمت کی نقالی کا سر چشمہ ایک ہی ہوتا ہے۔ لونجائنس نے کم و بیش دو ہزار سال پہلے On Sublime (کچھ رفعت کے بارے میں) میں یہی بات کہی تھی کہ۔

"ادب میں یہ بھونڈا پن اور کجی ندرت اور انوکھے پن کے اُس شوق سے پیدا ہوتی ہے جس کے خبط میں آج کے مصنف اور شاعر مبتلا ہیں۔ ہماری خوبیوں اور خامیوں کا سر چشمہ ایک ہی ہوتا ہے۔ خوبصورت اندازِ بیان، رفیع اور بلند خیالات کسی ادبی تخلیق کو تاثر عطا کرتے ہیں، لیکن (اگر اعتدال نہ ہو تو) یہی عناصر تخلیق کار کی ناکامی کا بھی سر چشمہ اور منبع ہیں"

اگر روح پاکیزہ فضاؤں کا حصہ نہ بن سکی تو شاعر بے مقصد آرائش، اغلاق اور پیچیدہ گوئی کا شکار ہو جاتا ہے۔ ہر بڑے شاعر کے ہاں ہمیں کامیابی اور ناکامی کی مثالیں ملتی ہیں۔ آخر غالبؔ اور اقبالؔ جیسے عظیم شاعروں کے ہاں ہمیں ایسے مصرعے ملتے ہیں۔

بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیئے غالبؔ

مدت سے آرزو تھی کہ سیدھا کرے کوئی اقبالؔ

آج کی نعت میں بھی نامناسب جدت کی مثالوں کی کمی نہیں۔

میں تو آپؐ کی پتلی ہوں
میری ڈور ہے آپؐ کے ہاتھ

خالد احمد

پنگھٹ پہ محمدؐ کے کھڑا رہتا ہوں شب بھر
پانی بھرا کرتا ہے سویرا مرے آگے

مظفر وارثی

اس سلسلہ میں اور زیادہ مثالیں پیش کرنا کوئی خوشگوار کام نہیں،

میں نے اصنافِ سخن کے سلسلہ میں گیت کا ذکر نہیں کیا۔ گیت اردو شاعری کی زمین میں اجنبی

پودا نہیں۔ گیت کا انگ ہماری غزلوں میں بھی ملتا ہے۔ دکنی دور کی غزلوں میں یہ رنگ خاصا نمایاں ہے۔ اس کی ایک مثال قلی قطب کی وہ غزل ہے۔

پیا بن پیالہ پیا جائے نا

یا وجہی کی یہ غزل

طاقت نہیں دوری کی اب توں بیگی آمل رے پیا
تج بن منجے جینا بہوت ہوتا ہے مشکل رے پیا

یا ہاشمی دکنی کی یہ غزل

سجن آویں تو پردے سے نکل کر بھار بیٹھوں گی
بہانہ کر کے موتیاں کا پروتی ہار بیٹھو گی

میر صاحب کی طویل بحروں کی غزلوں میں بھی گیت کا آہنگ ملتا ہے۔ ہمارے عہد میں انشاجی کے ہاں ایسی کئی غزلیں ہیں۔ ویسے بھی اُن کا کہنا ہے۔

کس واسطے تخیت بنے رہیئے' ذرا رنگ بدل کے غزل کہئے
یہ جو اردو زبان ہماری ہے' سو رنگ ہیں اس کے دامن میں

اردو میں اچھے گیت بھی لکھے گئے ہیں۔ عظمت اللہ خان مرحوم' حفیظ جالندھری' احمد مقبول پوری' مطلبی فرید آبادی! آرزو لکھنوی اور نگار صہبائی ...... یہ چند نام یاد آگئے ہیں۔ یہ فہرست بہت ادھوری ہے۔ بعض صاحبان نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ان گیتوں میں ہندی پنگل کو نہیں فارسی عروض کو استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا جواب کافی ہے کہ یہ اردو کے گیت ہیں' جس طرح اردو دوہے' اپنی تقطیع میں ہندی دوہوں سے مختلف ہیں۔ میری ناچیز رائے میں مجموعی طور پر گیت کا مزاج اُس تقدس کے بار امانت کو نہیں اٹھا سکتا جو نعت کے لیے لازم ہے۔ بعض شاعروں نے قابل قبول نعتیہ گیت لکھے ہیں مثلاً بیکل اتساہی' نگار صہبائی عبد القیوم ناشاد اور آفتاب کریمی صاحبان نے۔

آفتاب کریمی صاحب کا نعتیہ مجموعہ "آنکھ بنی کشکول" حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ اس میں کئی اچھے نعتیہ گیت شامل ہیں۔

تم چلو تو چلو ورنہ میں تو چلی

اس کے باوجود میرے خیال میں گیت کا میدان نعت گوئی کے لیے مناسب نہیں۔ یہاں سروش کے غلط آہنگ ہونے کے بہت امکانات ہیں۔ جب ذکر ان کا ہو یا انؐ سے تخاطب کا معاملہ ہو تو "حبط اعمال" کا خوف دامن گیر رہتا ہے۔

تورے عشق کے ہم بھی جیتے
رورو عمر کا ساون بیتے
پانی بھی آگ لگائے ہے
یا نبیؐ! یاد توری آئے ہے

مظفر وارثی

نعت کا ایک اہم پہلو اور عنصر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ بلند کا شعور اور آگاہی ہے۔ آپ کے مقام کو قرآن عظیم اور احادیث نبوی کے مطالعے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کے بغیر افراط و تفریط کا وہی عالم رہے گا جو آج ہے۔ ہمارے بہت سے شاعر بعض وہ القاب و خطابات استعمال کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ سے فخر نبی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کتاب میں سرفراز فرمایا ہے۔ آپ رحمۃ للعالمین ہیں اور اپ کی رسالت کافۃ للنّاس ہے۔ قرآن حکیم نے آپ کو خاتم النبیین، شہید، شاہد، مطاع (جس کی اطاعت کی جائے) رؤف، رحیم (بالمومنین) مبشر، بشیر، نذیر، منذر، سراج، نور، داعی الی اللہ، مسلم اول، دعائے ابراہیم، مِن اللہ (احسان الٰہی) صاحب مقام محمود، عبد، مزّمل، مدّثر، حریص (مومنوں اور اُن کی فلاح کے لیے بے تاب) فاتح، عزیز، مصطفیٰ، مجتبیٰ، اولیٰ (بہت قریب، بڑا خیر خواہ) معلم کتاب، معلم حکمت، مزکّی، تالیٔ آیات اللہ (آیات اللہ کی تلاوت کرنے والا) صاحب، صاحب کوثر اور برہان کہا ہے۔

احادیث میں آپ کے کئی اور صفاتی نام ملتے ہیں ماحی، عاقب، حاشر وغیرہ۔ ہمارے شعرا نے آپ کی ذات و صفات کے ان پہلوؤں کا علمی اور تفصیلی مطالعہ نہیں کیا ہے۔ اسی طرح احادیث شفاعت سے آگہی کم کم ہے۔ ضروری ہے کہ اپنی نعت کو معنوی طور پر پُرمایہ بنانے کے لیے ہمارے شاعر اس طرف توجہ دیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ سیدالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام انسانوں کے مجموعی علم سے زیادہ ہے، آپ پر تمام زمانوں کے اُن رازوں کو فاش کر دیا گیا جن کا رشتہ انسانی نجات اور بہبود سے ہے، لیکن عالم الغیب والشہادۃ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ حدیث جبریل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ قیامت کی نشانیوں سے آپ کو آپ کے رب نے مطلع فرما دیا تھا، مگر ساعت قیامت کا راز آپ پر نہیں کھولا گیا تھا۔ ان موضوعات کو اس مطالعے میں خاصی تفصیل سے شامل کیا گیا ہے جسے آپ کتابی صورت میں جلد ملاحظہ کر سکیں گے (یہ تلخیص ہے)۔ ان پہلوؤں پر عزیز گرامی رشید وارثی کی تحریریں بھی قابلِ توجہ ہیں۔

ہمارے بعض شعراء نے تو معاذاللہ اللہ تعالیٰ کو بزعم خویش "معزول" کر دیا ہے۔ اسی طرح دوسرے انبیائے کرام کا ذکر جس طرح کیا جاتا ہے اُس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یقیناً تکلیف پہنچتی ہو گی۔ یہ

سب کچھ آپ کی تواضع کے خلاف ہے۔ یہ "عقائد" غیر محتاط انداز بیان کے ساتھ مل کر اور بھی سنگین بن گئے ہیں۔ سر دست میں اس بحث کو سمیٹتے ہوئے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

نہ سایہ ہو جس کا' نہ ہم پا' جس کا' تجلیِ خالق ہو جس کا سراپا

بتاؤ خدارا' مصور کی اپنے وہ صورت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

اختر موہانی

ہر ایک نقش قدم پر کروں گا میں سجدے کوئی بتائے محمد کہاں سے گزرے ہیں

خاور نوری

اس جذبہ کا اظہار کرنے والے شاعر کو کسی سے پوچھنے کی ضرورت کیسے پڑی؟ اُسے تو راستے خود بتا دیتے اور اگر نقشِ قدم موجود ہیں تو پوچھنے کی کیا ضرورت؟ ہمیں معلوم ہے کہ نقش پا استعارہ بھی ہے حضور کی سنّت اور طریقِ زیست کا' مگر استعارہ کو یوں نہیں نظم کیا جاتا کہ وہ لغت کا لفظ بن جائے۔

عروج آدمیت آپ پر تمام ہوا خدا خود اپنے ہی جلووں سے ہم کلام ہوا

مظفر وارثی

اپنے ہوتے ہوئے میرے اللہ نے کر دیا اپنا سب کچھ محمدؐ کے نام

مظفر وارثی

گونجتے رہتے ہیں قلب و جاں میں اسمائے رسول قرآں ہی نہیں' مدحِ سراپا میں بھی ہوں

صہبا اختر

اپنی مدح گوئی کا تقابل' قرآن کے ذکرِ رسول سے؟ معاذ اللہ۔ یہ قرآن سے اپنا تقابل ہے اور قرآن کیا ہے؟...... یہ منزل سکوت ہے۔

"نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم" اور "نعت کے عناصر"...... یہ دونوں تحریریں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ انہیں ایک ہی مطالعہ سمجھئے۔

مجبوراً نعت کے عناصر کی تلخیص پیش کی جا رہی ہے تاکہ نعت رنگ کے مندرجات میں توازن برقرار رہے۔ شاعر کے خلوص اور حب نبی اور اُس کی نوعیت کی گفتگو کو تفصیل سے شامل نہیں کیا گیا ہے' اور یہی عنصر' نعت کا حقیقی عنصر ہے۔ اس کی طرف اشارے ضرور کئے گئے ہیں۔ اس پہلو کو آپ کتابی صورت میں تفصیل سے پڑھ سکیں گے۔

میں نے بنیادی طور پر نعت کے ادبی عناصر کو اپنا موضوع بنایا ہے' لیکن مضامین نعت سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں کیونکہ ہر ادب پارہ' بالخصوص نعت' لفظ اور موضوع کا مجموعہ ہوتا ہے۔

اُردو نعت گوئی کے موضوعات

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف میں سب سے پہلے لفظ "نعت کا استعمال غالباً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

من راہ بداھۃ ھابہ و من خالطہ احبہ
یقول ناعتہ لم ارقبلہ و لا بعدہ مثلہ
صلّی اللہ علیہ وسلم
(شمائل ترمذی)

جس نے یکایک آپ کو دیکھا وہ ہیبت زدہ ہو گیا اور جو آپ سے ملا وہ آپ کا گرویدہ ہوا۔ آپ کا وصف کرنے والا یہی کہتا ہے کہ آپ سے پہلے نہ آپ جیسا دیکھا اور نہ آپ کے بعد آپ جیسا دیکھوں گا

نعت میں دراصل محض پیکر نبوت کے صوری محاسن کا بیان یا حضورؐ سے رسمی عقیدت کا اظہار ہی نہیں ہوتا' بلکہ ہر وہ شعر نعت کے دائرے میں آجاتا ہے' جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہو یا آپؐ سے بالواسطہ یا بلاواسطہ خطاب ہو اور جس کا تاثر ہمیں آپ کی ذات گرامی سے قریب کردے۔

حضورؐ کی نعت کا سب سے بڑا سرچشمہ قرآن حکیم ہے جو خود آنحضرتؐ پر بصورت وحی کم و بیش ۲۳ سال تک نازل ہوتا رہا۔ اسی لیے اُم المومنین حضرت عائشہؓ نے خلق محمدی کی تعریف میں "خلقہ القرآن" کہہ کر ساری کتاب آسمانی کو نعت کے موضوع سے جوڑ دیا تھا۔

قرآن حکیم میں مختلف طریقوں سے آپ کی تعریف و توصیف بیان ہوئی ہے جن کے ذریعہ آپ کی بشریت' عبدیت' رسالت' اسوۂ حسنہ' نورانیت اور فضیلت وغیرہ کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے۔

قُل اِنَّمآ اَنَا بَشَرٌ مِّثلُکُم یُوْ حیٰ اِلَیَّ
اَنَّمآ اِلٰھُکُم اِلٰہٌ وَّا حِدٌ
(الکھف ۱۱۰)

اے محمدؐ! کہو کہ میں تو تم جیسا ایک انسان ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔

کہہ کر کبھی تو حضورؐ کی بشریت کا اظہار کیا۔ اور

رَفَعنَا لَکَ ذِکرَکَ (انشراح ۴)

ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا

میں آپ کی بزرگی و برتری ثابت کر دی۔ پھر آپؐ کے طریقے کو ہی فلاح کا ضامن قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
(الاحزاب آیت ۲۱)

بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے میں اچھا نمونہ ہے۔

اور قل اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران آیت ۳۱) کہہ کر صاف بتلا دیا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا بھی تم سے محبت کرنے لگے تو اس کے لیے شرط یہ ہے کہ تم میرا اتباع کرو۔ کہیں یوں کہا گیا کہ مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (سورۃ النساء ۸۰) دوسری جگہ فرمایا کہ:۔

اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (البقرۃ ۱۱۹)

بے شک ہم نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری اور ڈر سنانے والا۔

کبھی آپؐ کو یٰسین وطٰہٰ کہہ کر مخاطب کیا گیا تو کبھی مزمل و مدثر کہہ کر۔ قرآن میں کہیں النبی الاُمّی تو کہیں رحمۃ للعٰلمین اور کہیں شاہد و مبشر اجیسی صفات کا بیان ہے کہیں یہ حکم دیا گیا کہ:۔

ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنو صلوا علیہ و سلموا تسلیما (احزاب ۵۶)

تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی ﷺ پر اے ایمان والوں ان پر درود بھیجو۔

پھر اللہ نے اپنی عنایات کی بارش آپؐ پر کی اور حضورؐ پر اپنی حجت تمام کر دی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ ۳۰)

اس کے بعد ایک نظر احادیث پر بھی ڈال لیں۔ بعض احادیث میں آپؐ نے خود اپنے مرتبے کو بیان فرما دیا ہے۔ مثلاً حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ:۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا اول الناس خروجا اذا بعثوا وانا خطیبھم اذا بعثوا وانا خطیبھم اذا وفدوا وانا مبشر ھم اذا یلسو لواء الحمد یومئذ بیدی و انا اکرم ولد آدم علی ربی ولا فخر
(الترمذی. باب المناقب ص ۲۰۱)

حضورؐ نے فرمایا۔ "لوگ جب اٹھائے جائیں گے تو میں پہلا شخص ہوں گا۔ اور جب وفد بنا کر پیش ہوں گے تو میں ان کی ترجمانی کروں گا اور میں ان کو بشارت دوں گا' جب وہ ناامید ہوں گے اس دن میرے قبضے میں حمد کا پرچم ہو گا اور میں اپنے پروردگار کے نزدیک اولاد آدم میں سب سے زیادہ مکرم ہوں گا اور یہ فخر نہیں ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے آپؐ کے جو اوصاف بیان کیے ہیں احادیث کے باب المناقب میں درج ہیں۔ حضرت علیؓ کا جو قول اوپر گذر چکا ہے۔ وہ نعتیہ مضمون کا عمدہ نمونہ ہے۔ مناقب کے باب میں اس طرح کے کئی تعریفی کلمات آپؐ کی شان مبارکہ میں بیان ہوئے ہیں۔ ترمذی نے "شمائل" کے عنوان سے ایک الگ باب قائم کیا ہے۔ جس میں حضورؐ کے سراپا کا بیان ہے اور آپؐ کے تواضع اخلاق 'مذاق' عبادات اور بسر اوقات وغیرہ تمام کیفیات و طریقہ ہائے حیات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

صحابہؓ کرام اور تابعینؒ عظام کی طرف سے تدوین احادیث کے لیے کی جانے والی کاوشیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و وارفتگی اور جذبۂ عشق صادق کا نادر نمونہ ہیں۔ آپؐ سے اسی طرح کے قلبی لگاؤ اور محبت وانسیت کی ترجمانی کے لیے بعض حضرات نے شاعری کا سہارا لیا اور عربی میں "المدائح النبویۃ" کے عنوان سے ایک نئی صنف شاعری کو وجود بخشا' جس کا وافر ذخیرہ عربی شعری سرمایے میں اضافہ کا باعث ہوا ہے۔ شیخ یوسف بن اسمٰعیل النبھانی نے ۱۳۲۰ھ میں "المجموعۃ النبھانیۃ فی المدائح النبویۃ" کے نام سے چار جلدوں میں عربی نعتوں کو جمع کیا ہے۔ (۱) عربی زبان کے بعد بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی۔

"فارسی زبان کا قدم اس وادیٔ ایمن کی رہ نوردی میں سب سے آگے رہا ہے۔" (۲)

یہاں ان دونوں زبانوں کی نعتیہ شاعری کی تاریخ سے صرف نظر کر کے اردو نعتیہ شاعری کے موضوعات پر اظہار خیال کرنا مقصود ہے۔ اردو کے نعت گو شعرا نے دوسری اصناف کی طرح اس صنف میں بھی عربی۔ فارسی کے نمونوں کو اپنے پیش نظر رکھا' لیکن عام اصناف کی طرح جا بجا عرب وایران کی روایات سے ہٹ کر بھی کچھ باتیں لکھی ہیں۔ اردو کے نعتیہ اثاثہ کو مختلف موضوعات کے دائرے میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) خالص نعت (۲) مولود نامے (۳) نور نامے (۴) معراج نامے (۵) وفات نامے (۶) اسرائیلیات (۷) صمیا تو غیرہ۔

نعت خالص :۔

نعت خالص سے مراد وہ نعتیہ کلام ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف اوصاف کا بیان ہو جو محامد و محاسن اور تعریف و توصیف کی حد تک ہی محدود ہو۔ اردو کے ایسے نعتیہ ذخیرہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور کئی کتابیں بھی اس ضمن میں موجود ہیں لیکن واقعات رسول کو نعت کے جن موضوعات کے ذیل میں قلم بند کیا گیا ہے یہاں اسی کا تذکرہ مقصود ہے۔ اس ضمن میں ولادتِ رسولؐ کو موضوع بنا کر لکھی گئی نعتیں "میلاد نامہ" کے ذیل میں شمار کی جا سکتی ہے۔

میلاد نامے:۔

مولود ناموں کی روایت اردو میں بہت قدیم ہے۔ عربی فارسی سے ہوتی ہوئی یہ روایت اردو ادب تک پہنچی۔ ذکر مولود پر سب سے پہلی کتاب ابوالخطاب عمر بن حسن بن دحیہ کلبی اندلیسی نے لکھی تھی۔ ابن خلکان اس کتاب کا نام "التنویر فی مولدالسراج المنیر" بتاتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ اُسے "التنویر فی مولد البشیر والنذیر" کہتے ہیں۔ اربل کے سلطان ابو سعید مظفر نے کتاب کے مصنف کو اس کے صلے میں ایک ہزار اشرفیاں بطور انعام دی تھیں۔ "تاریخ میلاد" کے مصنف نے "انوار ساطعہ" کے حوالے سے "مولود" کی چند اہم کتابوں کے نام گنوائے ہیں، جن میں (۱) حافظ شمس الدین دمشقی کی "مور الصادی فی مولد الھادی" (۲) محمد بن عثمان لولوی کی "دالورا المنظم فی مولد النبیؐ الاعظم" ابن جزری کی "عرف التعریف فی مولد الشریف" اور مجدالدین قاموس کی "نفحات العنبریہ فی مولد خیرالبریہ" وغیرہ مشہور ہیں۔

نفس ذکر میلادالنبی کو بعض علمائے اسلام صرف باعث خیر و ثواب ہی نہیں بلکہ مستحب و سنت قرار دیتے ہیں غالباً اسی لیے اردو کے شعری سرمایے میں میلاد ناموں کی کثرت ہے اکثر شعرا نے خیر و برکت اور ثواب حاصل کرنے کے لیے میلاد نامے لکھے اور مجالس میں پڑھے جن کا احاطہ باعث طوالت ہوگا اس لیے صرف مشہور اور پختہ مشق شعرا کی تصانیف کے ذکر پر اکتفا کیا جائے گا۔

اردو شاعری میں "ذکر میلادالنبیؐ" کو سلطان محمد قلی قطب شاہ سے پہلے کسی نے بھی مستقل طور پر منظوم نہیں کیا۔ محی الدین قادری زور مرحوم 'حدیقۃ السلاطین' کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔

> "محمد قلی قطب شاہ عید میلادالنبی کی بزم آرائی اور آئین بندی فضائے دلکشائے میدان داد محل میں کیا کرتا تھا...... عید میلادالنبیؐ کی آمد سے بہت قبل ہی صناع، ہنر مند اور استادان صنعت و حرفت دونوں عمارتوں کے سامنے (چاوڑی خانہ اور کو توال خانہ) اپنے عجیب و غریب کمالات کی پیشکش میں مشغول ہو جاتے اور آخر کار جب روز مولود...... آجاتی تو کوسوں، دماموں، نقاروں، نفیریوں اور قرناؤں کی آوازوں سے میدان داد محل گونج اٹھتا۔" (۳)

قلی قطب شاہ ہر یوم میلادالنبیؐ کے موقع پر ایک نظم اسی موضوع پر لکھا کرتا تھا۔ اس کے کلیات میں ہمیں عید میلاد پر چھ نظمیں اور ایک قصیدہ ملتا ہے۔ جن میں شاعر نے میلادالنبی کی عظمت بیان کی ہے۔

فرشتے سرگ ساتوکوں ستاریاں سوں سنوارے ہیں	شہ دنیاودیں کے تئیں عرش کرسی سنگارے ہیں
مگر مولود ہے شہ کا عرش اوپر طبل کا جے	مراداں پاؤنے سارے جگت ہاتاں پسارے ہیں(۴)

دوسری نظم میں شاعر نے "لولاک لما خلقت الافلاک" کی تصریح کی ہے شاعر کہتا ہے تمام دنوں میں اللہ نے اس دن کو فضیلت بخشی۔ یہ گنہ گاروں کی خلاصی کا دن ہے اور بہشتیوں کو اس دن نور کے لباس پہنائے جاتے ہیں۔ تیسری نظم میں اگرچہ بندی الفاظ کی بہتات ہے لیکن شاعر نے صنائع بدائع کا وافر استعمال صرف اسی ایک نظم میں نہایت فراخدلی سے کیا ہے۔ صنعت تجسیم کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔

خوش ہو خوشی ہنستی اہے، ہور عیش متوالا ہوا	عشرت لگیاں ناچنے، آلاپ جب گایا انند(۵)

عیش کا متوالا ہونا، عشرت کا ناچنا اور خوشی کی خوش ہو کر ہنسنا وغیرہ انوکھے اور نئے خیالات ہیں اور یہ تمام الفاظ مسرت و خوشی کے مظہر ہیں۔ اسی موضوع پر قلی قطب شاہ کا قصیدہ بھی کافی طویل ہے۔ شاعر نے بعثت نبویؐ پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔

عبداللہ قطب شاہ (م ۱۶۷۲ء) کے مختصر سے دیوان میں "مولود شریف" پر دو نظمیں ملتی ہیں۔ اول نظم بہاریہ عنصر لیے ہوئے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت چونکہ موسم بہار ہی میں ہوئی تھی اسی مناسبت سے شاعر نے اس نظم میں "جھاڑو کے بوارنے" غنچوں کے چٹخنے، گلو کے کھلنے وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

جھلک ہو مولود کا بھی جگ میں آیا	جگت سب اس جھلک تے جگمگایا
مگن کرتے گگن، ہو کر ہر اک جھاڑ	سورج ہور چاند تارے بار لیایا(۶)

اسی عہد میں علاقہ بھروچ کر ایک غیر معروف شاعر عبدالملک کے مولود نامے کا تعارف زور مرحوم نے وضاحتی فہرست میں کرایا ہے۔ شاعر اپنی تصنیف کے ماخذ و مراجع احادیث نبوی کو بتاتا ہے، لیکن بالاستیعاب پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ موضوع احادیث کے سوا وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ یہی حال فتاحی کی "مفید الیقین" کا ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بعثت اور معجزات منظوم کیے گئے ہیں۔ شاعر نے ان تمام روایات کو اس میلادنامے میں شامل کر لیا ہے جن کا استعمال عموماً میلادناموں میں مستحسن قرار دیا جاتا ہے مثلاً حضرت آمنہؓ کو ایام حمل میں خوابوں کا دکھائی دینا اور نوماہ تک متواتر نو پیغمبروں کا بشارت دینا وغیرہ اغلب ہے کہ یہ عقیدت میں غلو اور اسرائیلی اساطیر کا تتبع ہو۔ بہر کیف فتاحی کی "مفید الیقین" عجیب و غریب واقعات سے مذ ہے۔ مولانا شبلیؒ نے سیرت النبیؐ میں ایسی تمام موضوع، ضعیف روایات پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے اور ان کے وضع و ضعف پر سے پردہ ہٹا دیا ہے۔

مولود رسول ﷺ پر دکنی شاعر مختار نے بھی ایک رسالہ ترتیب دیا تھا۔ صحت روایات کے اعتبار سے اگرچہ اس میں بھی ضعف ہے لیکن شعریت سے بھرپور ہے۔ مختار کی یہ مثنوی تقریباً ۲۱۰۰ اشعار پر محیط ہے۔ اسے مجلس میلاد میں ترنم سے پڑھا جاسکتا ہے۔ معجزات کے بیان میں مختار نے چند بیانات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دیے ہیں۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے مختار نے یہ کہلوادیا کہ "میری وجہ سے ابراہیمؑ نے نار نمرود سے خلاصی پائی تھی۔" "نوحؑ طوفان سے محفوظ رہے تھے۔" وغیرہ۔ مختار نے "معجزۂ شق القمر" "شہادت الحجر"..... انگشت مبارک سے پانی کا نکلنا" وغیرہ کی روایت صحیح بھی تفصیلاً نظم کیے ہیں۔

شعرائے قدیم میں گودہرا (گجرات) کے شاعر امین کے "تولد نامہ" میں بھی ولادتِ رسول کا ذکر ہے۔ یہ ڈھائی ہزار اشعار کی مثنوی شاعر کی کہنہ مشقی کا پتا دیتی ہے، لیکن جہاں تک مذہبی حیثیت کا تعلق ہے تو بقول ظہیر الدین مدنی۔ "اس میں بہت غلط بیانی پائی جاتی ہے۔(۷-) "اور پروفیسر نجیب اشرف نے صاف صاف کہہ دیا ہے۔

> "تولد نامہ اپنے عہد کی اس موضوع کی مثنویوں میں متعدد حیثیت سے اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں اس میں جو واقعات بیان کیے ہیں وہ بڑی حد تک کرشن جی کی ولادت کے حالات کا آئینہ معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت خدیجہؓ کی ابتدائی زندگی اور شادی سے متعلق بھی عجیب وغریب روایتیں بیان کی ہیں(۸-)"

دکن کے ایک شاعر غوثی نے "قصص الانبیاء" کے عنوان سے تین دفتروں پر مشتمل ایک طویل مثنوی لکھی ہے، جس میں پیغمبروں کی سیرت اور حالات و کوائف بیان کیے ہیں۔ غوثی نے اس مثنوی کے تیسرے دفتر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، بعثت، معجزات وغیرہ کو نہایت تفصیل سے نظم کیا ہے۔ غوثی واقعات کو مسلسل اشاعت میں گوندھنے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ اس لیے اتنی طویل مثنوی کے تینوں دفتروں میں باہم ربط دکھائی دیتا ہے اور واقعات یکے بعد دیگرے قاری کے سامنے ابھرتے چلے جاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ منظوم کرنے میں شعرائے قدیم کے گل سرسبد محمد باقر آگاہ قادری بیجاپوری ثم ایلوری صف اول میں شمار ہوتے ہیں۔ "ہشت بہشت" جو منظوم سیرت پاکؐ ہے، تقریباً 9 ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔ اس کے ایک حصہ "من موہن" میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر مبارک ہوا ہے۔ شاعر نے اسلامی روایات کے ساتھ اسرائیلی اساطیر کا بھی سہارا لیا ہے۔ لیکن ان کے برتنے میں وہ حد درجہ محتاط نظر آتے ہیں۔ اسی وجہ سے دیگر شعرائے کرام کی بہ نسبت ان کے یہاں تاریخی حقائق اور احادیث و نصوص کی وافر مقدار نظر آتی ہے۔ اگرچہ بعض جگہ سہو و تسامح کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ لیکن شاعر نے عوامی اعتقادات اور غلط مذہبی رجحانات کے پیش نظر ان کو اپنایا ہے۔ مثلاً استقرارِ حمل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے آگاہ نے ایک مدرج بلکہ موضوع حدیث نقل کی ہے کہ "اسی شب فرشتوں نے شیطان کو مع اپنے تخت کے دریا میں ڈال دیا اور چالیس روز تک اس پر عذاب مسلط کیا گیا۔ اس کے ساتھیوں کے استفسار پر اس نے کہا کہ آج کی شب آمنہؓ کے شکم میں محمدؐ کا حمل قرار پایا ہے۔ جو خاتم المرسلین ہوں گے اور اولین و آخرین میں سب سے بہتر بھی مثنوی میں بعض جگہ تاریخی سقم بھی در آئے ہیں مثلاً۔

نو مہینے ہوئے ہیں پورے جب	آمنہؓ کے اوپر بغیر تعب
بارویں کو ربیع کی اے یار	صبح کوں پیر کے بوقت بہار
جب ہوئے اصحاب فیل سب ویراں	بعد پنجاہ و پنج روز ازاں
چھ سو لوپر ہوئے تھے تیس برس	وقت عیسیٰ سے جب اے پاک نفس
جان جاں و جہاں ہوا پیدا	شاہ کون و مکاں ہوا پیدا(۹)

یہاں آپ ﷺ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول ۶۳۰ھ واقعہ فیل کے ۵۵ دن بعد بتائی گئی ہے جبکہ مؤرخین اسلام آپ ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل کے ۵۰ دن بعد ۵۷۱ء کو مانتے ہیں اور اسی پر اکثریت کا اتفاق ہے۔ معجزات کے بیان میں باقر آگاہ نے علامہ سیوطیؒ کی "رسائل مولود" مولانا جامیؔ کی "شواہد النبیؐ" اور عبدالحق دہلوی کی "معارج النبوۃ" وغیرہ سے استنباط کیا ہے۔

دکن ہی کے ایک غیر معروف شاعر سید حیات کی تصنیف "کتاب احوال النبیؐ" میں بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر ہے۔ کہتے ہیں ؎

جب آمنہؓ حاملہ ہوئی نور سے	گھر ہوا روشن زیادہ سور سے
....	....
وقت آیا جب تولد کا قریب	یک تجلی نور کی ہوئی اے حبیب
صبح دم ظاہر ہوا وو بے نظیر	تھی ربیع الاول کی دوسری روز پیر(۱۰)

آخری مصرع پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے "دوشنبہ" کا ترجمہ "دوسری روز" کر دیا۔

پھر ردیف اور قافیہ کی مناسبت سے "پیر" بھی لکھدیا۔ جس کی وجہ سے اس مصرع کے معنی مبہم ہو گئے ہیں۔ اس کے مطابق تاریخ پیدائش ۱۲ ربیع الاول بروز پیر نکلتی ہے جو سراسر غلط ہے۔

ذوقؔ و غالبؔ کے معاصر سید عبدالمفتاح اشرفؔ کے دیوان "اشرف الاشعار" میں واقعہ میلاد النبیؐ پر کئی نظمیں ملتی ہیں۔ شاعر ذکر میلاد النبی کو شعار اہل ایمان گردانتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ادب سے، آج ہوتا ہے یہاں مولد حضرتؐ ۔ سنو اے دوستو! اب داستانِ مولد حضرتؐ

دوشنبہ بارہویں ماہ ربیع الاولیں کی تھی ۔ طلوع آفتاب عزوشاں مولد حضرتؐ

گرے نوشیرواں کے قصر کے چودہ منارے تب ۔ پڑے بت اوندھے مکہ میں زمان مولد حضرتؐ

جھکا کعبہ طرف گھر آمنہؓ کا بار کوع ہو کر ۔ قیامت تک رہے باقی نشان مولد حضرتؐ

اشرف نے تیسرے شعر میں تاریخ واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب آپ کی ولادت ہوئی تو قیصر روم کے قصر کے کنگورے گر گئے تھے اور کعبۃ اللہ میں نصب بت اوندھے منہ گر گئے تھے۔

امیرؔ مینائی کی "صبح ازل" ولادت باسعادت حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں ایک اچھی مثنوی ہے۔ اگرچہ امیرؔ نے فن نعت گوئی کو مستقلاً اختیار نہیں کیا، لیکن ان کے کلام میں معتدبہ حصہ نعتیہ مضامین کا ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق امیرؔ کی نعتیہ شاعری کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

> "نعت کا جو طرز ہمارے اکثر شعرا نے اختیار کیا ہے وہ بہت ہی قابل اصلاح ہے...... بھلا نعت میں زلف و کمر، خط و خال وغیرہ سے کیا تعلق...... مانا کہ یہ بھی سہی، مگر یہ کیسی غضب کی بات ہے کہ جو مقصد نعت کا ہے اور جو نعت کی جان ہے وہ بالکل غائب۔ گو بعض اوقات منشی صاحب (امیر مینائی) بھی اس ڈھرے پر چلے ہیں، مگر انہوں نے بہت اعتدال سے کام لیا ہے۔" (۱۲)

بہر کیف "صبح ازل" میں جو مسدس میں لکھی گئی ہے شاعر نے خوشی و شادی کی نظر کشی کی ہے اور ولادت رسولؐ کے موقع پر شیاطین کے ماتم کدوں کا نقشہ بھی پیش کیا ہے۔ عقیدت کی ایسی شاعری میں امیر شعری محاسن کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ شاعر نے رسوم میلاد کو ذہن میں رکھ کر ہی "صبح ازل" لکھی ہے اس لیے جابجا ان رسوم کا ذکر اس مثنوی میں ہوا ہے۔ مثلاً دوران ذکر مولود قیام کرنا ایک رسم بن گئی ہے۔ جو فخر دو عالم کی آمد میں تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کے مصداق ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

لو مومنو اب شاد کی تعظیم کو اٹھو ۔ محفل میں حضورؐ آتے ہیں تسلیم کو اٹھو

قربان کرو لا کے زروسیم کو اٹھو دیدارِ رخ احمد بے میم کو اٹھو

پھیلی ہے یہ ضو چار طرف ربِ علیٰ کی
تعظیم محمدؐ کی ہے تعظیم خدا کی (۱۳)

شاعر نے اس مثنوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف ارہاص کا بھی ذکر کیا ہے' جو ولادت رسولؐ کے وقت ظہور پذیر ہوئے تھے۔

مولود مسعود کے ذکر میں الطاف حسین حالی کے مسدس کے چند شعر ہی عقیدت و شعریت کا نہایت اعلیٰ وارفع نمونہ نظر آتے ہیں۔ حالی نے ذکر مولود میں اپنی ایجاز پسندی سے اعجاز پیدا کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے مسدس کے یہ گنے چنے اشعار مستقل لکھے گئے بڑے بڑے میلاد ناموں پر بھاری ہیں۔ ان میں نہ خلاف شرع کوئی بات کہی گئی ہے اور نہ ہی مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے۔ پیرائے میں سادگی لیے ہوئے قرآن و احادیث اور دیگر آسمانی کتب کے حوالوں سے پُر یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت بڑھا جانبِ بوقبیس ابرِ رحمت
ادا خاکِ بطحانے کی وہ ودیعت چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت

ہوئے پہلوئے آمنہؓ سے ہویدا
دعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحاؑ (۱۴)

قرآن میں دعائے خلیلی کے الفاظ ہیں "رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِنْهُمْ" (سورۃ البقرۃ ۱۲۹) حضرت عیسیٰؑ کی بشارت یوحنا کی انجیل میں بھی درج ہے اور قرآن کی سورۃ الصف میں "وَ مُبَشِّراً بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ" (آیت ۶) کے الفاظ میں وارد ہیں۔ ایک حدیث میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "میں اپنے دادا ابراہیمؑ کی بشارت ہوں۔"

حالی کے اس مسدس کے بعد "ذکر میلاد النبیؐ" کو موضوع سخن بنانے والوں میں سید وحید الدین سلیم (م ۱۹۲۷ء) کا نام لیا جا سکتا ہے۔ ان کے مولود بہاریہ "شعری محاسن کا گویا مرقع ہے۔ اس نظم میں طویل بحر اور ہر مصرع میں "مستفعلن" کی آٹھ بار تکرار سے موسیقیت پیدا کی گئی ہے۔ سلیم نے موسم بہار سے تعلق رکھنے والے تمام پھولوں' پودوں اور موسم سے مناسبت رکھنے والی تمام اشیاء کا ذکر نہایت خوبی اور روانی کے ساتھ کیا ہے' اس طرح یہ نظم مصوّری' شاعری اور موسیقی کا سنگم دکھائی دیتی ہے۔ نظم کا موضوع اگرچہ وہی ہے لیکن شاعر کے طرز بیان نے اس میں جدت اور نیا آہنگ پیدا کر دیا ہے۔

اے ہم دم شیریں سخن ہے نور حق پر تو فگن
ہر نخل گلی کی ہے پھبن طور جمال ذوالمنن

بن ٹھن عروسان چمن — شیریں ادا شیریں بدن
رنگیں قبا گل پیرہن — ہیں کس طرب سے خندہ زن
سرو ایک پاسے ہے کھڑا — کس درجہ ہے شرم و حیا
خاموش ہے سر کو جھکا — یہ طرز کوئی سمجھے کیا
جب تک چلی بادِ صبا — پتوں نے یہ کھولا پتا
کہتا ہے یہ ملے علی — اے مرحبا گھر زمن
نورِ قدم پیدا ہوا — شاہ امم پیدا ہوا
عرشی خدم پیدا ہوا — والا حشم پیدا ہوا
فرخ شیم پیدا ہوا — بحر کرم پیدا ہوا
کوہ ہمم پیدا ہوا — پیدا ہوا قدسی سخن(۱۵)

"ولادت رسول ﷺ" کے واقعہ کو شاد عظیم آبادی نے بھی نظم کیا ہے۔ شاعر نے البتہ شاعرانہ تخیلات سے زیادہ روایات پر زور دیا ہے۔ جیسا کہ پچھلے شعرا کے میلاد ناموں میں ہم دیکھ چکے ہیں۔

اردو ادب میں شاعری اور درویشی کا ہمیشہ چولی دامن کا تعلق رہا ہے صوفیوں اور درویشوں نے عوامی لب و لہجہ میں دین کی باتیں لوگوں تک پہنچائیں۔ اس کے لیے کبھی تو انھوں نے قصہ کہانی کا سہارا لیا کبھی منطقیانہ اور فلسفیانہ طریقوں کو اپنایا اور کبھی عشق کا سہارا لیا کبھی رجز کا لیکن ایسی شاعری سے عورتیں مستفیض نہیں ہو سکتی تھیں اس لیے ان صوفیوں اور درویشوں نے عوامی گیتوں کا بھی سہارا لیا جو بالخصوص عورتوں میں مروج ہیں۔ مثلاً چکی نامہ 'چرخی نامہ' جھولنا نامہ وغیرہ۔ یوپی۔ کے ایک شاعر نورؔ سہارنپوری کا یہ "جھولنا نامہ" ملاحظہ کیجئے جس میں ذکر "میلاد" ہے۔

جھولتے جب نبی مصطفےٰ جھولنا — جھوم کر کہتا صل علیٰ جھولنا
نوری پھولوں سے پھولا۔ پھلا جھولنا — جھوم کر کہتا صل علیٰ جھولنا(۱۶)

اور امجدؔ حیدر آبادی کی نظم "نبی جی کی لوری" بھی سنیے۔

آمنہ بی بی کے گلشن میں آئی ہے تازہ بہار — پڑھتے ہیں صلی اللہ و صلعم آج در و دیوار

• نبی جی! اللہ اللہ ہو لا الہ الاّ ہو(۱۷)

"عید میلاد النبیؐ" کے عنوان سے حفیظؔ جالندھری (م ۱۹۸۲ء) کی نظم بڑی پراثر ہے۔ شاعر نے پرانی طرز کو اپناتے ہوئے پہلے دورِ جاہلیت کا نقشہ کھینچا ہے 'پھر آپؐ کے آنے سے جو انقلاب رونما ہوا اس کی

عکاسی کی ہے۔ شاعر نے استعارات و تشبیہات کے سہارے اپنے گلستان تخیل میں رنگ بھرا ہے۔ اسی طرح احسان دانش کی "نوائے کارگر" میں بھی "ذکر میلاد" کو موضوع سخن بنایا ہے۔ عمیق حنفی کی "صلصلۃ الجرس" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا بیان اس طرح ہوا ہے۔

پردۂ مشرق کے پیچھے ہے فصل ربیع کی صبحِ امید ہے پسِ مطلع حدِ ادب میں منتظر آمد خورشید
خانۂ زہرا میں داخل ہونے کو ہے خورشیدِ بہار دریا ایک قدم کا کیا ہے' میدانِ مریخ ہے پار
نام محمدؐ اسکے پہلے کس کو ملا یہ پیارا نام صلی اللہ علیہ وسلم دونوں عالم بھیجیں سلام

ماہر القادری نے "آتے ہیں" کے عنوان سے لکھی نظم میں "میلاد النبیؐ" کا ذکر کیا ہے۔

جیسا کہ ابھی تک کی مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ میلاد ناموں میں "وقت صبح" کی عکاسی بھی نہایت ماہرانہ انداز میں کی گئی ہے' ایسی ہی صبح کی عکاسی مراثی میں بھی کی گئی ہے۔ لیکن ان دونوں میں فرق ہے' مراثی کی صبح ہولناک ہے اور یہاں فرحت بخش۔ وہاں صبح کی آمد گرمی کی شدت کا احساس دلاتی ہے' یہاں موسم بہار کی نسیم کے جھونکے روح پرور اور کیف آگیں محسوس ہوتے ہیں۔ وہاں آفتاب صبح حدث کی علامت ہے اور یہاں صبح' آفتاب رحمت لے آتی ہے۔ یہ صبح خوشگوار ہے اور وہ صبح دہشت ناک۔ یہ صبح درود و سلام سے گونجتی ہے اور وہ صبح نعرۂ تکبیر سے۔ یہ صبح معطر و مطہر ہے اور وہ صبح خون آلود یہ صبح گوہر شبنم کی افشانی کرتی ہے اور وہ صبح آنسوؤں کے موتی کی۔ وہ صبح تلواروں کی جھنکار سے شروع ہوتی ہے اور یہ صبح طیوران خوش الحان کی زمزمہ خوانی سے غرض کہ یہ صبح دعوت رحمت ہے اور وہ صبح دعوت کرب و بلا۔ اس طرح شعرائے اردو نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سعید کے واقعہ کو پیش کرنے میں عقیدت و محبت کے وہ گلستان کھلا دیے ہیں جن کی خوشبو ایمان افروز بھی ہے اور فرحت بخش بھی۔

نور نامے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت نور کو موضوع سخن بنا کر عربی' فارسی اور اردو میں کافی کچھ لکھا گیا ہے۔ شعرا نے مختلف پیرائے میں نور کی کیفیت بیان کی ہے۔ نعتیہ شاعری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کے لیے اس موضوع میں ایسی ہی وسعت ہے اور ایسا ہی پھیلاؤ ہے جیسا کہ نور یا تجلی میں ہوتا ہے۔ نعت گو شعرا نے اس میدان میں اپنی مشاقی کے جوہر کامیابی سے دکھائے ہیں۔ دور جاہلیت کا مشہور شاعر ابو کبیر ہذلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی صفت کا بیان اس طرح کرتا ہے۔

واذا نظرت الی اسرة وجهه
برقت کبرق العارض المتهلل(۱)

ترجمہ (جب میں نے آپ کے روئے تاباں پر نگاہ ڈالی تو اس کی شان رخشندگی ایسی تھی جیسے کہ کسی اٹک ابر میں بجلی کوندرہی ہو۔)

حضور حسان بن ثابت الانصاریؓ کا یہ شعر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت نور کا غماز ہے۔

متی یبد فی الداجی البھی جبینہ   یلح مثل مصباح الدجی المتوقد(۲۰)

ترجمہ (سیاہ رات میں جب آپ کی جبین مبارک نظر آتی تو ایک چمک ہوتی جیسے تاریک رات میں کوئی روشن شمع ہو۔)

فخر الدین نظامی اپنی مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مجسم کو مشعل سے تشبیہ دیتے ہیں۔

محمد جرم آد بنیاد نور   دوے جگ سرے دے پر ساد نور

مشالا اسی کا جودیسے بگھیر   جلے جگ اس تھیں اس دیسہ دھیر (۲۰)

میراں جی شمس العشاق (م ۱۴۹۸ء) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی تخلیق کو مقدم مانتے ہیں۔

وہ نبی اول نور   بس عالم یہ معمور

نورانی احمد نام   یہ اچھا ذوق آرام(۲)

باجن (م ۱۵۰۶ء) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اس دنیا کے لیے مبد نور سے تعبیر کیا ہے۔

باجن تیرا باوا لاتجہ کارن جیتے دمکے   نبی محمد مصطفےٰ میں نور جگ میں جھکے

(باجن شیخ بہاؤالدین: خزائن رحمت اللہ قلمی ورق ۳۹)

نبی کی ولادت سے ایک جہان روشن ہو گیا اور کفر کا اندھیرا ختم ہوا۔ اس خیال کو سلطان محمد قلی قطب شاہ (م ۱۶۱۱ء) نے مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے ایک شعر ملاحظہ ہو:۔

تجہ مکھ اجت کی جوت تھے عالم دیپارا ہوا   تج دین تھے اسلام لے مومن جگت سارا ہو

(کلیات محمد قلی قطب شاہ ص ۱۱۹)

غواصی کی "مینا ستونتی" اور "طوطی نامہ" میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا نور ہونے کی توضیح کی گئی ہے۔ ابن نشاطی نے اپنی مشہور مثنوی "پھول بن" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "مجسم نور" ہونے کی وضاحت کی ہے۔

نیشنل میوزیم دہلی میں حسینی کی ایک تصنیف بعنوان "نور نامہ" محفوظ ہے۔ اغلب ہے کہ یہ دکن کے معروف بزرگ شاہ حسین حسینی کی ہو گی۔ اس میں شاعر نے سیرت نبیؐ کے ساتھ آپؐ کے وصف نور کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ فتاحی کی "مفید الیقین" میں "تخلیق نور احمدی" کی وضاحت یوں کی گئی ہے۔

خدا نے جو یک جہار پیدا کی   اوسے چار نا خاں ہو یدا کیا

بڑا خالق ہے او سورت التین　　رکھیا جھاڑ کانا تو شجر الیقین
بڑاں جلے موتی کے پردے بھتر　　رکھیا نور اور کوئی پیداش کر
دیا مھورکا شکل اس نور کوں　　ہوا فلک او جھاڑ اس سور سو(۵)

فتاحی کے اشعار میں بعض جگہ غیر ضروری "حروف جار" کا استعمال اس نظم میں سقم پیدا کر دیتا ہے۔

مختار کے "مولودنامے" میں بھی "آفرینش محمدؐ" کے متعلق روایات بیان کی گئی ہیں۔

اسی دور کے ایک غیر معروف شاعر عنایت کا نورنامہ ہمارے سامنے پیش نظر ہے۔ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ پہلے یہ نورنامہ فارسی نثر میں تھا۔ جس کا اس نے دکنی زبان میں ترجمہ کر دیا۔ اس کی اہمیت بڑھانے کے لیے اس نے ورق نمبر ۵ الف پر امام غزالیؒ کے متعلق یہ روایت درج کی ہے کہ انھوں نے سلطان محمود شاہ کو یہ 'نورنامہ' تحفتاً پیش کیا تھا' جس کی وجہ سے وہ عرب و عجم میں فتح یاب ہوا۔ لیکن اس کے بغور مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اس نے فتاحی کی مفید الیقین کے کئی اشعار اپنے نورنامہ میں سرقہ کر لیے ہیں یہ نورنامہ "مفید الیقین" کے ۱۶ سال بعد یعنی ۱۶۹۹ء میں مکمل کیا گیا تھا۔ اس میں فتاحی کی مفید الیقین کے کئی اشعار جوں کے توں شامل کر لیے گئے۔ عنایت کے 'نورنامہ' میں ہندو اسطور کا رنگ کُلّی طور پر جھلکتا ہے۔ ایک جگہ یہ روایت نقل کی ہے کہ "تخلیق نور محمد" مکمل ہوتے ہی رب العزت نے تمام ارواح سے اس سراپا نور کو دیکھنے کے لیے کہا۔ روحوں نے حضور ﷺ کے نورانی جسم کے جس حصہ کو دیکھا دنیا میں آکر اسی اعتبار سے انھیں بزرگی ملی۔ یعنی اگر روح نے گردن دیکھی تو دنیا میں وہ آدمی تاجر ہوا۔ بازو دیکھے تو سپاہی وغیرہ۔ ہندوؤں کی مقدس کتاب "رگ وید" میں بھی برہمن' ویش اور شدروں کے پیدائش کے متعلق ایسا ہی خیال پیش کیا گیا ہے۔

ایک اور شاعر احمدؔ کا نورنامہ (۱۱۳۶ھ / ۱۷۳۳ء) ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد میں نظر سے گذرا' جس میں شاعر نے حتی الوسع اس بات کو کوشش کی کہ روایات صحیحہ منظوم کرے اور اس میں بڑی حد تک وہ کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔

حضور ﷺ کے نور کے متعلق غوثی بیجاپوری نے اپنی تصنیف "قصص الانبیاء" میں کئی روایتیں منظوم کی ہیں۔ غوثی نے یہ روایات خالصتاً دینی و علمی حیثیت سے پیش کی ہیں جس کی وجہ سے ان میں شعریت کا فقدان ہے اور بلحاظ تاثیر اشعار کمزور ہیں۔ تخلیق نور محمدؐ کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول نقل کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے۔

ہزار ایک سال لگ پھرتا تھا او نور
ادب سوں تھا طواف حق میں معمور
اول کرتا ذکر تھا احدیت کا
جو بےچوں بے شبہ کی او صفت کا
ہوا تب حکم اے محبوب کے نور
مرے معشوق اور مرغوب کے نور
تجھے میں قسم کرتا ہوں اتا چار
یو فرما قسم کیتا چار غفار
کیا قسم اول سوں عرش پیدا
قلم قسم دوم سنے ہو ہویدا
کرا قسم سیوم سنے او جنت
بہشت اوپر محمد کی ہے منت(۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے چوتھے حصہ کو اللہ تعالی نے پھر چار حصص میں منقسم کیا۔ پہلا حصہ خود محمدؐ کا، دوسرے حصہ سے عقل وفہم تیسرے سے شرم وحیا اور چوتھے سے معرفت پیدا کی جو مومنوں کے سروں کے اندر رکھی گئی ہے۔

عقیدت وعقیدے کی شاعری میں شعریت بڑی حد تک مفقود ہوتی ہے۔ یہی عقیدت اگر عملی مسائل کے خول میں رکھ کر شعری پیکر اور شعریت کی چاشنی میں ڈھالی جائے تو شاعر کے کمالِ فن کا عمدہ نمونہ قرار پاتی ہے۔ دکنی شاعر باقر آگاہ (م ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء) اس سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے "ہشت بہشت" کے پہلے رسالے "من دیپک" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ نور، قرآن واحادیث کی روشنی میں بیان کیے ہیں۔ شاعر نے اپنے رسالے کا نام موضوع کی مناسبت سے رکھا ہے دیپک ہندی لفظ نور کا مظہر اور حضور ﷺ کی صفت "سراج منیر" کا عکاس ہے۔ رسالے میں آگاہ اسی تعلق سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

جب نیں تھا کچھ ہستی سے نشاں
تھے کنج عدم میں سب پنہاں
نا ارض اتھی ہور نا افلاک
نا انس نا جن تھی نا املاک
حق کیتا تب احمد کا نور
اس وقت ہوا ہے اوس کا ظہور
کوئی بولا شہ کو اے مرسل
کیا کیتا پیدا حق اول
فرمائے محمد میرا نور
ہے سب کے اول اوس کا ظہور(۷)

نور ناموں میں غلوئے عقیدت کے اتنے حجابات حائل ہو گئے ہیں کہ اصل نور نظر نہیں آتا۔ کبھی تو غلط روایات کا غلبہ اس قدر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پُرعظمت شخصیت نعوذباللہ کسی اسطور کا مافوق الفطری کردار نظر آتی ہے۔ یا ساوی خلقتہٗ کی محیر العقول ہستی۔ تاہم اس راہ میں بھی سنبھل کر قدم رکھنے والے کئی اردو شعرا ہیں جن میں امیر مینائی، بیان میرٹھی اور محسن کاکوروی کے نام قابلِ ذکر ہیں گو

بعض جگہ لغزشیں ان سے بھی ہوئی ہے لیکن ایسا صرف عقیدت کی وجہ ہی سے ہوا ہے۔

"نور محمدی" کو اپنی مثنوی "نور تجلی" کا موضوع بنا کر امیر احمد مینائی (۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) نے تین روایتیں نقل کی ہیں۔ پہلی روایت تو روح البیان میں منقول ایک حدیث کا منظوم ترجمہ ہے۔ مگر باقی دونوں روایات پر اسرائیلی اسطور اور تصوف کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ اکثر نور ناموں میں جو بات خصوصیت کے ساتھ برتی گئی ہے وہ یہ ہے کہ پیدائش نور محمدیؐ "لولاك لما خلقت الافلاك" کا بار بار ذکر ہوا ہے۔ در آنحالے کے اس میں نور سے متعلق کوئی وضاحت نہیں ہے دوسری روایت میں تقسیم نور کا ذکر ہے۔ جسے ہم غوثی کے یہاں دیکھ چکے ہیں۔ تیسری روایت البتہ خالص متصوفانہ لب و لہجہ لیے ہوئے ہے۔ اس میں شاعر نے "حجابات" کے رموز و اسرار بیان کیے ہیں۔ نور محمد کو اللہ تعالیٰ نے بارہ حجابات کے اندر رکھا تھا ہر حجابات کا ایک نام بھی شاعر نے بتایا ہے۔ مثلاً حجاب عظمت، حجاب قدرت، حجاب ہدایت اور نبوت وغیرہ۔ ان حجابات میں نور محمدی ہزاروں برس رہا۔ جب تمام پردے ہٹ گئے تو وہ نور شفاعت، رحمت، نصیحت، صبر و شکر، جود و سخا، امانت، یقین، حلم، قناعت اور محبت وغیرہ کے بحور میں غوطہ زن رہا۔ اسکے بعد سات مقامات کو طے کرنے کے بعد نور "مقام محبت" پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ذات سے آگاہ کر دیا اور ذکر و شغل کی تاکید کی۔ اذکار و اشغال میں نور محمدی کا استغراق دیکھ کر ہی اللہ تعالیٰ نے پانچوں نمازیں آپ پر اور آپ کی امت پر فرض کر دیں۔

مثنوی "نور تجلی" عقیدت میں ڈوبی ہوئی شعری کاوش ہے۔ گو شعریت کا فقدان بعض جگہ کھٹکتا ہے، لیکن پھر بھی ایسے خشک موضوع کو شاعر نے موثر بنانے کی کوشش کی ہے۔

ہمارے شعری سرمایۂ ادب کو جہاں نعت رسولؐ کے ایک پہلو "نور" نے بلحاظ موضوع وسعت بخشی وہاں فنی لحاظ سے بھی اسے مختلف جہتوں سے روشناس کرایا، نور کی تشبیہات و استعارات کی قوس قزح کے رنگوں سے شعری فضا رنگین ہو گئی اور صنائع لفظی کا گلشن کھل اٹھا۔ نور کی معنوی وسعت میں مبالغہ، حسن تعلیل اور ایہام وغیرہ کا بے ساختہ اور برجستہ استعمال شعرا کے لیے سہل ہو گیا اور 'نور' کے نورانی تخیل کو انھوں نے کبھی میدان مثنوی کی سمت موڑا، کبھی مسدس و مخمس کی راہ دکھائی، کبھی بیت و رباعی پر اکتفا کیا تو کبھی تغزل کی فضا میں اسے پرواز بخشی۔ غرضیکہ "نور" کی علامت کے مختلف النوع تجزیے کیے گئے۔ جس کی وجہ سے اشعار کے لعل و جوہر نور کی تابناکی سے خزینۂ ادب جگمگانے لگے۔ محمد محسن کاکوروی (م ۱۹۰۵ء) 'نور' کا استعمال اپنے اشعار میں کس کس انداز سے کرتے ہیں۔

سایہ زیبا ہی نہ تھا آپ کی قامت کے لئے روشنائی تھی یہی مہر نبوت کے لئے

جسم محبوب خدا نور کا اک پتلا ہے — سایۂ حق وہ شہ منزلت طٰہٰ ہے

لاکھ عاشق ہوں مگر لطف دو محبوب نہیں — ظلِ حق ہو تو ہو پر ظلِ نبی خوب نہیں (۲۰)

مندرجہ بالا اشعار میں شاعر نے نور کی مناسبت سے سایہ' روشنائی اور ظل وغیرہ متضاد الفاظ استعمال کیا ہے۔ جو مناسبت لفظی اور نور کے بالمقابل صنعت تضاد کی عمدہ مثالیں ہیں۔ ان کے علاوہ سرور جہاں آبادی' حالی' اکبر' شاد عظیم آبادی اصغر' اقبال سہیل' ظفر علی خاں اور جگر مراد آبادی وغیرہ کے کلام میں بھی نور محمدی سے متعلق ابیات پائے جاتے ہیں جو صنعت لفظی و معنوی کا بہترین نمونہ قرار دیے جا سکتے ہیں۔

حفیظ جالندھری نے "شاہنامہ اسلام" جلد اول میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "یہودیوں نے حضرت عبداللہ میں علامات نور محمدی پاکر انھیں بارہا ہلاک کرنے کا قصد کیا مگر ہمیشہ ناکام رہے۔ حفیظ جالندھری نے اس طرح کا ایک اور واقعہ بھی نقل کیا ہے' جس کا ماخذ دلائل ابی نعیم' طبقات ابن سعد اور تاریخ طبری ہیں' لیکن اکثر ارباب نظر کے نزدیک یہ واقعہ ضعف سے خالی نہیں۔ تاہم بعض کے نزدیک روایت کا تواتر اسے حسن لغیرہ کے زمرے میں کر دیتا ہے۔ یہاں واقعہ کی صحت و ضعف سے بحث نہیں' دکھانا یہ ہے کہ شعرا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت نورانی کے بیان میں اس کو نہایت اہتمام سے منظور کیا ہے۔ بعض شعرا نے محتاط انداز میں صرف آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ ہی کو بنیاد بنا کر "نور نامے" لکھے ہیں۔ اور بعض نے "نور محمدی" کو تشبیہات' استعارات اور کنایات وغیرہ کے طور پر اپنے اشعار میں برتا ہے۔ بعض نے نور کو بطور علامت بھی استعمال کیا ہے اور اس کے ذریعہ اپنے اشعار میں کئی معانی ومفاہیم پیدا کیے۔ مثلاً صلصلۃ الجرس کے شاعر عمیق حنفی نے آپ ﷺ کے نور کی مناسبت سے آپ ﷺ کو "مشعل کائنات" "شمع بزمِ حیات" وغیرہ القاب دے کر آپ ﷺ کے نور کو بطور علامت کے استعمال کیا ہے۔

معراج نامے :۔ اردو کے معراج ناموں سے ایک طرف عقیدت رسول ﷺ کا اظہار ہوا ہے اور دوسری طرف اس کی وجہ سے سماوی سفر پر مشتمل ادب وجود میں آیا ہے۔ اس قسم کے ادب کا سراغ سب سے پہلے ہومر کی "اوڈیسی" میں ملتا ہے۔ یہ ایک یونانی ڈراما ہے جس میں جنت' دوزخ اور عرفات کے سفر اور وہاں کے آثار و مشاہدات کا خیالی بیان ہے۔ ڈانٹے (م ۱۳۲۱ء) نے "ڈیوائن کامیڈی" (طربیہ خداوندی) میں اسی قسم کے سفر کو منظوم کیا تھا۔ عربی میں ابن شہید الاندلسی (م ۱۰۳۲ء/ ۴۲۶ھ) کے "رسالۃ التوابع والزوابع" اور ابوالعلاء المعری (م ۱۰۵۵ء/ ۴۴۹ھ) کے "رسالۃ الغفران" میں بھی سفر فلک الافلاک کا بیان ہے۔ محی الدین ابن العربی (م ۱۲۴۰ء) کی "فتوحات مکیہ" میں بھی سیر فلک کا ذکر ہے۔

فارسی مثنوی "نہ سپہر" میں حضرت امیر خسرو نے نہایت ہی شاعرانہ انداز میں سماوی سفر کی روداد پیش کی ہے' فارسی مثنوی "بوستان خیال" میں بھی آسمانی سفر کا بیان ہوا ہے اور دورِ جدید کے مشہور شاعر علامہ سر شیخ محمد اقبال کی "جاوید نامہ" کو تو سماوی ادب پر مشتمل سفر ناموں میں بلند درجہ حاصل ہے۔ غرض کہ سیر سماوی کو موضوعِ سخن بنانے کی روایت بہت قدیم زمانہ سے چلی آ رہی ہے۔ معید احمد اکبر آبادی نے ڈاکٹر لوئیس عوض کی رائے نقل کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں کہا ہے :-

> "اس طرح کے ادب پارے مستقل بالذات ہیں۔ ان میں اسلامی روایات کے ساتھ ساتھ یونانی اثرات بھی پائے جاتے ہیں...... ڈانٹے کے زمانے میں واقعہ "معراج پر اسپانوی' لاطینی اور فرانسیسی زبان میں تین تراجم موجود تھے۔"

معراج تاریخ اسلام کا عظیم الشان واقعہ ہے۔ یہ واقعہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ البتہ علمائے کرام کے ایک طبقہ کے نزدیک یہ ایک روحانی سفر تھا اور دوسرے کے خیال میں "جسدی سفر" اس بحث سے قطع نظر اس تاریخی واقعہ نے ادب پر بڑی گہری چھاپ چھوڑی ہے جس کی وجہ سے شاعری کو ایک نیا موضوع ملا اور نئی علامات' تشبیہات اور استعارات واصطلاحات بھی وجود میں آئیں۔

اردو شعرا نے مثنویوں میں نعت کے ذیل میں واقعۂ معراج کو بالواسطہ بھی نقل کیا ہے اور بلاواسطہ خالص معراج نامے بھی ترتیب دیے ہیں۔ ملا وجہی اور نصرتی نے علاحدہ معراج نامے ترتیب نہیں دیے لیکن واقعۂ معراج کو اپنی مثنویوں میں نعت رسولؐ کے ضمن میں تفصیل سے بیان کیا ہے جس کی وجہ سے انھیں مستقل معراج ناموں کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔

دکن میں واقعۂ معراج کو موضوع بنا کر خالصتاً "معراج نامہ" ترتیب دینے کی روایت نثر میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (م ۱۴۲۱ء / ۸۲۵ھ) کے یہاں پائی جاتی ہے اور نظم میں بلاقی کے یہاں۔ بلاقی کے معراج نامہ (م ۱۶۴۵ء / ۱۰۵۶ھ) میں یہ مذہبی موضوع تصوف کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ لیکن بے بنیاد روایات کو جوڑنے کی وجہ سے ان کا معراج نامہ بس ایک دلچسپ واقعہ سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ بلاقی نے فارسی معراج ناموں سے استفادہ کرنے کا اعتراف کیا ہے۔ ان کے یہاں اثناء عشری عقائد کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمانی سفر کی منظر کشی کرنے میں شاعر نے وسعتِ نظر سے کام لیا

ہے۔ جنت و دوزخ کے مناظر، پانچویں فلک کے ہیبت ناک فرشتے اور براق کی تصویر کشی میں اس نے اپنی مہارت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔

بلاقی نے سات سو ابیات میں یہ معراج نامہ قلمبند کیا ہے جو اسی کے بقول "خلق میں عجیب و غریب یہ قصہ ہے۔" اس مثنوی میں شاعر نے جگہ جگہ علم نجوم کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ جو اس کے علم نجوم سے واقفیت کی دلیل ہیں۔

بلاقی کے بعد دوسرا معراج نامہ معظم نے ۱۶۶۹ء / ۱۰۸۰ھ میں ترتیب دیا تھا۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ہر عنوان ایک شعر سے شروع ہوتا ہے۔ اور عنوان کے سب اشعار ایک ہی بحر اور ردیف و قافیہ میں لکھے گئے ہیں۔ ان سب اشعار کو اگر یکجا کر دیا جائے تو ایک الگ نظم بن جاتی ہے، جس میں سارے معراج نامے کا خلاصہ آجاتا ہے۔

نصیر الدین ہاشمی نے سالار جنگ کتب خانہ کے مخطوطات کی فہرست میں فتاحی کے معراج نامہ کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اس دور کا سب سے بہترین معراج نامہ جو شعری خوبیوں سے مالا مال ہے 'مختار' کا ہے۔ اس نے معراج نبوی کی پانچ وجہیں بیان کی ہیں۔ جو اگرچہ نصوص و احادیث سے ثابت نہیں ہیں مگر ان میں شعریت پوری طرح موجود ہے۔

پہلی وجہ یہ بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشقت دیکھ کر اللہ ربّ العزّت نے سورۂ طٰہٰ نازل فرمائی اور اپنے محبوب کو اپنے پاس بلایا۔

دوسرا سبب یہ بتایا ہے کہ قیامت کے دن جب ہر ایک کو اپنی ہی فکر ہو گی اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی فکر ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپؐ اپنی امت کی شفاعت کریں گے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عرش پر بلا کر محشر کے حالات سے آگاہ کر دیا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کی اولیت کا شرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہو جائے۔

چوتھا سبب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حبیبِ مکرم بنایا اور آپؐ کے تصرّف میں زمین و آسمان کے خزانے دے دیئے اور تمام گنج ہائے ارض اللہ ربّ العزّت نے معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کر دیے۔

پانچواں سبب شاعر کا اپنا نتیجۂ فکر معلوم ہوتا ہے۔ اس میں زمین و آسمان کا مکالمہ نظم کیا ہے، جس میں دو اپنی اپنی خوبیاں بیان کرتے ہیں اس سے شاعر کی قادر الکلامی اور علومِ ہیئت و نجوم پر گہری نظر کا پتا چلتا ہے۔

اپنی بڑائی اور برتری بیان کرتے ہوئے زمین آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے کہتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے قدم مبارک مجھ پر ہیں اس لیے میں تجھ سے افضل ہوں آسمان یہ دلیل سن کر خاموش ہو جاتا ہے اوراللہ رب العزت کی بارگاہ عالی میں گڑ گڑا کر دعا کرتا ہے جو قبول ہو جاتی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں آسمانوں پر بلایا۔

مختار نے سدرۃ المنتہیٰ' عرش اعظم اور جنت و دوزخ وغیرہ کی منظر کشی عمدہ پیرائے میں کی ہے اور شعری محاسن کا خیال بھی رکھا ہے۔

عادل شاہی دور کے مشہور شاعر میراں ہاشمی (م' ۱۶۹۷ء/ ۱۱۰۹ھ) کے معراج نامہ کا ذکر بھی تاریخ کی کتب میں آیا ہے۔ باوجود نابینا ہونے کے ہاشمی معراج کے واقعہ کی تمام جزئیات کو بالتفصیل بیان کرتا ہے۔ اسکے معراج نامے میں وہ تمام عناصر دکھائی دیتے ہیں جن کا استعمال اس کے پیش رووں نے کیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دل کے نور سے تخیل کی آنکھیں روشن کر لی تھیں اور عقیدت کی روشنی میں جنت' دوزخ' حور و ملائک سبھی کے دیدار سے مشرف ہوا تھا جو دیدہ وروں کو بھی مشکل ہی سے نصیب ہوتا ہے۔

گجرات کے شاعر امین نے بھی واقعۂ معراج کو اپنا موضوعِ سخن بنایا تھا۔ اس کے "مولود نامے" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت' معراج اور وفات کا ذکر ہے۔

واقعۂ معراج کو الگ سے موضوع بنا کر لکھے گئے معراج ناموں میں بارہویں صدی ہجری کے ربع آخر میں ابوالحسن قربی اور شاہ کمال الدین کمال کے معراج نامے دکن کے مذہبی ادب میں شاندار اضافہ کرتے ہیں۔ قربی نے اپنے معراج نامے کے لیے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مشہور فارسی تصنیف "معارج النبوۃ" کو بنیاد بنایا ہے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سماوی سیر کو تفصیل سے پیش کیا ہے۔ قربی کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس نے معراج کے تمام واقعات اس طرح پیش کیے ہیں گویا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر رہے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام واقعات اُن احادیث کا ترجمہ محسوس ہوتے ہیں؛ جن میں معراج کا ذکر ہوا ہے۔ کمال نے بھی اپنا معراج نامہ مروجہ طریقوں ہی پر ترتیب دیا ہے۔ اس نے بلاقی کے معراج نامے کے نقائص بھی بیان کر دیے ہیں۔ اس نے اپنی تصنیف کو ایک عربی معراج نامہ کا ترجمہ بتایا ہے جو اس نے بیت اللہ شریف سے منگوایا تھا۔ کمال نے بعض اشعار میں عربی میں جملے جوں کے توں رکھ دیے ہیں۔

دکن کی طرح معراج ناموں کی روایت شمالی ہند میں بھی پائی جاتی ہے۔ ہماری تحقیق میں شمالی ہند میں اردو کا پہلا منظوم معراج نامہ ۱۷۸۹ء/۱۲۰۴ھ کا لکھا ہوا ملتا ہے۔ اسے ایک غیر معروف شاعر قاسم نے ترتیب دیا تھا۔ ریختہ میں لکھے گئے اس معراج نامے میں بقول شاعر ۱۳۲۷ ابیات ہیں۔ معراج کے جزوی

واقعات کی تفصیل میں شاعر نے تسلسل قائم رکھا ہے اور روایات کو نقل کرنے میں اس نے احتیاط سے کام لیا ہے مثلاً اس جزدی سرخی "ظاہر ہونا دودھ اور شہد کے دو پیالوں کا" کے تحت اس نے ترمذی کی ایک مشہور حدیث کو منظوم کیا ہے۔

قاسم نے معراج کی جزدی داستانوں کے آخر میں اکثر جگہ مثنوی مولوی معنوی کے ایک ایک شعر پر تضمین کی ہے۔

قاسم کے متعلق معلومات نہیں مل سکی۔ معراج نامہ سے صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ شمالی ہند سے ان کا تعلق تھا اور حضرت نظام الدینؒ سے عقیدت رکھتے تھے۔ درگاہِ نظام الدینؒ ہی کی مسجد میں ان کے دوست نے واقعۂ معراج کو ریختہ میں نظم کرنے کو کہا تھا۔ قاسم نے بالآخر ۲ ماہ ۲۰ دن میں معراج نامہ نظم کر لیا اور اس کا نام "زبدۃ الاخبار" رکھا۔

ڈاکٹر صلاح الدین نے "دہلی کے اردو مخطوطات" میں عبداللطیف خاں کی مثنوی "جلوۂ طور" کا تعارف کرایا ہے، جس میں معراج کے واقعات قلمبند کیے گئے ہیں۔

قاسم کے بعد شمالی ہند میں ضمیر لکھنوی نے "ریحان معراج" کے عنوان سے ایک معراج نامہ ۱۸۳۰ء / ۱۲۴۷ھ ترتیب دیا تھا، جس کا تعارف اسپر نگر کے ترتیب دیے ہوئے کیٹلاگ میں ہے۔ اس کا ایک نسخہ مجھے سالار جنگ کے قلمی مخطوطات میں ملا ہے۔ ضمیر کا معراج نامہ اثناء عشری عقائد پر مبنی ہے۔ اس نے معراج نامہ کی ابتدا ساقی نامہ سے کی ہے اور ہر واقعہ کے لیے ایک سرخی فارسی میں قائم کی۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سماوی سفر کا حال بیان کرنے کے بعد منکرِ معراج یہودی کا مشہور واقعہ بھی بیان کیا ہے۔

دکنیات کے سلسلہ میں باقر آگاہ اور لچھمی نرائن شفیق کے معراج نامے بھی قابلِ ذکر ہیں مگر ان سے شعری روایت آگے نہیں بڑھی ہے۔ رشید حسن خانصاحب کے خیال میں امام بخش ناسخ کا غیر مطبوعہ "معراج نامہ" اس وقت ترتیب دیا گیا تھا جب وہ سنی المذہب تھے، بعد میں اثناء عشری مذہب قبول کر لینے کی وجہ سے انھوں نے اس کی اشاعت پسند نہیں کی (رسالہ اردو کراچی جولائی ۱۹۶۸ء)

منیر شکوہ آبادی (م ۱۸۸۱ء) کی مثنوی "معراج المضامین" میں بھی واقعۂ معراج کا بیان ہے، لیکن ان کے یہاں اختصار بہت ہے۔

اردو کی نعتیہ شاعری میں محسن کاکوروی کا نام بہت ممتاز ہے۔ قدیم موضوعات کو انھوں نے نئے انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کی عقیدت سے معمور شاعری میں شعریت اپنے عروج پر قایم رہتی ہے بلکہ روحانیت

کی پاکیزہ روشنی سے وہ اور زیادہ منور ہو جاتی ہے۔"چراغ کعبہ" محسن کا نعتیہ قصیدہ ہے جو بلحاظ موضوع واقعۂ معراج کا ترجمان ہے۔ شاعر نے تشبیب گریز اور پھر معراج کے واقعات میں مدح کا پہلو نکالا ہے۔"آغاز روایت" کے عنوان سے تشبیب شروع ہوتی ہے۔

بھیگی ہوئی رات آبرو سے	داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلیٰ گل اندام	شبنم کی ردا بقصد احرام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال	جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال(۹)

معراج چونکہ رات میں ہوئی تھی' اسی لیے شاعر نے وقت کی مناسبت سے تشبیب کے اشعار لکھے ہیں۔ احرام کی مناسبت سے شبنمی ردا' رات کی مناسبت سے لیلیٰ کی صفت تجسیم وغیرہ مناسبت لفظی کا عمدہ نمونہ ہیں۔ گریز کے بعد اصل واقعہ شروع ہوتا ہے۔ اسی درمیان محسن جبرئیل اور براق کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ بیت المعمور پہنچنے کے بعد جبرئیل بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت دگرگوں ہو جاتی ہے۔ احادیث میں تفصیل سے اس کا ذکر ہے۔ محسن نے بھی بڑے دلآویز انداز میں آپ ﷺ کی اس وقت کی نفسانی کیفیت کو بیان کیا ہے۔ قصیدہ کا خاتمہ روایتی انداز میں دعائیہ کلمات کے بجائے مناجاتی انداز میں ہوا ہے۔

دور جدید کے شعرا میں سیماب اکبر آبادی نے واقعۂ معراج کے ذریعہ بنی نوع انسان کو اخلاق درس دیا ہے اور انھیں جھنجھوڑا ہے کہ "ایک وقت وہ تھا کہ انسان کی پرواز بام ثریا سے بلند ہو کر عرش معلی تک تھی مگر اب اس پر ذلت ونکبت کی نحوست منڈلا رہی ہے۔"(۱۰)

اقبال احمد سہیل اعظمی کا معراج نامہ احادیث ونصوص کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا ہے۔ اس میں صحیح واقعات بڑے دلکش اور دلنشیں انداز میں نظم کیے گئے ہیں' سہیل کے یہاں عقیدت کے ساتھ ہی معنوی و ادبی محاسن بھی پوری طرح موجود ہیں ان کے عقیدت پر مبنی جذبات وکیفیات اور احوال وخیالات حسن ولطافت سے اس طرح آراستہ ہیں کہ ان کی ساری نعتیں نگار خانۂ شعر وادب معلوم ہوتی ہیں۔ صحیح واقعات کی ترجمانی' پاکیزگی' اور ان میں تسلسل ذوق سلیم کو گرما دیتے ہیں۔

دوسری زبانوں کے مقابلہ میں اردو معراج ناموں کی بدولت سیر سماوی پر مشتمل جو ادب پارے وجود میں آئے وہ نہ افسانوی رنگ میں ہیں اور نہ صرف تخیل کی پرواز کا نتیجہ' ان میں تاریخی شواہد کے باوجود عقیدت کی فراوانی بھی ہے۔

"ڈیوائن کامیڈی" اور "اوڈیسی" جیسی بین الاقوامی شہرت کے حامل علوی سفر پر مشتمل ادب پاروں

کے مقابلے میں اردو ادب کے صرف "معراج نامے" ہی رکھے جاسکتے ہیں جو اس اعتبار سے ان سے بڑھ کر ہیں کہ ان میں عقیدت کے ساتھ ہی تاریخی حقیقت بھی ہے جبکہ اول الذکر میں حقیقت و عقیدت دونوں کا فقدان ہے۔

وفات نامے: نعتیہ شاعری میں جہاں شعرا نے اوصاف محمدؐ کے بیان میں اپنے تخیلات کی پرواز کو بلند سے بلند تر کرنے کی سعی کی ہے۔ وہاں آپ ﷺ کے حالاتِ زندگی کو بھی موضوعِ شاعری بنایا ہے اور واقعۂ ولادت' بعثت' معراج اور وفات کو قلمبند کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مسلمانوں کے لیے عظیم سانحہ تھی۔ چنانچہ اس موقع پر جذبات کا بے قابو ہو جانا ناگزیر تھا' جس کی وجہ سے چند تاریخی واقعات وجود میں آگئے جو آپ کی وفات کے واقعہ کے ساتھ اس طرح منسلک ہو گئے۔ جنھیں الگ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ ان مشہور واقعات میں سے ایک واقعہ کا تعلق حضرت عمرؓ کی ذات سے ہے۔ انھوں نے فورِ غم میں نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا انکار کر دیا تھا بلکہ تلوار نیام سے نکال کر صاف کہہ دیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا لفظ زبان پر لانے والے کا سر قلم کر دوں گا۔ اس کی تفصیل کتب سیر و تاریخ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

سورۃ المائدۃ کی آیت "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ" (آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے) کے متعلق مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت کریمہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا اعلان تھی۔ شعرا نے اسی کو بنیاد بنا کر آپ کی وفات کا حال نظم کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعۂ وصال کو منظوم کرنے کی روایت اردو شاعری میں پرانی ہے۔ شمالی ہند کے شاعر شیخ محبوب عالم ساکن جھجھر کے "دردنامہ" میں آپ کی سیرت کے ساتھ ہی آپکی وفات کا تفصیلی بیان منظوم کیا گیا ہے۔

ایک غیر معروف شاعر عبداللطیف کے "وفات نامہ" کا ذکر جمیل جالبی نے اپنی کتاب تاریخ ادب اردو میں کیا ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سُن کر شدتِ غم میں نڈھال ہوئے صحابہ کرامؓ کے جذبات کی عکاسی شاعر نے نہایت موثر انداز میں کی ہے۔

"وفات نامۂ رسول ﷺ" گجرات کے شاعر پیرو عالم نے نظم کیا ہے۔ مگر ان کے یہاں اس دور کی

تصانیف کے مقابلے میں ادبیت کا فقدان ہے' ان کے بعد گجرات میں وفات ناموں کی روایت کو امین گجراتی نے آگے بڑھایا ہے۔ ان کی تصنیف "تولد نامہ" تین حصوں پر مشتمل ہے۔ میلاد نامہ' معراج نامہ اور وفات نامہ۔ امین نے سورۃ المائدہ کی مذکورہ آیت کو بنیاد بنا کر وفات نامہ ترتیب دیا ہے۔

دکن کے ایک غیر معروف شاعر دریا کے "وفات نامہ" میں بھی یہی روایت منظوم کی گئی ہے۔

"وفات نامہ سرورِ کائنات" کے عنوان سے لکھی ہوئی اماتی کی مثنوی ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد میں موجود ہے۔ شاعر نے وصالِ رسول ﷺ کو بڑے غم ناک انداز میں منظوم کیا ہے۔

ولی ویلوری کی تصنیف "وفات نامہ نبیؐ" میں حضرت عمرؓ کے وفورِ غم میں بے قابو ہو جانے کے واقعہ کو موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ شاعر نے عقیدت سے مملو شاعری میں بھی شعری محاسن کا قابلِ لحاظ حد تک پاس رکھا ہے۔ تشبیہات' استعارات کے علاوہ تجنیس کا بھی برجستہ استعمال ولی کی اس مثنوی میں ہوا ہے' جس کی وجہ سے باوجود زبان کے قدیم ہونے کے اثر انگیزی میں فرق نہیں آتا۔

ولی ویلوری کے بعد محمد باقر آگاہ بیجاپوری کی 'بہشت" کے چوتھے رسالے "جگ سوہن" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا ذکر ہے۔ ان کے علاوہ بھی کئی نعت گو شعرا نے اس میدان میں جولانی دکھائی ہے اور گلشنِ عقیدت کو اپنی نعتیہ تصانیف کے گلوں سے سجایا ہے۔

اسرائیلیات

اسرائیلیات سے مراد وہ روایات' اساطیر و موضوعات ہیں جن کا تعلق خالصتاً یہودی مذہب سے ہے اور وہ روایات بھی اسی ذیل میں آتی ہیں جو نعوذ باللہ آپ کو بدنام کرنے کے لیے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے جوڑ دی گئی تھیں اور علمائے کرام نے وقت گذرنے کے بعد بلا تحقیق انھیں اسلامی لٹریچر کا جز بنا لیا تھا۔ یہاں ان تمام اسرائیلی روایات کا احاطہ ممکن نہیں' صرف چند پر اکتفا کیا جائے گا۔ تفصیل کے لیے سیرۃ النبیؐ جلد سوم ملاحظہ ہو۔ جس میں مولانا سید سلیمان ندویؒ نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ شعرا نے بھی تحقیق کے بغیر بعض اسرائیلی موضوعات سیرتِ رسول ﷺ سے جوڑ دیے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو اس کا بڑا قلق تھا۔ فرماتے ہیں:۔

> "ملا معین الدین ہروی...... جو فی الحقیقتہ انشا پردازی و حکایت طرازی و اقتباس روایات ضعیفہ و موضوعہ و تاویلات رکیکہ' قرآن و سنت و عبور دور رسوخ اسرائیلیات و روایات یہود میں اپنا جواب نہیں

رکھتا تھا۔ شاید بہت سے لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ
آج اردو زبان میں جس قدر مولود لکھے گئے ہیں اور
رائج ہیں وہ سب کے سب بے واسطہ یا بالواسطہ اسی
ملا معین ہروی کی کتابوں معارج النبوۃ' تفسیر سورۂ
یوسف موسوم بہ تفرد کار' قصہ حضرت موسیٰ علیہ
السلام موسوم بہ اعجاز موسوی وغیرہ سے ماخوذ ہیں۔
(الہلال ۲۲ فروری ۱۹۱۳ء مشمولہ معارف
اعظم گڈھ نومبر ۸۵ء ص ۳۵۱)

رسالہ برہان دہلی کے سابق ایڈیٹر مولانا سعید اکبر آبادی مرحوم نے بھی لکھا تھا۔ "معراج سے متعلق احادیث صحیحہ میں بھی ضعف پایا جاتا ہے۔"

اردو شعرا نے جن اسرائیلی موضوعات کو نعت رسول کا جزو بنایا ہے ان میں ایک مشہور قصہ جو بالعموم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے جوڑ دیا گیا ہے۔ اردو کے ایک غیر معروف شاعر طالب اور ایک نامعلوم شاعر نے ایک واقعہ "معجزۂ باز و فاختہ" کے عنوان سے نقل کیا ہے کہ ایک بار دو پرندے باز اور فاختہ اڑتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ باز فاختہ کا پیچھا کر رہا تھا۔ فاختہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ چاہی اور آپ ﷺ نے بہ طیب خاطر فاختہ کو اپنی پناہ میں لے لیا اس پر باز نے کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے میری غذا ہے اور آپ ﷺ نے اسے پناہ میں لے کر مجھ پر ظلم کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بدلے تم جو چاہو میں دے دوں گا۔ باز نے اس پر کہا کہ مجھے آپ ﷺ کے رخسار کا گوشت چاہیے۔ یہ سن کر سارے صحابہ ششدر رہ گئے اور سبھی نے اپنا گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدلے میں دینے کا اقرار کیا مگر باز نہیں مانا۔ بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری رخسار کی طرف پھیری ہی تھی کہ باز اور فاختہ اپنی اصلی شکل میں آگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اقدام سے روکا۔ باز حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے اور فاختہ عزرائیل۔ دونوں نے بہ یک زبان کہا کہ اللہ نے آپ ﷺ کے ایثار و قربانی کا امتحان لینے کے لیے ہمیں بھیجا تھا۔ بے شک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روئے زمین پر آپ ﷺ سے زیادہ ایثار والا کوئی نہیں۔

یہ قصہ ہو بہو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت میں بھی کتب سیر میں ملتا ہے۔ غواصی نے اپنی مثنوی "طوطی نامہ" میں یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی سے منسوب کیا ہے۔ بدھ مذہب کی اساطیر میں راجہ

شبیبی سے بھی یہ قصّہ منسوب ہے۔ راقم کے مضمون "ایک روایت تین مذاہب" مطبوعہ "دور بھ نامہ" ناگ پور میں اس پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ طالبؔ کی مثنوی "معجزۂ بازو فاختہ" مطبع کریمی بمبئی سے ۱۳۳۹ھ میں چھپ چکی ہے۔ ایک لا معلوم شاعر کی تصنیف "بازو فاختہ" کا ذکر زورؔ مرحوم نے ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد کی وضاحتی فہرست کی جلد اول ص ۱۸۱ پر کیا ہے۔

دوسری اسرائیلی روایت بلاقیؔ اور ضمیرؔ کے معراج ناموں میں درج ہوئی ہے پچھلے صفحات میں منکر معراج یہودی کا جو قصّہ گزرا ہے بلاقیؔ اور ضمیرؔ کے معراج ناموں میں یہ فارسی سے داخل ہوا ہے۔ ایران میں مذہبی ادبیات اکثر غریب وضعیف روایات کا مرقع ہیں۔ شعراوادباء غلوئے عقیدت میں اکثر ان روایات کو اپنے ادب پاروں میں پیش کرتے چلے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے واقعات کو سیرت نبویؐ سے جوڑ دیا گیا ہے جن پر اسرائیلی اثرات نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔

عبدالعزیز خالدؔ کی "فارقلیط" "شیوۂ فرسودہ ابنائے زمن" کے بالمقابل "شوق تجدید سے صحرا کا گلستاں "کرنے کا پہلا قدم ہے۔ خالدؔ نے اس عظیم انسانؐ کی مدح سرائی کے لیے مروجہ فرسودہ اسلوب سے ہٹ کر نعت کو نیا اسلوب دیا ہے لیکن ان سے جہاں ایک طرف نعت کے نئے راستے کھلے ہیں وہاں اسلوب کی اساطیری اور اسرائیلی فضائیں اس "خلق عظیم" کے تقدس وعظمت کو داغدار کر دیتی ہیں۔

اسرائیلی روایات میں پیغمبران اسرائیل پر جنسی لذت کوشی کا بہتان باندھا گیا ہے۔ "خالدؔ نے اس کی جسارت تو نہیں کی ہے لیکن وہ اسرائیلیات سے دامن نہیں بچا سکے ہیں۔ ان کا دوسرا مجموعۂ نعت "منحمنّا" بھی اسی قبیل کا ہے۔ اس میں شاعر نے صف قدیم بالخصوص تلمود زبور وغیرہ عہد نامہ عتیق کی بے شمار تلمیحات اور مثالیں پیش کی ہیں اور ان ہی کے ہالے میں نعت رسول کا چاند سنوارنے کی سعی کی ہے۔

عمیق حنفی کی "صلصلۃ الجرس" نام کے اعتبار سے تو حدیثِ حسن صحیح کا ٹکڑا ہے۔ لیکن اس میں بھی بعض اسرائیلی روایات در آئی ہیں۔ یہی حال "ہفت کشور" کے شاعر جعفر طاہر کا بھی ہے۔ غرض کہ ہمارے نعت گو شعرا نے عقیدت کے اندھے پن میں اسرائیلی روایات کے سم قاتل کو بلا سوچے سمجھے نعت کے شہد شیریں میں ملا دیا ہے۔

صنمیات

ہندوستان میں مسلمان اگرچہ فاتح قوم بن کر آئے تھے، لیکن یہاں کے تہذیب و تمدن نے انہیں مفتوح بنا ڈالا۔ چنانچہ دو قوموں کے ارتباط سے سبحہ و زنّار کے رشتے مضبوط ہوتے گئے۔ اذانِ ناقوس کی دل خوش کن آوازیں فضاؤں کو مسحور کرنے لگیں اور عود و کافور کی مہک ہندوستان کے کونے کونے میں

پھیل گئی۔ چراغ دیر اور شمع حرم میں تجلیٔ وحدت کے خواہاں رام رحیم کے فرق کو مٹانے کے لیے "اوم" و "الااللہ" کے ذکر سے رطب اللسان رہنے لگے۔ اس طرح دونوں قوموں کا اتحاد دونوں کے عقائد پر اس حد تک اثر انداز ہوتا رہا کہ "محمد رسول اللہ" یعنی کلمۂ طیبہ کے جزو دوم کو جزء اول یعنی "لاالہ الااللہ" میں جذب کرنے کی فکر کی گئی جیسا کہ ہندو مذہب میں پیغمبروں کے متعلق یہ تصور عام ہے کہ وہ انسانی شکل میں "ایشور" ہیں۔

ہمارے نعت گو شعرا نے اس تصور کو بڑی حد تک قبول کیا ہے اور اسی کے مطابق عقائد اسلامیہ کو بالائے طاق رکھ کر نعت نبی ﷺ کو جزء ایمان سمجھ لیا ہے۔ افسوس کہ علماء و فضلاء بھی اس بدعتِ قبیحہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ چنانچہ محسن کاکوروی رب اور مربوب کا فرق "عرب" کا عین ہٹا کر دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح احد واحمد میں حرف "میم" کا وجود انھیں کھٹکتا ہے۔ دیکھئے انھوں نے کتنی جسارت اور دلیری دکھائی ہے ؎

عینیت غیر رب کو رب سے
غیریت عین کو عرب سے

ذات احمدؐ تھی یا خدا تھا
سایہ کیا میم تک جدا تھا[۱]

دیوتاؤں اور اوتاروں کے مضامین میں "اکثر جامہ بشری میں خدا" کا تصور پایا جاتا ہے، جیسا کہ "رام" اور "کرشن" کے تعلق سے کہا جاتا ہے کہ وہ شکل انسانی میں معبود تھے۔ اب ایک نعت گو توحید کے حوالے شاعر کی جراٴت رندانہ نہیں بلکہ مشرکانہ ملاحظہ ہو جسکے شعر کے لفظ لفظ نے وحدانیت کو پارہ پارہ کر دیا ہے ؎

وہی جو مستویٔ عرش ہے خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰؐ ہو کر

اس سے بھی بڑھ کر قادر مطلق سے رد گردانی اور اس کی شانِ ارفع و اعلیٰ میں گستاخی کی مثال بھی ملاحظہ ہو کہ لکھتے وقت بھی خوفِ خدا سے قلم لرز جائے۔

اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمدؐ سے

استغفر اللہ!! اوتاروں کی شان میں لکھے گئے بھجن بھی اس کفریہ کلام کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ عبد و معبود اور رب و مربوب میں فرق مراتب کا لحاظ نہ رکھ کر لکھی گئی نعتیں یقیناً ایمان سوز ہیں۔ ثنائے محمدی ﷺ کو "حمد" کی شکل میں پیش کرنے کا فن کس قدر مذموم اور ناروا ہے لیکن اردو کی نعتیہ شاعری کی بڑی مقدار میں یہی اصنامی تصور چھایا ہوا ہے۔ یہی نہیں اردو شعرا نے نعت جیسی مقدس صنف میں نسائی انداز اپنا کر انتہائی درجہ کے سفلہ پن کا ثبوت دیا ہے چنانچہ شائق عشق نبیؐ میں فراق کی کیفیت کو نسائی انداز میں یوں بیان کرتے ہیں ؎

طیبہ کے رنگیلے بانکے میاں موہے چاند سا مکھڑا دکھا جانا
میں برہا دیوانی تڑپت ہوں ذرا آ جانا ذرا آ جانا
دکھ درد کے مارے تڑپت ہوں مانت نہیں دل فرقت میں تیرے
اے کملی والے سائیں میرے روٹھے کو ذرا منوا جانا(۱۰)

اور مولانا عبدالقدیر حسرتؔ کے یہ حسرت بھرے اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔

بھولی بھالی میں ہوں ناری پیت گلے کا ہار
موری نیا منجدھار
تیرے دوارے آن پڑی ہوں چھوڑ کے سب گھربار
موری نیا منجدھار
کالی کملی والے بھیّا آداب سرکار
موری نیا منجدھار(۱۲)

صوفیانہ رنگ ڈھنگ میں حضرت امجدؔ بھی "مدینہ کی جوگن" بن کر نکل کھڑے ہوئے۔

نکلی ہے گھر سے جوگن کفنی گلے میں ڈالے پاؤں میں پڑ گئے ہیں اب چلتے چلتے چھالے
گرنے کو ہوں زمیں پر ہے کون جو سنبھالے یثرب نگر کے راجہ وہ کالی کملی والے
کرپا کی ایک نظر ہو دکھیا پہ اپنی پیارے
بھولی نہیں میں تم کو تم کیوں مجھے بسارے(۱۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو یثرب کہنے سے منع فرمایا ہے۔ پھر بھی امجدؔ مدینہ طیبہ کو بجز قوافی نبھانے کے لیے یثرب کہہ رہے ہیں۔

اس قسم کی روایت کو حفیظ جالندھری اور خالدؔ (عبدالعزیز) نے آگے بڑھایا ہے۔ خالد کی ایک نعتیہ قصیدے کی تشبیب نثر نگار رس کا مرقع نظر آتی ہے۔

کٹیں تارے گن گن برہن کی راتیں پلنگ اس کا ناگن سا لہرا رہا ہے
بچھاؤں تری سیج جن جن کے کلیاں تو صاحب ہے میرا تو میرا للا ہے
پیا کی اٹاری چڑھ ہوں گی میں چھم چھم انوراگ نے مجھ کو بے کل کیا ہے(۱)

نعت گوئی کے یہ چند موضوعات تھے ان پر قصر نعت تعمیر کر کے اردو کے نعت گو شعرا سمجھ رہے ہیں گویا انہوں نے جنت میں اپنے گھر تعمیر کرا لیے ہیں۔ جو کچھ بعید بھی نہیں کہ اللہ ان کی اسی سرشارانہ عقیدت رسولؐ سے خوش ہو جائے اور یہی نعتیں ان کے لیے حدائق بخشش بن جائیں۔۔۔

مراجع

(۱) بحوالہ "محسن انسانیت" دہلی ۱۹۶۵ء ص ۸۶ (۲) بحوالہ عربی میں نعتیہ کلام ص ۶۹ (۳) فخر الدین نظامی: (مرتبہ جمیل جالبی) کدم راؤ پدم راؤ دہلی ۱۹۷۹ء ص ۶۹ (۴) میراںجی شمس العشاق: "شہادت التحقیق" بحوالہ مغز مرغوب (مرتبہ محمد ہاشم علی) ص ۶۴ (۵) محمد رقعتی فلاتی مفید الیقین (قلمی) ادارۂ ادبیات ورق ۶ ب (۶) غوثی بیجاپوری: قصص الانبیاء (قلمی) ادارہ ادبیات ورق ۴ ب (۷) باقر آگاہ "ہشت بہشت" (من دیپک قلمی) ادارہ ادبیات ورق ۲۴ الف (۸)، (۲۹) محمد محسن کاکوروی: کلیات محسن "ص ۶۶-۶۵ ....

(۹) محسن کاکوروی: کلیات محسن ص ۱۸۶ (۱۰) ڈاکٹر زرینہ ثانی: سیماب کی نظمیہ شاعری، بمبئی ۱۹۷۸ء ص ۱۰۶ (۱۱) محسن کاکوروی: کلیات محسن ص ۲۳۲ (۱۲) میر اعظم علی خان شائق: کلیات شائق حیدر آباد ۳۳۰ (۱۳) مولانا عبدالقدیر حسرت زفرات الاشواق۔ ۱۳۵۳ھ ص ۲۸-۱۹ (۱۴) امجد حیدر آبادی ریاض امجد حیدر آباد حصہ اول ص ۱۲ (۱۵) عبدالعزیز خالد: "فارقلیط" ص ۱۰۲

مدح نگاری کی روایت اور مدحِ رسالت ﷺ

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

مدح انسانی فطرت کی تاثر پذیری کا حرفی پیراہن ہے' فطرت سلیم حقوق آشنا ہوتی ہے اس لیے انسان میں یہ جذبہ فطرتاً ودیعت ہے کہ وہ محسنین کا مدح خوان رہے' عبادت اسی جذبہ انقیاد و فروتنی کا نام ہے ارشاد باری ہے "یاایہاالناس اعبدواربکم الذی خلقکم" (۱) اے لوگو تم اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا" تخلیق ایک نعمت ہے وجود بخشی ایک احسان ہے جو سب انعامات و احسانات سے بڑھ کر ہے اس لیے اس پر سپاس گزاری بھی بھرپور اور ہمہ جہتی ہونی چاہیے' یہی عبادت ہے' عبادت زبان سے ہی نہیں ہر ہر عضو بدن سے مدح پروردگار کا نام ہے' نیک طینت محسن کے احسان کو نہیں بھولتے' وہ تو ہمیشہ ممنونیت کے احساس کے ساتھ مدح سرا رہتے ہیں مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان مدح کے مقام بلند سے صرف نظر کر کے اسے اپنے کم تر مقاصد کا حصول بنا لیتا ہے' اس انحطاط سے حقائق کا چہرہ دھندلا جاتا ہے اور نظر گرد و پیش کے وقتی اور ہیجانی مغالطوں میں اسیر ہو جاتی ہے اور عناصر مدح میں سوچ کی ناپختگی اور خیال کی نادرستی راہ پانے لگتی ہے' وقتی مصلحتیں اور مادی حوائج مدح میں ابتذال کا تعفن پیدا کر دیتے ہیں' مدح نگاری کاروبار اور جنس فروخت بن جاتی ہے پھر ہر کہ و مہ جسے وزن و قافیہ کی کچھ سدھ بدھ ہو مدح نگاری کو حصولِ رزق کا ذریعہ بنا لیتا ہے کم ظرف مداح اور غیر مستحق ممدوح ہوتے ہیں' یہ مدح کا ارزل مقام ہے اور اسی بناء پر کہا جاتا ہے کہ مدح آسان ترین صنف سخن ہے' اگرچہ در حقیقت یہ خالص جذبوں کا لفظی اظہار ہے جو حدود آشنا ہے۔

مدح رسول اکرم ﷺ اصناف سخن کے حوالہ سے مدیح کا حصہ ہے مگر جذبوں کی صداقت' تراکیب کی طہارت اور اسلوب کی متانت کے حوالہ سے مدح کا افضل مقام ہے اور مجموعی تاثر و اظہار میں ایک الگ صنف سخن ہے' یہ خالص جذبوں اور معطر خیالات کا وہ حسین مرقع ہے جو سراسر محترم اور ہمہ تن مقدس ہے' یہ مدح نگار کے ضمیر کی آواز ہے' یہ عام مدیح کی طرح نہ آسان ہے اور نہ ہر کسی کے بس میں ہے' یہ تو مشکل ترین صنف سخن ہے' تاریخی عمل بتاتا ہے کہ وہ شعرا جو ہر کس و ناکس کی مدح میں مبالغہ اور غلو کی تمام حدیں پار کر رہے تھے اور جنہیں رائی کا پہاڑ بنانے کا فن بھی آتا تھا مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے ژولیدہ بیاں ثابت ہوئے کہ ایک شعر بھی نہ کہہ سکے' سفلی جذبات اور مادی خواہشات کے دام میں اسیر اس روحانی سربلندی کے قابل نہ ٹھہرے تھے۔

مدح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتوں اور نزاکتوں کو شمار کرنے سے قبل مناسب ہوگا کہ مدح' کے حوالے سے تاریخی تامل اور اسلامی تعلیمات کا ذکر کر دیا جائے تاکہ جب مدح' نعت کا روپ لے رہی تھی اس دور کے تقاضے اور اظہار کی حدود کا اندازہ ہو سکے۔

مدح' ایک مصدر ہے جس کا معنی حسن ثناء ہے۔ علامہ مرتضی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ) نے نقل کیا ہے کہ آئمہ اشتقاق اور فقہائے لغت کے نزدیک: "المدح بمعنی الوصف الجمیل یقابلہ الذم و بمعنی عدالمآثر ویقابلہ الھجو" (۲) مدح یا تو وصف جمیل کے معنی میں ہے تو اس کی ضد ذم ہے یا یہ خوبیوں کا شمار ہے تو پھر اس کی ضد ہجو ہے۔ اب اگر مدح صفات شماری کا نام ہے تو اس میں کون سے اوصاف شمار کئے جاسکتے ہیں اس کی وضاحت یوں کی گئی کہ ان اوصاف میں عمدہ اوصاف خلقیہ بھی شمار کئے جاسکتے ہیں اور اختیاریہ بھی یعنی وہ اوصاف بھی جو تخلیق کے ساتھ ودیعت کر دیئے گئے ہوں جیسے شکل و صورت' رنگ و روپ وغیرہ اور وہ بھی جو انسان اپنی محنت اور اپنے رویوں سے پیدا کر لیتا ہے جیسے سخاوت' امانت' صلاحیت اور صداقت وغیرہ اور بلکہ وقتی بھی جیسے حکومت وسطوت وغیرہ' علمائے لغت نے مدح اور حمد کے قرب مگر بعض امتیازات کا تذکرہ کیا ہے اور دونوں کی حدود کا شمار کیا ہے۔ علامہ فخر الدین الرازی (م ۶۰۶ھ) نے ان دونوں کے درمیان تین امتیازی حدود کا ذکر کیا (۳) تو علامہ محمود آلوسی نے (م ۱۲۷۰ھ) حمد اور مدح کے فرق میں چھ وجود کا بیان کیا ہے' (۴) امام ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے واضح کر دیا کہ مدح حمد سے زیادہ عموم رکھتی ہے' (۵) ان بزرگوں کی آراء سے اور تقابلی جائزہ سے مدح اور حمد کا تعین ہو جاتا ہے کہ۔

۱۔ مدح کا اطلاق عام ہے' ممدوح زندہ بھی ہو سکتا ہے اور وفات پانے والا بھی' انسان بھی ہو سکتا ہے اور دیگر مخلوقات میں سے بھی حتیٰ کہ جمادات میں سے بھی ممکن ہے۔

۲۔ مدح میں تمام صفات شامل ہو سکتی ہیں' خواہ وہبی یا تخلیقی ہوں' خواہ اکتسابی یا اختیاری۔

۳۔ مدح میں صفات کا درجہ کمال تک پہنچنا ضروری نہیں' یہ کسی بھی معیار کی ہو سکتی ہیں یہ تو مداحین کی تاثر پذیری ہے کہ وہ کس کے ذکر کو ضروری سمجھتے ہیں۔

۴۔ مدح میں مداح کی قلبی فعالیت کا نمایاں ہونا ضروری نہیں' یہ صرف حکایت اوصاف تک محدود ہو کر خبر محض کی سطح پر بھی آسکتی ہے۔

۵۔ صفات شماری کا عمل محمود بھی ہو سکتا ہے اور مذموم بھی۔ داخلی فعالیت کی عدم موجودگی کی بناء پر یہ صرف کسی غرض خاص کے حصول کا ذریعہ بھی ہو سکتی ہے یا کسی معاشرتی جبر یا معاشی ضرورت کا اثر بھی

ہو سکتی ہے جبکہ حمد میں ایسی کسی غیر صالح روش کا راہ پانا ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے "کان الحمد اخبارا "یتضمن انشاء" والمدح خبرا محضا" (۶) یعنی حمد وہ خبر ہے جو انشاء پر مشتمل ہے جبکہ مدح صرف خبر ہے۔

حمد کے مقابلہ میں مدح کی سطح کم تر ہے اس لئے اس میں غیر صالح خیالات کا راہ پا جانا ممکن ہوتا ہے اور یہ امکانی خطرہ اسے اس وقت مشکل تر بنا دیتا ہے جس وقت ہمہ مقدس اور ہمہ محترم وجود کا ذکر ہوتا ہے' قدم قدم پر بہک جانے کا امکان' لفظ لفظ میں غیر معیاری ہو جانے کا اندیشہ مدح نگاری میں احتیاط کا متقاضی ہے' ہر لحہ یہ خطرہ درپیش رہتا ہے کہ کہیں ممدوح کی ذات کے ساتھ ناانصافی نہ ہو جائے کیونکہ اس میں افراط بھی ممکن ہے اور تفریط بھی' اس حد بندی نے مدح نگاری کو مشکل ترین صنف سخن بنا دیا ہے اور مدح رسالت ؐ کو عام مدح سے الگ کر دیا ہے اور مدح کے عموم کو نعت کا خصوص عطا کیا ہے اس لئے کہ ممدوح وہ ذات گرامی ہے جس کے تقدس واحترام پر عقائد کی دیوار کھڑی ہے' حمد میں ایسے خطرات کم ہیں۔ اس میں راہ واضح بھی ہے اور کوئی ممکنہ شریک صفات بھی نہیں ہے' اسی لئے فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ نے فرمایا۔ "حقیقتاً نعت شریف لکھنا بہت مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں' اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے' البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے' غرض حمد میں ایک جانب کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔" (۷)

مدح' نثر میں بھی ممکن ہے اور نظم میں بھی اگرچہ علامہ الزبیدی نے مدائح کو شعر کے ساتھ خاص قرار دیا ہے' (۸) ہم چونکہ شعری تخلیقات کے حوالہ سے ہی گفتگو کریں گے اس لیے علامہ الزبیدی کی رائے ہمارے دائرہ کار کی مزید توثیق کرتی ہے مدح کو مدحیہ شاعری تک محدود رکھتے ہوئے' مدح رسالت' کی حدود کا جائزہ لینے سے قبل عرب روایت مدح کا مختصر حوالہ ضروری ہے تاکہ اس صنف سخن کا مقام متعین ہو سکے۔

مدح نگاری اور عرب

مدح ایک ایسی صنف سخن ہے جس میں مدح نگار ذات ممدوح کے حضور خراج عقیدت پیش کرتا ہے اور اس طرح ممدوح کے بعض فضائل سے اپنی تاثر پذیری کا اعلان کرتا ہے' عرب ایک خود سر اور انانیت پسند قوم تھی اس لئے ان کے کردار کی مکمل جھلک مدح میں نہ سما سکتی تھی' بھلا ایک جاہلی شاعر کو کیسے گوارا ہو سکتا تھا اور وہ کسی کو اس قدر اہمیت دے کہ اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو جائے۔ یہ ان کے خیال

میں اپنے وجود کی نفی تھی جو ان کی نہ جھکنے والی سرشت سے مناسبت نہ رکھتی تھی' یہ تھی بنیادی وجہ کہ یہ صنف شعر عربوں میں زیادہ پذیرائی نہ پا سکی' مدح تکلف' تصنع اور نا محمود مبالغہ آرائی کی متقاضی تھی اور یہ کہ وہ لہجہ کی مسکینی چاہتی تھی جسے ان کی فطرت پسندی اور لہجہ کا کھر دا گر کھرا پن برداشت نہ کرتا تھا' اس لیے عربوں کے ہاں مدح نگاری کا عام رواج نہ ہوا' ابتدائی ادوار میں صرف دو شاعر ایسے ملتے ہیں جنھوں نے مدح کو وسیلہ ظفر بنایا اور انعام کے لالچ میں گرفتار ہوئے' ان کی شعری عظمت کو سلام کیا جاتا ہے مگر اس عادت پر خفگی کا اظہار بھی ہوتا ہے یہ ہیں النابغة الذبیانی اور الاعشیٰ الکبیر۔ النابغہ کے بارے میں علامہ ابن رشیق کہتے ہیں کہ وہ ملوک غسان اور النعمان بن ان المندر کی مدح میں مصروف رہا' نتیجہ یہ ہوا کہ "فسقطت منزلته" (۹) اس کا مقام پست ہو گیا' الاعشیٰ کے بارے میں کہا "جعل الشعر متجرا" اس نے شعر کو تجارت بنالیا' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عرب مدح نگاری کو کس نظر سے دیکھتے تھے' ان دو کے علاوہ کبھی "زہیر بن ابی سلمٰی" کا نام بھی لیا جاتا ہے کہ اس کے دیوان کے اکثر قصائد مدحیہ ہیں' سچی بات یہ ہے کہ زہیر کو النابغہ اور الاعشیٰ کے ساتھ ایک صف میں کھڑے کرنا زہیر کے نیک جذبات اور پاکیزہ تصورات کی توہین ہے' زہیر کے مدحیہ قصائد کا جذبہ محرکہ طلب داد اور خواہش زر نہ تھا بلکہ صالح اعمال کی ترغیب تھا اسی لئے علامہ ابن عبدربہ (م ۳۲۸ھ) کہتے ہیں۔

"کان زهیر لایمدح الا مستحقا" (۱۱) کہ زہیر صرف اسی کی مدح کرتا تھا جو مدح کا مستحق تھا۔ "حرب داحس وغبراء جو چالیس سال کے قریب برپا رہی کے نتیجہ میں عبس وذبیان کے قبائل خون میں نہا چکے تھے اور قریب تھا کہ ان کا آخری قطرۂ خون بھی باہمی خوں آشامی کی نذر ہو جائے' ایسے میں چند نیک نفوس کی کوششیں بارآور ہوئیں اور صلح ہوئی' مگر ایک مختتم مزاج جاہلی عرب کے نا محمود رویہ نے دوبارہ آتش جنگ سلگادی' مخدوش حالات میں جن سرداروں نے صلح پسندی کا ثبوت دیا اور بیٹے تک کی جان پیش کر دی تو زہیر اس کارنامہ پر سراپا سپاس ہو گیا اور ان سرداروں کے اخلاق کریمانہ کے ترانے گانے لگا' یہ مدح نگاری خواہش نفس کا اثر نہیں نیک نفسی کی غماز ہے' زہیر کے کردار کی رفعت تو اس کے بعد کے طرز عمل سے بھی ظاہر ہے جبکہ ہرم بن سنان جو اس کا ممدوح تھا یہ اعلان کرتا ہے کہ وہ زہیر کو مدح کرنے' سوال کرنے یا سلام کرنے پر غلام یا لونڈی یا گھوڑا انعام دے گا اور ایسا مسلسل کرے گا' زہیر نے بے لوث ہونے کا حق ادا کیا اور مدح نگاروں کی عام روش کے برعکس ہرم کو سلام کرنے سے احتراز کیا' کبھی بھری محفل میں مجموعی سلام کی صورت سامنے آتی تو برملا کہتا۔

"عموا صباحاً الا هرماً و خیر کم استثنیت" (۱۲) سب کو سلام ہو مگر ہرم کو نہیں اور میں نے تم

سب سے بہتر انسان کا استثنی کیا ہے۔ اس طرز عمل سے عربوں کی عمومی فطرت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ مدح نگاری کو کسب زر کا ذریعہ بنانا پسند نہ کرتے تھے اسی لئے ان کے مدحیہ قصائد میں استحقاق حقیقت اور اعتراف عظمت کا فطری اظہار ہے۔ مگر النابغہ اور الاعشیٰ کے تتبع اور حالات کے مادّی رویوں نے اسے بعد میں کشکول گدائی بنایا۔

جاہلی دور کے بعد صدر اسلام میں مدح نگاری کا جذبہ محرکہ قابل قدر ہی رہا مگر جب بادشاہوں کے روپ میں شعر کو سرپرست ملے اور عجمی اثرات در آئے تو شعر مدح میں پستی آنے لگی۔ اموی دور سے جلب زر کی عادت پڑی جو وقت کے ساتھ ساتھ پختہ ہوتی گئی حتیٰ کہ وہ وقت بھی آیا کہ شعرا کشکول شعر لئے مملکت کے اطراف واکناف میں ممدوحین کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگے۔ اب معیار دولت کی مقدار تھی اوصاف ممدوح نہ تھے' ممدوحین بھی اپنے کمتر درجے کو سمجھتے تھے اس لئے اپنی پستی کا ازالہ داد و دہش کے پیمانوں سے کرنے لگے' شعر گوئی کاروبار ٹھہر اور اشعار دولت کے ترازو میں تولے جانے لگے۔ آگے بڑھنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ جاہلی دور کے مدحیہ قصائد کے مشملات کا ایک سرسری جائزہ لے لیا جائے تاکہ اسلامی دور اور خاص طور پر عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی مدحیہ شاعری کے تقابل میں سہولت رہے۔

علامہ شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ) عربوں کی مدحیہ شاعری میں تین شرائط کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ جس کی مدح کی جائے وہ در حقیقت مدح کے قابل ہو

۲۔ مدح میں جو کچھ کہا جائے سچ کہا جائے۔

۳۔ مدحیہ اوصاف اس انداز سے بیان کئے جائیں کہ جذبات کو تحریک ہو۔

مولانا مزید لکھتے ہیں: "عرب اوّلاً" تو کسی کی شاعرانہ مدح کرنا عار سمجھتے تھے اور مدح کرتے تھے تو کبھی صلہ اور انعام لینا گوارا نہ کرتے تھے پھر جو کچھ کہتے تھے سچ کہتے تھے' ایک رئیس نے ایک عرب شاعر سے کہا کہ میری مدح کرو۔ اس نے کہا "افعل حتٰی اقول" یعنی تم کچھ کر کے دکھاؤ تو میں کہوں۔ (۱۳) علامہ شبلی نے مدح کے چند بنیادی اصول بھی تحریر فرمائے۔ مثلاً

۱۔ الفاظ گزیدہ اور شستہ ہوں' سوقیانہ الفاظ اور محاورے نہ آنے پائیں۔

۲۔ زیادہ اشعار نہ ہوں چنانچہ بحتری سلاطین کی جب مدح لکھتا تھا تو بہت کم شعر کہتا تھا۔ جریر مشہور شاعر کہا کرتا تھا۔ "اذا مدحتم فلا تطیلوا" (جب تم مدح کرو تو لمبا نہ کرو)

۳۔ مدح میں تفاوت مراتب کا لحاظ رکھا جائے یعنی بادشاہ' وزیر' دبیر' افسر فوج' حاکم عدالت ہر ایک کی

مدح میں اس کے خاص اوصاف کا خیال رکھا جائے۔

۴۔ ممدوح جب بادشاہ ہو تو اس کے اوصاف ذیل کا ذکر کرنا چاہیے یعنی عقل، عدل، شجاعت وغیرہ۔ چنانچہ شعراء حقد مین انھیں اوصاف کا بیان کرتے تھے۔

د۔ زیادہ تر اصلی اور ذاتی اوصاف بیان کرنے چاہئیں جو اوصاف عارضی ہیں مثلاً حسن، دولت مندی، جاہ و جلال وغیرہ ان چیزوں کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ (۱۴)

اوصاف مدح کی تجدید کرتے ہوئے احمد الاسکندری کہتے ہیں

"المدح هوالثناء على ذى شان بمايستحسن من الاخلاق النفيسة كرجاحة العقل والعدل والعفة والشجاعة وان هذه الصفات عريقة فيه وفى قومه ' وتعداد محاسنه الخلقية كالجمال وبسطة الجسم" (١٥)

یعنی مدح وہ ثناء ہے جو صاحب شان کے اخلاق نفیسہ کے عمدہ اوصاف پر کی جاتی ہے جیسے پختگی عقل، عدل، پاک دامنی اور شجاعت، اور یہ اوصاف ممدوح اور اس کی قوم میں پختہ ہونی چاہئیں، اسی طرح تخلیقی محاسن کا شمار جیسا کہ حسن و جمال اور جسمانی قوت و سطوت۔

حسن اخلاق جس میں ذہانت، عدالت، عفت و شجاعت شامل ہیں مدحیہ شاعری کے بنیادی عناصر ہیں، ظاہری حسن و جمال بھی تاثر پسندی کے اظہار کے لیے مذکور ہوتے ہیں، صفات حسنہ میں جود و سخا کو نمایاں مقام حاصل رہا ہے، خاندانی شرافت اور قومی سیادت کا ذکر بھی مستحسن سمجھا گیا ہے مگر ان سب اوصاف کا ذکر مجملاً ہوتا رہا کہ طوالت کو پسند نہ کیا گیا۔ ابن الرومی (م ۲۸۴ھ) مشہور عربی شاعر کہتا ہے۔

واذا مرئه مدح امرء" لنواله. واطال فيه فقد اراد هجائه" (١٦)

(یعنی جب کوئی کسی مرد کی اس کی نوازشوں پر مدح کرے اور اس میں طوالت اپنائے تو بے شک اس نے اس کی ہجو کا قصد کیا) اجمال کے ساتھ ساتھ رکھ رکھاؤ کا معیار بھی پیش نظر رہا، الفاظ و کلمات کے انتخاب پر خصوصی توجہ دی گئی۔ انتخاب کلمات کی طرف تو امرؤالقیس جیسے صاحب معلقہ شاعر نے بھی اشارے کیے ہیں۔

مدحیہ شاعری کا یہی عمومی انداز تھا جبکہ اسلام کی آمد آمد ہوئی، اسلام زندگی کے تمام مسائل کے بارے میں فطری مگر محتاط روش کا قائل ہے اس لیے تعلیمات اسلامیہ کے تحت مدح نگاری پر بھی احتیاط کی بندش رہی، ہم ان احکامات و اشارات کا جائزہ لینا مناسب سمجھتے ہیں جو مدح کے ضمن میں ارشاد ہوئے تاکہ یہ صنف سخن فقیرانہ صدا کے بجائے ایک معزز شعبہ فن کے طور پر سامنے آئے۔

مدح نگاری اور اسلامی تعلیمات

مدح نگاری ایک انفعالی کیفیت کا فعالی اظہار ہے اس لئے کہ مدح نگار بیک وقت تاثر پذیر بھی ہوتا ہے اور اثر آفریں بھی' وہ ممدوح کی شخصیت سے مترشح ہونے والی صفات کو قبول کرتا ہے اور پھر اس قبولیت کا اظہار شدّت جذبات کے سہارے کرتا ہے' اس دوگونہ عمل میں اگر کسی ایک کی تہذیب و تنقیح مناسب طور پر نہ ہو سکے تو نتیجہ غیر تسلی بخش نکلتا ہے' اس لئے مدح نگار کی تاثر پذیری کی اصلاح بھی ضروری ہے اور اس کے جذبات کے اظہار کی تہذیب بھی درکار ہے۔ اسلام طرفین کی اصلاح کا ضامن ہے تاکہ کسی پہلو غیر صالح صورتحال پیدا نہ ہو۔ ممدوح کا انتخاب بھی غور و فکر چاہتا ہے تاکہ غیر مستحق ممدوح نہ بن جائے اور مستحق نظر انداز نہ ہو جائے' اس کے ساتھ مدح کو بھی آداب آشنا ہونا چاہئے تاکہ فرق مراتب کی فطری ضرورت کا احساس باقی رہے۔ قرآن مجید میں انبیائے کرام علیھم السلام اور اہل ایمان کے اوصاف جمیلہ کا تذکرہ موجود ہے اور انداز بیان اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ فگن ہے' کفار و مشرکین کے کردار کے سیاہ گوشے بھی موضوعِ سخن ہیں اور طرزِ اظہار موضوع سے ہمہ جہت ہم آہنگ ہے۔ اسی طرح احادیثِ نبویہ میں متعدد مثالیں وصف جمیل اور وصف نامقبول کی مذکور ہوئی ہیں۔ صالح اعمال پر تحسین اور غیر صالح افعال پر نفرین صرف ذاتی جذبے کی تسکین کے لیے نہیں ہیں بلکہ اس سے ان اعمال کے درمیان خط امتیاز کھینچنا مقصود ہوتا ہے تاکہ بہتر کی ترغیب ہو اور بدتر سے نفرت ہو' اس طرح مدح نگاری ایک ذاتی عمل نہیں معاشرتی عمل ہوتا ہے کہ اس سے بدعملی کی اصلاح بدکرداری کی تہذیب اور نیک جذبوں اور صالح اعمال کی ترویج ہوتی ہے اس طرح یہ سماجی منظر اور تبلیغی عمل ہے جو اصلاح کا عملی پیغام بنتا ہے۔ اسلام نے مدح نگاری سے حسنات کی کشید کی ہے اور عظمت آشنائی کا ذوق پیدا کیا ہے۔

خوش آئند عمل پر اظہار خوشنودی اور قابل گرفت عمل پر اظہار ناراضی انسان کی فطرت کا خاصہ ہے' وہ خوش ہوتا ہے تو اس کا اعلان کرتا ہے اور ناراض ہو تو ردِ عمل دیتا ہے' یہ فطرت کا اقتضاء ہے اور اسلام انسان کو اس فطری حق سے محروم نہیں کرتا ہاں وہ اس حق کو عین واقعہ بنانے کا خواہش مند ضرور ہے' اسلام کی یہی فیاضانہ مگر محتاط روش تھی کہ مدح نگاری پر کوئی ناروا پابندی عائد نہ کی گئی بلکہ مناسب اظہار جذبات کی راہ دکھائی گئی تاکہ یہ فطری تقاضا فطری حدود کے اندر پورا ہوتا رہے۔ روایات حدیث کے عظیم ذخیرے میں ایسی متعدد احادیث تلاش کی جاسکتی ہیں جو مدح کو آزادی بھی عطا کرتی ہیں مگر پابہ گل بھی دیکھنا چاہتی ہیں' موضوع کی مناسبت سے صرف چند احادیث کے تذکرے پر اکتفا کرتے ہیں۔

مدح کی اجازت اور ترغیب کی احادیث

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لایشکر الناس لایشکر اللہ(۱۷)

(حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگوں کا شکرادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتا)۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت ہوا کہ فرمایا من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (۱۸) (یعنی جس نے لوگوں کا شکرادا نہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر بھی نہ کیا)

خالق کائنات کے انعام واکرام بے پایاں ہیں' یہ انسان کو سپاس گزاری کی دعوت دیتے ہیں' یہ تبھی ممکن ہوگا کہ انسان طبعاً حق شناس ہو' اس کے مزاج میں محسن کے احسان پر ممنونیت کا جوہر موجود ہو' یہ ممنونیت اور یہ انقیاد تبھی ممکن ہے جبکہ اس کے رویوں میں حق آگہی اور احسان شناسی کی عادت واضح ہو چکی ہو' انسانی معاشرہ میں اپنے ہم جنسوں کے احسانات کا اعتراف اس میں احسان مندی کی صلاحیت پیدا کرے گا' بندوں کے حسن سلوک کے جواب میں شکر گزاری کی عادت اسے اپنے خالق کے سامنے سرنگوں ہونے کی تحریک بنے گی۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ بندوں کا شکرادا نہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا اس ارشاد میں یہ ترغیب دی گئی کہ محسنین کے احسان پر ان کا شکرادا کیا جائے' یہ شکریہ' شعر کے قالب میں ڈھلے تو مدح بنتا ہے اور یہ مدح' حمد کی تمہید ہوتی ہے

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر ایک انسان عمل خیر کرتا ہے اور اس پر لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں تو اس پر آپ کی رائے کیا ہے' فرمایا تلک عاجل بشری المومن (۱۹) عمل خیر پر تحسین کو جنت کی پیشگی بشارت ارشاد فرما کر واضح کر دیا گیا کہ نیک اعمال کو سراہنا چاہئے تاکہ ان کی ترویج ہو اور سراہنا' مدح کے لوازمات میں سے ہے بالفاظ دیگر نیک خصائل پر مدح کا حکم ہی نہیں اس پر خوشخبری بھی ارشاد فرمائی گئی ہے۔

جاہلی دور میں مدح کا معیار عمومی طور پر قابل تعریف ہی تھا مگر اجزائے مدح میں خالق کی ذات کے حوالے سے دینی عناصر شامل نہ تھے اسلامی تعلیمات نے نظریۂ حیات کو بنیادی وصف مدح کی حیثیت سے مدح نگاری کا حصہ بنا دیا۔ ڈاکٹر شوقی ضیف اس تبدیلی کا واضح اشارہ کرتے ہیں کہ ممدوح' میں دینی فضیلت کا تصور' نمایاں ہونے لگا تھا۔(۲۰) حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بعض صحابہ کے حق میں

کلمہ خیر ارشاد فرمایا' کتب حدیث میں ایسے مرویات کے لیے کتاب المناقب یا کتاب الفضائل ترتیب دیئے گئے' یہ کثیر روایات مدح نگاری کے لیے مہمیز بنیں اور یوں اس صف سخن کو پیغمبرانہ تائید حاصل ہوئی۔

یہ فن مدیح کا روشن پہلو ہے مگر احادیث کی کثیر تعداد میں 'مدح' کی مذمت کے بھی کئی پہلو روایت ہوئے ہیں ان روایات کا سرسری جائزہ اور ان کے بارے میں علمائے امت کی آراء کا تجزیہ ضروری ہے تاکہ یہ بظاہر متضاد کیفیات میں تطبیق پیدا ہو سکے۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک شخص نے دوسرے شخص کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا۔" ویلك قطعت عنق صاحبك قطعت عنق صاحبك مرا" یعنی آپ نے بار بار فرمایا کہ تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی' پھر راہنمائی فرمائی کہ اگر لامحالہ مدح کرنا ہی ہو تو یوں کہنا چاہیے کہ میں فلاں کے بارے میں یہ گمان رکھتا ہوں (روایت طویل ہے)(۲۱)

یہ روایت معمولی اختلاف کلمات کے ساتھ صحیح مسلم (۲۲) سنن ابی داؤد (۲۳) اور سنن ابن ماجہ (۲۴) میں بھی موجود ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دوسرے آدمی کی تعریف اور تعریف میں مبالغہ کرتے ہوئے سنا تو فرمایا۔"اھلکتم او قطعتم ظھر الرجل" (۲۵) یعنی تم نے ہلاک کر دیا یا آدمی کی پشت کاٹ دی"۔ یہ روایت صحیح مسلم ۲۶ میں بھی موجود ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو میں ایجاز کا حکم دیا اور فرمایا"فان الجواز ھو خیر " (۲۷) (کہ بے شک اختصار میں ہی بھلائی ہے)

ان مفاہم پر مشتمل بہت سی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں' ان روایات سے چند ایک اصول مستنبط کئے جا سکتے ہیں مثلاً:

۱۔ ثناء یا مدح ممدوح کے لیے ابتلا کا باعث ہوتی ہے' ممکن ہے اس سے اس کی شخصیت کی اٹھان مجروح ہو اور وہ غلط فہمیوں کا شکار ہو کر ہلاکت کا ہدف بنے۔

۲۔ روبرو مدح انسان کو زیادہ نقصان دیتی ہے اور شخصیت کے فساد یا توڑ پھوڑ کا سبب بنتی ہے'

۳۔ مدح میں اطناب یعنی طوالت بھی ہلاکت آفریں ہے' اختصار پسندی ہی میں عافیت ہے۔

۴۔ مدح میں غیر محتاط الفاظ جن سے بدگمانی یا غلط فہمی کا امکان ہو لائق اجتناب ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کلمات کے استعمال سے بھی روک دیا جو آپ کی ذات کے لیے سزاوار تھے مگر

مداحین چونکہ نومسلم تھے اس لئے احتیاط اختیار کرنے کا مشورہ دیا جیسا کہ سنن ابی داوٗد کی روایت میں ہے۔(۲۸)

مندرجہ بالا روایات میں مدح نگاری کی تردید نہیں تہذیب ہے تاکہ مداحین پابند آداب رہیں اور صرف ان فضائل و خصائص کو موضوع بنائیں جو فی الواقعہ موجود ہوں۔ اللہ تعالی نے ہر انسان کو خصائل و شمائل میں سے حصہ عطا فرمایا ہے' وہ عالم مافی الصدور اور محرم کائنات ہی بہتر جانتا ہے کہ کسے کیا تفویض کیا جانا چاہئے' مداحین جب اللہ تعالی کی نوازش سے بڑھ کر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ایک طرح سے اپنے آپ کو ذات ممدوح کا زیادہ خیر خواہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو توہین بھی ہے اور خلاف واقعہ بھی اس لیے ارشاد ہوا کہ مدح میں اپنے بیان کو ظن کی حد تک ہی رہنے دو بالجزم رائے نہ دو بلکہ تمام بیانات کو اللہ تعالی کی طرف لوٹا دو تاکہ کذب بیانی اور خلاف واقعہ مدح سرائی سے بچ سکو' الاطراء مدح میں حددرجے کا مبالغہ ہی ہے جسے ہلاکت سے موسوم کیا گیا' مبالغہ کی حاجت زود کلامی میں پیش آتی ہے اس لیے اس کی بنیاد ہی کاٹ دی کہ مدح میں اختصار چاہئے تاکہ دور از کار باتیں نہ تراشنا پڑیں' ان واضح اشارات کے باوجود انسان جب تجاوز عن الحد کی طرف مائل ہوتا ہے اور یہ جھکاوٗ فساد کا باعث بنتا ہے تو ایسے بسیار گو کے لیے تہدیداً ارشاد فرمایا کہ اس بیہودہ گو کا منہ بند کر دیا جائے' کتب احادیث میں ایسی متعدد روایات موجود ہیں' چند ایک کا مطالعہ ہی ممانعت کی شدت کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہوگا۔

ابو معمرؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی کسی امیر کی مدح کرنے لگا تو حضرت مقدادؓ اس پر مٹی ڈالنے لگے اور انہوں نے کہا کہ "امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نحثی فی وجوہ المداحین التراب" (۲۹)

(ہمیں رسول اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ مدح نگاروں کے چہروں پر مٹی ڈالیں)

جامع الترمذی میں یہی حدیث معمولی لفظی تغیر کے ساتھ موجود ہے۔

ہمام بن الحارثؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی عثمان رضی اللہ عنہ کی مدح کرنے لگا تو حضرت مقدادؓ گھٹنوں کے بل ہو کر اس کے چہرے پر مٹی کے کنکر ڈالنے لگے اس لئے کہ وہ بھاری بھر کم انسان تھا' حضرت عثمانؓ نے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رایتم المداحین فاحثوا فی وجوھھم التراب "(۳۱) (بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جب تم مداحین کو دیکھو تو انکے چہروں پر مٹی ڈالو) سنن ابی داوٗد (۳۲) میں کچھ فرق کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے' سنن ابن ماجہ (۳۳) میں حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ اور جامع الترمذی (۳۴) میں حضرت

ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ' سے بھی اس مفہوم کی احادیث روایت ہوئی ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔

"ایاکم والتمادح فان الذبح" (۳۵) (مدح بے جا سے بچو کہ یہ توذبح کرنا ہے)

ان احادیث میں اگرچہ روایت کا معمولی اختلاف ہے مگر مفاہیم مشترک ہیں' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حکم تو بہر حال روایت ہوا کہ مداحین کے چہروں کو آپ نے خاک آلود قرار دیا' صحابہ کرام جن میں حضرت مقدادؓ پیش پیش ہیں اس حکم کی عملی توجیہہ کے قائل تھے اور متعدد بار اس کا مظاہرہ بھی ہوا "تمادح' میں تومدح سے کہیں بڑھ کر مدح کی کیفیات موجود ہیں اور اس کے اندر مبالغہ کی خاصیت بھی پوشیدہ ہے' مدح میں مبالغہ آرائی کا عنصر اسے یقیناً غیر محمود بنادیتا ہے جبکہ مبالغہ غیر مانوس اور دوراز کار بھی ہو' چہروں کو خاک آلود کرنے سے عملی طور پر ایسا کرنا بھی ہے جیساکہ حضرت مقدادؓ نے کیا اور عنایات ونوازشات سے محروم رکھنا بھی ہے تاکہ جلب زر کا وسیلہ نہ بن جائے جیساکہ صحیح مسلم کے حاشیہ نووی میں وضاحت موجود ہے۔

مدح کی ممانعت کے بارے میں اور اس کی اجازت کے ضمن میں علماء نے نہایت محتاط رویہ اختیار کیا ہے کہ جواز حد سے بڑھ نہ جائے اور ممانعت اس فطری جذبے کو بے توفیق نہ بنادے۔ علامہ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) کے نزدیک ان سے مراد ایسے افراد ہیں جو لوگوں کے منہ در منہ جھوٹی مدح کرتے ہیں (۳۶) علامہ النووی (م ۶۷۶ھ) اثباتی اور تردیدی احادیث کے درمیان تطبیق کے قائل ہیں' فرماتے ہیں ممانعت 'تجاوز عن الحد اور افزائش فتنہ کے خوف پر ہے مگر جو فتنہ میں پڑنے سے محفوظ ہے کہ کمال تقویٰ اور پختگی عقل اسے حاصل ہے اس کے سامنے مدح پر ممانعت نہیں کہ اس پر خیر کی افزائش ہوتی ہے اور یہ مستحب ہے (۳۷) یہ اس لیے کہ جب تجاوز عن الحد کی عادت راسخ ہو جاتی ہے تو انسان کی زبان بے باک بلکہ بسااوقات بے لگام ہو جاتی ہے' ایسی چرب زبانی کو بنظر احتقار دیکھا گیا ہے۔ ارشاد ہوا "ماأعطی العبد شرا من طلاقة اللسان" (۳۸) (طلاقت لسان سے بڑھ کر شر انسان کو نہیں دیا گیا)

چرب زبانی 'ممدوحین' کے لیے ایسے ایسے اوصاف بیان کرنے پر مجبور کرتی ہے جو کسی طور روا نہیں ہوتے جرأت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ خالق اور بندہ کا تعلق معرض خطر میں پڑتا ہے' ممدوحوں کے لیے ایسے القاب تراش لیے جاتے ہیں جن سے دربار ایزدی میں توہین کا پہلو نکلتا ہے اور شرک کی بو آنے لگتی ہے' اس لیے ایسے خطابات والقابات سے روک دیا گیا' حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے روز وہ شخص نہایت غیظ کا شکار ہوگا جو ملک الاملاک کہلاتا

رہا۔ "حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں اس سے ایسے اسماء مراد ہیں جیسا کہ "شاہان شاہ" وغیرہ (۳۹) ملک الاملاک یا ملک الملوک یا اسی قبیل کے دوسرے القاب جن میں حدود الوہیت سے تجاوز کا خطرہ پیدا ہو ممنوع قرار دیئے گئے اور حکم دیا گیا کہ افراط مدح یا اغراق عقیدت سے اجتناب چاہئے' مدح مناسب حال اور لائق مقام و شخصیت چاہئے' زبان پر محاسبہ کی کڑی پابندیاں اس لئے نافذ کی گئیں کہ یہیں سے فتنے پھوٹتے ہیں اس لئے زبان کے استعمال میں احتیاط چاہئے روایت ہے کہ ایک شخص دربار رسالت میں کلام کرنے پر دلیر ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کتم دون لسانکٌ من حجاب؟" (تیری زبان کے پردے کتنے ہیں) کہنے لگا "شفتای و اسنانی" (میرے دو ہونٹ اور دانت) تو اس پر ارشاد ہوا۔ "ان اللہ یکرہ الانبعاق فی الکلام فنضر اللہ وجہ رجل اوجزفی کلامہ واقتصر علی حاجتہ" (۴۰) (بے شک اللہ تعالی کلام میں شدت پسند نہیں کرتا' اللہ تعالی اس شخص کے چہرہ کو تازگی عطا کرتا ہے جو اپنے کلام میں اختصار اختیار کرلے اور خواہش کو حد سے نہ بڑھنے دے) محتاط کلامی ایک حسن ہے اور شرف آدمیت ہے' قرآن مجید کا یہ اشارہ کہ "مایلفظ من قول الالدیہ رقیب عتید" (۴۱) (وہ کوئی قول نہیں نکالتا مگر اس کے پاس موجود نگران ہے) بھی لفظ لفظ پر احتیاط کا درس دے رہا ہے۔ ابو نعیم الاصفہانی (م ۴۳۰ھ) نے الاسود بن سریع اللہ عنہ کی روایت سے استشہاد کیا ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حمد رب اور مدح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت چاہی تو ارشاد ہوا کہ "ان اللہ عزوجل یحب الحمد" (بے شک اللہ عزوجل حمد کو پسند کرتا ہے) یہ جواز کے لیے سند تھی مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روکنے پر یہ ارشاد "ھذا عمر رجل لایحب الباطل" (یہ عمر رضی اللہ علیہ ایسے مرد ہیں جو باطل کو پسند نہیں کرتے) اس سے اجازت و ممانعت کے دونوں رویے سامنے آئے' اس پر حافظ ابو نعیم تبصرہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت 'محامد و مدائح' کے جواز پر دال ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ اس رویے کی نفی ہے جب مدح سرائی کو کاروبار بنالیا جاتا ہے اور شعرا جلب زر کی خواہش لیے صحراؤں اور وادیوں میں گھومتے رہتے ہیں اس طرح غیر مستحق کی مدح ہوتی ہے اور غیر مناسب اوصاف کا اظہار ہوتا ہے اس لئے یہ فنکاری و دنیاداری ممنوع قرار دی گئی اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت کے باوجود فرمایا "انہ لایحب الباطل" کہ عمر رضی اللہ عنہ باطل کو پسند نہیں کرتے' جہاں تک محکم اشعار کا معاملہ ہے تو یہ اللہ تعالی کا انعام ہے اور حضرت ابو بکر' حضرت عمر اور حضرت علی رضوان اللہ علیھم اجمعین بھی شعر کہا کرتے تھے۔ (۴۲)

طمع' خواہش نفس اور حرص و آز' مدح کے محرک بن جائیں تو مدح باطل قرار پائے گی لیکن جذبہ

صادقہ اور اظہار ممنونیت کا مخلصانہ رویہ مدح کو لائق احترام بنادے گا' اصل چیز وہ محرک ہے جس کی کوکھ سے مدح جنم لے رہی ہے' محبت میں غلو اور نفرت میں انحراف قابل قبول نہیں اس لئے اسلامی تعلیمات کے مطابق مدح نوازش نہیں' مواقف واقعہ خصائل کا اعتراف ہے اور ہر سلیم فطرت پر اس کی ادائیگی واجب ہے' الغرض اسلامی تعلیمات میں مدح کی حدود متعین ہیں' یہ مواقف واقعہ' غلو سے مبّرا' حسین الفاظ کا مرقع' بلاغت کا پیکر اور مدح نگار کے دل کی پکار ہوتی ہے اس میں نفسیاتی خواہشات اور مادی مفادات کے حصول کی پستی نہیں ہوتی' یہ ممدوح کا قرض سمجھ کر ادا کی جاتی ہے اور ممدوح کے مقام کے لائق الفاظ و تراکیب پر مشتمل ہوتی ہے۔ اسلام جب عمومی مدح نگاری کو اس قدر پابند آداب بنانے کا داعی ہے تو اس کی بلند تر اور پاکیزہ تر قسم مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کیسے غیر حقیقی جذبات' مصنوعی خیالات اور غیر معیاری کلمات برداشت کرے گا۔

مدح خواجہ گردوں پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صداقت شعاری فرض ہے کہ یہ تذکرہ کائنات کے سب سے بڑے صادق کا ہے جن کی پوری زندگی رنگ صداقت سے دمک رہی ہے' وہ وجود صادق جو صداقت کا پیغام بر بھی ہے اور صداقت شعاری کا بلند تر اور حسین تر اسوہ بھی' مداحین کے لیے قدم قدم پر احتیاط لازم ہے کہ یہاں صرف ایک صنف سخن کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کا ہی مسئلہ نہیں اپنے ایمان کی سالمیت کا بھی سوال ہے' یہ راہ پر خطر ہے اس لئے حزم و احتیاط کی متقاضی ہے' ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پایاں عظمت اور مقام نبوت کی بے حد و حساب رفعت پرواز خیال کے لیے مہمیز ہے مگر ہر جنبش کا محاسبہ ضروری کہ کہیں قدم لڑکھڑا نہ جائے' ذات ممدوح کا ہم صفت موصوف ہونا سہولت بہم پہنچاتا ہے اور راستہ کی مشکلات کی خبر بھی دیتا ہے کہ قلم بے خودی میں غیر متوازن نہ ہونے پائے' افراط و تفریط کی دو طرفہ حد بندی نے اس راہ کو پلِ صراط بنادیا ہے جہاں بڑے بڑوں کا قدم لرزتا ہے اس لیے "ربّ سلّم" کی دعا کی احتیاج رہتی ہے۔

مدح ممدوح ربّ کائنات' ایک مشکل ترین صنف سخن ہے مگر مداحین نے اس مشکل راہ پر چل کر اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کیا ہے' صدیوں کی تاریخ گواہ ہے کہ قریہ قریہ' شہر شہر' مدحت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ترانے گائے جارہے ہیں' عوام اور خواص یکساں توانائیوں کے ساتھ اس قافلہ مدحت میں شریک ہیں' اس صنف سخن کا تقدس اور اس کے دینی' اخلاقی اور انسانی تقاضوں نے اس کو منفرد صنف سخن بنادیا ہے' تقدس کا ہالہ ہمہ اطراف سایہ فگن رہا حتیٰ کہ غیر مسلم بھی جب اظہار جذبات کے لیے نغمہ سرا ہوئے تو زبان کو مشک عنبر سے باوضو کر کے حاضر دربار ہوئے' مدائح کی طویل روایت' اسلامی تاریخ

کے لیے وجہ افتخار بھی ہے اور دامن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پایاں وسعتوں کی غماز بھی' یہ سلسلہ ازل سے چلا اور تا ابد قائم ہے۔

عرض کیا جا چکا کہ مدح نگاری عرب معاشرہ میں ایک معاشرتی مظہر کے طور پر موجود تھی' زہیر بن ابی سلمٰی نے اسے اخلاقی ممنونیت کا پاکیزہ پیرا ابن عطا کیا تھا' اسلام کا مزاج اسی پاکیزہ ترطرز مدح سے ہم آہنگ ہے کہ ممدوح کے خصائل و فضائل کا اظہار ان کے وقوع پذیر ہونے کی حیثیت کے مطابق کیا جائے تاکہ مدح خام خیالی یا مبالغہ آمیزی کی داستان طرازی کے بجائے حکایت واقعہ بن جائے' اسلام کی آمد سے مدح نگاروں کو ایسی ذات مل گئی تھی جو صفات حسنہ اور خصائص حمیدہ کا پیکر تھی اس لیے جولانگاہ فکر وسیع و عریض تھی' دینی روح نے شاعری کے افق کو کئی نئے زاویئے عطا کئے' پاکیزہ جذبے شعروں میں ڈھلے اور مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب ہوئی۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس قافلہ مداحین کے امام اور شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلائے' جذبہ جب عقیدت آشنا ہوا اور خیالات جب پابند آداب ہوئے تو روحانی فضا قائم ہوئی اور شاعری کو نیا آہنگ ملا۔

مدح نگاری' ہر گفتگو کے دوران میں ایک سوال اکثر اہل علم کو پریشان کرتا ہے' وہ یہ کہ جب مدح' کا راستہ پرخطر ہے اور اس کی اسلامی تعلیمات میں حوصلہ افزائی بھی نہ تھی بلکہ اس کے نقصانات کو نمایاں کیا گیا تو پھر اس کی اجازت ہی کیوں دی گئی۔ ان گزارشات کی ابتدا میں مدح کے حوالہ سے متعدد روایات نقل کی گئی ہیں جو اس کی ممانعت پر مشتمل ہیں' روبرو ہو کر مدح کہنے پر تو سخت تنبیہ بھی موجود ہے اور خاک آلود' ہونے کی وعید بھی' تقابل کی بے احتیاطی' مبالغہ و کذب کی کثرت اور ممدوح' کو ہلاکت میں ڈالنے کا بھی ذکر ہوا ہے یہ سوال لائق توجہ بھی ہے اور مدحیہ شاعری کی کثرت کے حوالہ سے غور طلب بھی ممانعت کی روایات کا جائزہ لیا جائے۔ اور مدح کے مذموم پہلوؤں کا احاطہ کیا جائے تو ضمنی مباحث کو نظر انداز کرتے ہوئے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ مدح نگاری' دو طرفہ عمل ہے' مداح' جو مدح سرائی کرتا ہے اور ممدوح جس کی مدح کی جارہی ہوتی ہے' ہم دیکھتے ہیں کہ تردیدی روایات کی مستند حیثیت کے باوجود ترغیب مدح' کے مواقع بھی آئے ہیں' شمشیر بکف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو زبان کے جہاد کا حکم دینا (۴۳) حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو "اهجهم و جبريل معك" (۴۴) (ان کی ہجو کرو جبرئیل تمہارے ساتھ ہیں) کہہ کر دفاعی شاعری پر تیار کرنا اور "اللّٰهم ايده بروح القدس" (۴۵) (اے اللہ ان کی روح قدس سے مدد فرما) کہہ کر اس عمل کو تائید ربانی کا افتخار بخشنا ثابت کرتا ہے کہ مدح' کو سند جواز عطا ہوئی' ممانعت کی روایات اور ترغیب کی احادیث کا تجزیہ کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ

اسلامی تعلیمات میں یہ پیرا ابن معتوب نہ تھا اس کے مشتملات لائق اجتناب تھے۔ برا خیال' بلا جواز مبالغہ اور لائق نفرین انتساب نثر میں ہو یا نظم میں ناپسندیدہ ہے' مدح میں ایسے خیالات کا رواج بھی تھا اور امکان بھی' اس لیے روکا گیا کہ یہ غیر محمود رویہ اسلامی تعلیمات سے تطابق نہ رکھتا تھا مگر فطرت انسانی کے اقتضاء کا بھی خیال رکھا گیا کہ اس پر پابندی سے انسان کی جائز خواہشات پر بھی زد پڑتی تھی' اسلام دین اعتدال ہے اس لیے دو طرفہ حد بندی کر دی گئی اور خطرات سے بچتے مگر فطری تقاضوں کو پورا کرنے کا سامان بھی کر دیا' مدح رسالت' کی پناہ گاہ میں مدح کے عمومی معائب کی بیخ کنی بھی ہوئی اور حق آشنائی کے جوہر کی نمود بھی ہوئی

مدح سے اس لئے روکا گیا تھا کہ یہ مدح نگار اور ممدوح دونوں کے لیے وجہ زیاں تھی' مدح نگار کچھ کہنا چاہتا ہے مگر ممدوح کی ذات اس کی متحمل نہیں اس لئے خلاف واقعہ صفات و افعال کا سہارا لیتا ہے۔ اس لیے کذب بیانی کرتا ہے اور اگر چند صفات موجود بھی ہیں تو ان کو بڑھا کر پیش کرتا ہے کہ مقصود مادی خواہشات ہیں اس طرح مبالغہ آرائی کا مرتکب ہوتا ہے۔ ممدوح کیا واقعی لائق مدح وجود ہے اس کی مدح نگار کو پروا نہیں اسے تو جتنے اچھے کلمات' بہتر تراکیب اور دل خوش کن انداز آتے ہیں' بیان کر دیتے ہیں' وہ ممدوح کی ذات کے حوالہ سے نہیں اپنی احتیاج کے حوالہ سے بات کرتا ہے اس طرح کی مدح' کذب و مبالغہ' کی حامل اور معاشرتی فساد کا باعث ہوتی ہے کہ ناحق' کی پذیرائی کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو مدح نگار کے حوالے سے' مدح' کا قابل مذمت پہلو ہے' دوسری جانب' ممدوح' جب اپنی بے سر دپا تعریف سنتا ہے تو عجب کا شکار ہوتا ہے' وہ جانتا ہے کہ میں اس کا اہل نہیں مگر ذاتی جلال اور معاشرتی دبدبہ اسے اس کذب و مبالغہ کو سننے پر آمادہ کرتا ہے' غلط رویے پر اپنے کردار و اعمال کی اساس رکھنا اس کی شخصیت کو مسخ کر دیتا ہے اور بار بار اس مصنوعی ماحول کا اسیر ہونے سے اس پر طمانیت محسوس کرنے لگتا ہے اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ محاسبہ نفس کا اہل نہیں رہتا' غلط فہمیوں کی کثرت اس کے وجود کو حقیقت آشنائی سے محروم کر دیتی ہے اور وہ ریشم کے کیڑے کی طرح چار جانب ریشم کے تار لپیٹتا رہتا ہے اور خوش ہوتا ہے کہ ریشم کے گھر میں رہتا ہے مگر انجام یہ ہے کہ ریشم کے تاروں میں محصور ہو کر دم توڑ دیتا ہے۔ مداح' جھوٹ بولتا ہے کہ اس کے پاس اوصاف و خصائص شماری کی وسعت نہیں اور ممدوح' شاخ نازک پر آشیانے تلاش کرتا رہتا ہے اس طرح مدح' دو طرفہ فتنے بپا کرتی ہے' اس کی محفوظ راہ یہی تھی کہ کہنے والا صداقت کیش ہو جائے کہ اس کے سامنے اوصاف و شمائل کا وسیع میدان ہو اور ممدوح' اس قدر صاحب شمائل ہو کہ عجب و غرور کا کوئی داعیہ پیدا نہ ہو۔

مدح رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایسی محفوظ جولانگاہ مہیا کر سکتی تھی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس میں کسی جانب خطرہ نہیں 'مدح نگار کو نہ جھوٹ بولنے کی ضرورت ہے نہ مبالغہ آرائی کی 'صفات 'ختم ہوں گے تو نئے تراشنے پڑیں گے اور اگر صدیوں کی روایت واضح کر رہی ہو کہ صفات کا کوئی باب بھی مکمل نہیں ہوا کثرت و قلت کا کوئی رخ صفات شماری کا حق ادا نہیں کر سکا کہ کہنے والا کہہ کر بے چین ہے کہ کچھ نہ کہ سکا اور صفات ہیں کہ حدو شمار میں نہیں آ رہیں 'علامہ ابن الفارض (م ۶۳۲ھ) فرماتے ہیں

ارى كل مدح فى النبى مقصرا . وان بالغ المثنى عليه واكثرا (۴۶)

(میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر مدح کو تھوڑا سمجھتا ہوں اگرچہ ثناء خواں اس میں مبالغہ کرے یا کثرت) مبالغہ تجاوز عن الحد کا نام ہے اور جب حد ہی نہیں تو مبالغہ کیسا علامہ البوصیریؒ (م ۶۹۶ھ) فرماتے ہیں

فان فضل رسول الله ليس له . حد فيعرب عنه ناطق بفم (۴۷)

(پس بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی کوئی حد نہیں کہ کہنے والا اس کو بیان کر سکے)

معلوم ہوا 'مداح رسالتؐ کی شاہراہ محفوظ ہے اور ممدوح 'تو وہ ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کا بھی قائد اور امام ہے وہ وجود مکرم اس عظمت و رفعت کے باوجود فخر نہیں کرتا تو ایک ژولیدہ بیان اور ناقص الاظہار مدح خوان کے چند جملوں سے عجب و غرور کا شکار کیسے ہوگا 'مدح رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانی حس مدح کی تسکین کا سبب بھی ہے۔ صداقت شعاری کا رویہ بھی اور حصول حسنات کا ذریعہ بھی' اسی لیے تو جو اس صنف ادب سے آشنا ہوا 'پھر اس نے دوسروں کا کبھی رخ نہ کیا۔ مدح غیر کی آلودگی سے اپنے وجود کی حفاظت کے لیے مدح سرکار ﷺ سب سے بڑا حصار ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ان مقدس سایوں میں عافیت پاتے ہیں کہ ان میں حسن و رعنائی بھی ہے اور کامرانیوں کی بشارت بھی کہ یہ انسانیت کا خراج بھی ہے اور ایمان کا تقاضا بھی 'اللہ تعالی اس راہ فوز و فلاح کی توفیق ارزانی فرمائے کہ عظمت شناسی 'عظیم ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ البقرۃ : ۲۱

۲۔ تاج العروس 'المجلد الثانی 'ص: ۳۳۰ '۳۳۱

۳۔ تفسیر کبیر 'امام الرازی 'الجزء الاول 'ص: ۱۱۲

۴۔ تفسیر روح المعانی' علامہ محمود آلوسی' الجزء الاول' ص:۷۰
۵۔ تفسیر ابن کثیر' علامہ ابن کثیر' الجزء الاول' ص:۲۲
۶۔ تفسیر کبیر' الجزء الاول' ص:۱۱۲
۷۔ الملفوظ' مولانا احمد رضا خان' حصہ دوم' ص:۴
۸۔ تاج العروس' الجلد الثانی' ص:۳۳۱
۹۔ العمدۃ' لابن رشیق' الجزء الاول ص:۴۹
۱۰۔ حوالہ مذکورہ
۱۱۔ العقد الفرید' علامہ ابن عبد ربہ' الجزء الثالث' ص:۳۸۰
۱۲۔ تاریخ الادب العربی للزیات' ص:۵۲
۱۳۔ شعر العجم' علامہ شبلی نعمانی' جلد پنجم' ص:۲۶'۲۷
۱۴۔ مقالات شبلی' جلد دوم' ص:۴۰'۴۱
۱۵۔ الوسیط' احمد الاسکندری' ص:۴۸
۱۶۔ شذرات الذہب' الجلد الثانی' ص:۱۸۹
۱۷۔ جامع الترمذی' الجلد الثانی' ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی الشکر لمن احسن الیک' ص۔۲۵
۱۸۔ حوالہ مذکورہ
۱۹۔ صحیح مسلم' الجلد الثانی' کتاب البر والصلۃ باب اذا اثنی علی الصالح فھی بشری' ص:۳۳۲
۲۰۔ تاریخ الادب العربی' العصر الاسلامی' ڈاکٹر شوقی ضیف' ص:۱۷۸
۲۱۔ صحیح البخاری' الجلد الاول' کتاب الشہادات باب اذا ازکی رجل رجلا کفاہ' ص:۳۶۶
یہی روایت الجلد الثانی' کتاب الآداب باب مایکرہ من التمادح' ص ۸۹۵ پر معمولی فرق کے ساتھ موجود ہے

۲۲۔ صحیح مسلم، الجلد الثانی، کتاب الزہد باب النہی عن المدح، ص:۴۱۴
۲۳۔ سنن ابی داؤد، الجلد الثانی، کتاب الادب باب کراھیۃ التمادح، ص:۶۶۲
۲۴۔ سنن ابن ماجہ، الجلد الثانی، باب المدح ص:۲۷۴
۲۵۔ صحیح البخاری، الجلد الاول کتاب الشہادات باب مایکرہ من الاطناب فی المدح، ص ۳۶۶، یہ روایت معمولی تغیر کے ساتھ الجلد الثانی کتاب الآداب باب مایکرہ من التماد ح، ص: ۸۹۵ پر بھی موجود ہے
۲۶۔ صحیح مسلم، الجلد الثانی، کتاب الزہد باب النہی عن المدح، ص:۴۱۴
۲۷۔ سنن ابی داؤد، الجلد الثانی، کتاب الادب باب التشدید فی الکلام، ص:۶۸۳
۲۸۔ حوالہ مذکور باب کراھیۃ التمادح، ص:۶۶۲
۲۹۔ صحیح مسلم، الجلد الثانی، کتاب الزہد باب النہی عن المدح، ص:۴۱۴
۳۰۔ جامع الترمذی، الجلد الثانی، ابواب الزہد باب کراھیۃ المدحۃ والمداحین، ص:۷۵
۳۱۔ صحیح مسلم، الجلد الثانی، کتاب الزہد باب النہی عن المدح، ص:۴۱۴
۳۲۔ سنن ابی داؤد، الجلد الثانی، کتاب الادب باب کراھیۃ التمادح، ص:۶۶۲
۳۳۔ سنن ابن ماجہ، الجلد الثانی، باب المدح، ص:۲۷۴
۳۴۔ جامع الترمذی، الجلد الثانی، ابواب الزہد باب کراھیۃ المدحۃ والمداحین، ص:۷۵
۳۵۔ سنن ابن ماجہ، الجلد الثانی، فی باب المدح، ص:۲۷۴
۳۶۔ فتح الباری بشرح البخاری، الجزء الثانی والعشرون، ص:۱۳۴
۳۷۔ صحیح مسلم، الجلد الثانی، کتاب الزہد باب النہی عن المدح، ص:۴۱۴ حاشیہ شرح النووی
۳۸۔ العقد الفرید، الجزء الثانی، ص:۱۶
۳۹۔ صحیح مسلم الجلد الثانی، کتاب الادب باب تحریم التسمی بملک الاملاک، ص:۲۰۸
۴۰۔ العمدۃ، الجزء الاول، ص:۱۶۱
۴۱۔ سورۃ ق:۱۸
۴۲۔ حلیۃ الاولیاء، ابونعیم الاصفہانی، الجزء الاول، ص ۴۶، ۴۷
۴۳۔ الاستیعاب، لابن عبدالبر، الجزء الاول، ص:۱۲۶
۴۴۔ صحیح البخاری، الجلد الاول، کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکۃ، ص:۴۵۷
۴۵۔ حوالہ مذکورۃ کتاب الادب باب ھجاء المشرکین، ص:۹۰۹
۴۶۔ المجموعۃ النبہانیۃ فی المدائح النبویۃ، علامہ النبہانی، الجلد الثانی:۱۳۶
۴۷۔ حوالہ مذکورہ الجلد الرابع، ص:۵

اردو مرثیے میں نعتیہ شاعری کے امتیازات

چند ابتدائی مباحث

ڈاکٹر ہلال نقوی

ڈاکٹر ہلال نقوی پاکستان میں مرثیے کے نہ صرف ایک نمائندہ شاعر ہیں بلکہ وہ اس صنف سخن کے حوالے سے ایک ممتاز اسکالر کا درجہ بھی رکھتے ہیں۔ بیسویں صدی کی مرثیہ نگاری پر وہ ایک ضخیم مقالہ سپرد قلم کر چکے ہیں جس پر ۱۹۸۵ء میں کراچی یونیورسٹی نے انھیں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی۔ صنف مرثیہ کے حوالے سے ترتیب دیئے جانے والے ایک ادبی رسالے "رثائی ادب" کے ایڈیٹر بھی ہیں۔ یہ سہ ماہی رسالہ کراچی سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مرثیہ میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے ان کی کتاب ترتیب کے آخری مراحل میں ہے ۔ یہ مضمون اور شعری انتخاب ان کی زیر ترتیب کتاب کا ایک جز ہے۔ (ص۔ ر)

مذہب ازل سے ادب کے عظیم محرکات میں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ زندگی کی تفہیم کائنات کے اسرار و رموز سے آگاہی اور صراط حق کی تلاش و جستجو میں مذہب سب سے قوی تر جذبے اور تیرگیٔ خیال میں مشعلِ نور کے طور پر انسانی ارتقا کے ہر عہد میں منارۂ نور کی طرح ہدایات کا فریضہ ادا کرتا رہا ہے۔

مغربی اہل قلم نے صحف سماوی کو بھی ادب میں شامل کیا ہے ان کی ادبیات میں مذہب کے زیر اثر ظاہر ہونے والے افکار و خیالات کے متعدد' متضاد اور مختلف مراحل دیکھے جاسکتے ہیں۔ ہومر نے یونانی دیومالا کے پس منظر میں رزمیہ کہا دالیک سے تلسی داس تک مذہبی فکر کے کئی رخ تخلیقات میں اجاگر ہیں۔ مغربی ادبیات کے بڑے ناموں میں DANTE سر فہرست ہے جس نے ابن العربی سے کسب فیض کر کے "طربیہ یزدانی" DIVINE COMEDY تصنیف کی موجودہ صدی میں ٹی ایس ایلیٹ کی مثال موجود ہے، جو انگریزی کا ایک عظیم شاعر تھا اور اپنے مذہبی اقدار کی تبلیغ کرتا تھا۔

ہماری ادبی تاریخ کا المیہ یہ ہے کہ اس نے مذہبی اصناف کو ادبی اصناف کا درجہ دینے میں مصلحتوں سے کام لیا۔ غزل کی جادوگری نے سننے والوں کو ایسا گرویدہ کیا کہ دوسرے اصناف سخن کنارے جا لگے۔

ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے
سب اسی زلف کے اسیر ہوئے

غالب سے جمیل مظہری تک فکری سلسلے کے جو شاعر تھے انہوں نے اس زلف کو نئے معنی پہنائے اور بات کچھ آگے بڑھی۔

کوئی بتاؤ کہ یہ زلف خم بہ خم کیا ہے (غالب)
خم بہ خم کا کل ہستی کا فسانہ ہے عجیب (جمیل مظہری)

یہ حیات و کائنات کی تفہیم کے مختلف جادے ہیں جس پر انسان مذہب کی طرف کشکول لئے رواں دواں ہے۔

وہ اصناف سخن جن کا تعلق مذہبی احساس سے ہے ان کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ انہیں بہت بڑے شاعر میسّر نہیں آئے البتہ حمد نعت' سلام' منقبت اور مرثیے میں صرف مرثیے کو یہ مقام حاصل ہے کہ اسے میر انیسؔ جیسا عظیم شاعر مل گیا جس نے ادبی تاریخ کو اپنی طرف متوجہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ یہ انیس کے بعد ہی ممکن ہو سکا کہ محمد حسین آزادؔ (آب حیات)' مولانا حالیؔ (مقدمۂ شعر و شاعری) اور مولانا شبلی نعمانی (موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ) نے اپنی تحریروں سے اس غلط فہمی کا پردہ چاک کیا کہ مرثیہ کسی گروہ کی میراث ہے ان بزرگ ناقدوں نے یہ بھی بتایا کہ مرثیہ محض ایک مذہبی صنف نہیں بلکہ یہ ایک ادبی طاقت رکھنے والی صنف شعر ہے۔ خصوصاً شبلی نے اردو کے سب سے بڑے مرثیہ نگار شاعر کی شاعری کو جن شعری حسیاتؔ کے آئینے میں دیکھا اس سے مرثیے کی وسعت خیال کے متعلق ان کے نقطۂ نگاہ کی وضاحت ہوتی ہے ان کے نزدیک مرثیہ ہی ایک ایسی صنف ہے جس میں مثنوی کا تسلسل' نظم کا پھیلاؤ' غزل کی جادوگری اور قصیدے کا شکوہ یکجا ہو گئے ہیں۔ مرثیہ اس اعتبار سے بھی انفرادیت کی شناخت رکھتا ہے کہ اس میں حمد کا جلال' نعت کا جمال' منقبت کا عقیدت مندانہ تصور' سلام کی جامعیت اور مدح و ثناء کی وجدانی کیفیات کا تنوع' بہت شدت کے ساتھ نمایاں ہوا۔ سر دست طویل مباحث سے گریز کرتے ہوئے اس وقت مرثیے میں نعت رسول ﷺ کے حوالے سے چند ابتدائی باتیں عرض کرنا مقصود ہیں۔

صنف نعت تو سراپا نعت نگاری ہے ہی لیکن مرثیے قصیدے اور مثنوی میں ذکر رسول ﷺ کی منزل نعت ہی کا ایک حصہ ہیں۔ نظمیہ شاعری کی ان تینوں کلیدی اصناف میں مرثیے میں نعت کا حصہ اپنے موضوعاتی تسلسل' اپنی فکری جہت' اپنے تاریخی ربط اور اپنی دینی اکائی سے مربوط و متحد ہے۔ قصیدہ چاہے امراء و سلاطین کے حوالے سے لکھا گیا ہو یا وہ مثنویاں جو عشقیہ جذبات سے مملو تھیں ان سب کے آغاز میں

حمد و نعت کا سلسلہ 'آغاز تخلیق میں اپنی عقیدت مندیوں کے اظہار کا ایک ذریعہ رہا اس کا قصیدے یا مثنوی کے زیر بحث موضوع سے کوئی علاقہ نہیں تھا لیکن مرثیے کی تمام تر فضا اپنے موضوع سے اتنی ہم رشتہ تھی کہ اس کا کوئی زیر بحث جزا ایک دوسرے جزے جدا نہیں رہا۔ اور یہ صفت عہد جدید کی مرثیہ نگاری میں بہت واضح طور پر مطالعہ کی جا سکتی ہے۔ میر انیس کے بزرگ مرثیہ نگاروں میں میر ضمیر پہلے شاعر تھے جنہوں نے مرثیے کے مختلف اجزاء اور مدارج کا تعین کیا۔ رخصت 'اور رجز بیاز تلوار' شہادت اور بین جیسے عنوانات مرثیے کی پوری ساخت قرار پائے لیکن انیس و دبیر کے بعد خصوصاً بیسویں صدی کے ابتدائی زمانے میں جب بر صغیر میں سیاسی تہذیبی' سماجی' فکری اور تمدنی تبدیلیاں رونما ہوئیں' فکر کے جادے بدلے' ذہنوں میں نئے سوتے کھلنے لگے تو مرثیے میں بھی فکر و خیال کے نئے دریچے نظر آنے لگے۔ یہ وہی عہد ہے جب نئی توانائیوں کے ساتھ اقبال کی آواز پوری فضا میں گونجی اور انہوں نے فلسفۂ شہادت اور کربلا کو نئے زاویئے عطا کئے بقول رشید احمد صدیقی شہادت سید الشہداء اور سانحۂ کربلا کو اقبال نے نئی جہت' وسعت اور رفعت دی ہے وہ بھی اردو شاعری میں ایک اہم اور گراں قدر اضافہ ہے مرثیہ نگاری کی جو اہمیت ہمارے ادب اور زندگی میں ہے اس کو اقبال نے ایک نئے تصور اور تجزیئے سے آشنا کیا اور ربط دیا اس طور پر اردو شاعری اور ادب میں مقام شبیری کی ایک نئی معنویت دعوت یا سمبل ظہور میں آئی اور مقبول ہوئی اور وہ تصور جو نسبتاً محدود تھا لامحدود ہو گیا۔ اقبال اپنی ایک فارسی نظم میں مرد مسلم سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ عشق ایک راز تھا جو صحرا میں پھیل گیا تو نہیں جانتا کہ اس نے کیسے اشتیاق سے جان دی رسولؐ کی نظر سے دیکھے' فقر اور شہنشاہی دونوں حسینؓ کی وجدانی کیفیات کی وارث ہیں۔

عشق رازے بود بر صحرا نہاد
تو ندانی جاں چہ مشتاقانہ داد

از نگاہِ خواجہ بدر و حنین
فقر و سلطاں وارثِ جذبِ حسینؓ

انیس اور ان کے سابقین کے مرثیوں میں نعت کا عنصر موجود ہے لیکن اقبال کے بعد مرثیے میں نعتیہ شاعری کے امتیازات فکر و خیال کے نئے دائروں میں نظر آنے لگے۔

اردو کی نعتیہ شاعری کی تاریخ اگر مرتب کی جائے اور تمام نعت گو شعراء کے کلام کو یکجا کر کے تجزیہ کیا جائے تو پہلا تاثر یہ قائم ہوتا ہے کہ نعت کہنا آسان ہے آداب کا خیال نعت رکھنا مشکل ہے ہماری نعتیہ

شعری میں حسن صوری اور شخصی حشمت کو زیادہ اجاگر کیا گیا روضۂ رسولؐ اور گنبدِ خضرا کی زیارت اور اس کے دیدار کی کشش کو تقریباً ہر نعت گو شاعر نے موضوع بنایا مرثیے میں بھی یہ پہلو ابھرتے ہیں۔ اس صنف سخن میں بھی حضور کی سراپا نگاری اور جمال کی تصویر کشی کی گئی۔ شمائل کو لکھا گیا لیکن اگر مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو صورت سے زیادہ سیرت مرکزِ خیال رہی۔ آنحضرتؐ کی ذات مسعود سے پھوٹنے والے ہدایت کے انوار زیادہ پیش نظر رہے۔ کلاسیکی عہد کے مرثیوں میں مدح و ثنا کار جاذبیت واضح رہا۔ انیس اور ان کے حلقہ احساس کے مرثیہ نگاروں نے شعری خیال بندی کو اپنی تخلیقات میں مرکزیت دی جبکہ دبستان دبیر کے شعرا کے مرثیے اپنے علمی وقار سے زیادہ پہچانے گئے۔ اس دبستان کے شعرا نے آیات قرآنی اور احادیث نبوی کو مرثیے میں زیادہ جگہ دی۔ علمی مراحل میں اگرچہ شعریت کے مجروح ہونے کے امکان زیادہ ہوتے ہیں لیکن بڑے شعرا نے اس کا پلّا جھکنے نہیں دیا۔

مرثیے میں نعتیہ شاعری کے امتیازات میں ایک حوالہ یہ بھی ہے کہ وہ شعرا جنہوں نے فکر کو اساس بنایا' اسرارِ حیات و رموز کائنات کو سمجھنے کے لئے اور روحانی دستگیری کے لئے انہوں نے درِ رسولؐ پر دستک دی۔ خیال کے یہ نئے پیرائے جب زیر بحث آئے تو نعت میں سنجیدہ خیالی نمایاں ہوتی چلی گی۔

مرثیہ انسانی رشتوں کی شاعری کا دوسرا نام ہے آج کا انسان انسانی رشتوں کی سچائی سے کٹ کر انا پرستی' ہوسِ زر اور اپنی ذات کے خول میں جس طرح بند ہوتا چلا رہا ہے۔ اسے مرثیے نے جھنجھوڑا ہے ایسے پیچیدہ مراحل میں مرثیہ نگاروں نے خاندان نبوتؐ کے ماحول میں آئینے کی طرح نور بداماں رشتوں کو مثال بنایا جس میں افضل ترین رشتہ عظیم ذات رسالت مآبؐ قرار پاتی ہے۔ آپؐ کے تذکرے کا یہ وہ موڑ ہے جہاں آپ کا پیغام' آپؐ کے افکار' آپؐ کی سیرت محترم' آپؐ کے اقوال' ہر قول میں پنہا حقیقتیں' آپؐ کے خانوادے کا ایثار و صبر' آپؐ کے انصار و اصحاب کا اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونا' یہ سب موضوعات آپ کی نعت کا حصّہ بنتے چلے گئے اور یوں مرثیے نے نعت نویسی میں پیغمبر آخر کی عظمت کو ایک نئے اعتبار سے لکھنے کی سعی کی! مرثیہ نگاروں نے اپنے نظریہ تسلسل اور بحث مسلسل میں ادبیت کو تحفظ دینے کی کوشش بھی کی مذہبی اصناف کو ادبی اصناف تسلیم نہ کرنے کے جارحانہ نقطۂ نگاہ کو مرثیہ نویسوں نے رد کر دیا۔ کیوں کہ مرثیے میں ادبیت کا احساس دوسری اصناف کے مقابلے میں زیادہ نمایاں رہا چنانچہ نعتیہ اجزا بھی اسی اختصاص کا نمونہ رہے۔ آل احمد سرور' نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اچھا انتخاب آدھی تنقید ہوتی ہے ذیل میں انیسویں اور بیسویں صدی کے بعض مرثیہ نگاروں کے مرثیوں سے نعتیہ انتخاب شامل کر کے تنقید کا آدھا فریضہ سنجیدہ قارئین کے ذمّے کئے جا رہا ہے۔

دلگیر

والله عجب شان شہنشاہِ رسل ہے اس گلشنِ ایجاد کا پہلا وہی گل ہے
اُس شاہ کے اوصاف کا کونین میں غلُّ ہے سب جزوکُل اجزا ہیں اُسی کے وہی کُل ہے
ہر چند کہ وہ ہے خلف آدم و حوّا
پر حق نے کیا ہے شرف آدم و حوّا

اس درجہ تھا حضرت کا کشیدہ قدِ بالا ہم قد کوئی اُس شہ کے نہ ہو سکتا تھا اصلا
سچ ہے قدِ موزون نبیؐ نورِ خدا تھا ہو اُس کے برابر سو یہ مقدور ہے کس کا
کیوں سب سے نہ بالا قدِ محبوبؐ خدا ہو
عالم سے سرفراز جو خالق نے کیا ہو

(مجموعۂ مرثیہ منشی دلگیر' جلد چہارم' نولکشور لکھنؤ)

میر انیس

فخر ملک و اشرفِ آدم ہے محمدؐ اکلیل سرِ عرش معظّم ہے محمدؐ
حقّا کہ خداوند دو عالم ہے محمدؐ آخر ہے مگر سب سے مقدّم ہے محمدؐ
ایسا کوئی محرم نہیں اسرار احد کا
حال اس سے ہے پوشیدہ ازل کا نہ ابد کا

مختارِ زمیں باعثِ افلاک نبیؐ ہے والا گہر قلزم لولاک نبیؐ ہے
مصباح حریم حرمِ پاک نبیؐ ہے شیرازۂ مجموعۂ ادراک نبیؐ ہے
عالم میں وہ آیا تھا پہ دل سوئے خدا تھا
حق اس کا رضا جو وہ رضا جوئے خدا تھا

آدم ہے وجودِ شہ لولاک سے آدمؑ عالم سب اسی شاہ کی ہستی سے ہے عالم
سر رشتۂ مہر اسکا اگر ہوتا نہ محکم تو ہوتے نہ اضداد عناصر کبھی باہم
کیا کیا کہوں کیا کیا ہے عنایات محمدؐ
ہے باعث ایجاد جہاں ذات محمدؐ

وہ پیش رو خیل رسولان سلف ہے — آدم کو اسی نور الٰہی پہ شرف ہے
یہ دُرِّ یتیم اور وہ پاکیزہ صدف ہے — کرتا ہے پدر فخر یہ ہے شان خلف ہے
پیغمبرؐ برحق کی ہو کیا نعت کسی سے
خالق کو مباہات ہے ایجاد نبیؐ سے

مجز ذات خدا سب پہ محمدؐ کے ہیں احساں — اُس شاہ کے ہیں خوانِ کرم پر سبھی مہماں
وہ اصل ہے اور فرع ہے سب عالمِ امکاں — تھا خلق دو عالم سے یہی مطلب یزداں
باطن میں بھی فیض اس کا ہے ظاہر بھی وہی ہے
اول بھی سبھوں سے وہی آخر بھی وہی ہے

(مراثی انیس، جلد اول، مطبوعہ ۱۹۵۹ء لاہور)

مرزا دبیر

کیا کیا بیاں کروں میں عنایات کبریا — پیدا پیمبروں کو پئے رہبری کیا
ہم کو محمدِ عربی سا نبیؐ دیا — بسم اللّٰہِ صحیفہ فہرست انبیاء
آگے جو انبیائے ذوی الاقتدار تھے
محبوب کردگار کے وہ پیشکار تھے

آفاق بہرہ ور ہُوا حضرت کی ذات سے — آگاہ ذات نے کیا حق کی صفات سے
تصدیق حکم رب کی ہوئی بات بات سے — رفتار نے لگا دیا راہِ نجات سے
سیکھے طریقے قرب خدا کے حضور سے
گمراہ آئے راہ پہ نزدیک و دور سے

سینوں سے سب کے دُور ہوا دردِ بے دلی — باقی رہی نہ پیروں میں سُستی و کاہلی
معراج ان کے ہاتھ سے اعجاز کو ملی — واں چاند ٹکڑے ہو گیا اُنگلی جو یاں ہلی
اُنگلی سے دو قمر کو کیا کس جلال سے
غل تھا کہ قفل چاند کا کھولا ہلال سے

سر تا قدم لطیف تھا پیکر مثالِ جاں
اس وجہ سے نہ سایہ بدن کا ہوا عیاں
قالب میں سایہ ہوتا ہے پر رُوح میں کہاں
سایہ انہیں کا ہے یہ زمینوں پہ آسماں
معراج میں جو واردِ چرخِ نہم ہوئے
سائے کی طرح راہ سے جبریلؑ گم ہوئے

(دفترِ ماتم، جلد اول، اشاعتِ سوم، ۱۹۱۰ء لکھنؤ)

میر مونسؔ

طبع رسا مصور نازک خیال ہے
دل نقش بند جلوۂ حسن و جمال ہے
بیشل ہے قلم تو ورق بےمثال ہے
رنگین نگاریاں ہیں کہ سحر حلال ہے
کہتی ہے طبع شکلِ رسولِ زماں کھنچے
خامہ یہ چاہتا ہے کہ تصویرِ جاں کھنچے
خیر الورا حبیبِ خدا شاہِ انبیاءؐ
جن کا نظیر کوئی ہوا ہے نہ ہوئے گا
جیسا کہ حسن ان کو خدا نے عطا کیا
یوسف کو بھی وہ حسن نہ اللہ نے دیا
یہ بات فہم و عقل رسا سے قریب ہے
افضل وہی ہے سب سے جو اس کا حبیب ہے

(مجموعہ مرثیہ میر مونسؔ، جلد اول، نولکشور لکھنؤ)

مرزا اوجؔ

درود پڑھ، کہ ہے پیش نگاہ منزل نعت
ہے بعد منزل حمد اللہ منزل نعت
بلند رتبہ فزوں پائگاہ منزل نعت
کہ منزلت کی ہے خود عزّوجاہ منزل نعت
یہ وہ جگہ ہے کہ جلتے ہیں پَر فرشتوں کے
ادب سے اُٹھ نہیں سکتے ہیں سر فرشتوں کے
کھلی ہے نقش کفِ پا سے راہ چارۂ عرش
ہے ان کے پاؤں کی نعلین گوشوارۂ عرش
لباس کہنہ کے پیوند ماہ پارۂ عرش
ہے ان کے جلوہ سے چمکا ہوا ستارۂ عرش

ہو کیوں نہ رتبۂ اعلا سے لوح فکر اوٹے
ہے ان کے قرب پہ قوسین کا بھی ذکر اوٹے

بفضلہٖ شبِ معراج یہ وہاں پہونچے | نہ عقل کُل کی بھی عقلِ رسا جہاں پہونچے
یہ کیا کہ عرش پہ طے کر کے آسماں پہونچے | حجاب قدس و جلالت کے درمیاں پہونچے

کلیم جانتے ہیں آپ حق سے دور نہیں
بہت بلند یہ منزل ہے کوہِ طور نہیں

جلال حق ہیں یہی رحمتِ خدا ہیں یہی | خطا کو ناز ہے وہ صاحبِ عطا ہیں یہی
جہاز لمتِ عاصی کے ناخدا ہیں یہی | خدا کی شان حدوثِ قدم نما ہیں یہی

یہی ہیں اصل مُراد خدا مریدِ خدا
یہی ہیں اولِ مقصودِ ماٗرید خدا

(معراج الکلام، مطبوعہ ۱۹۲۵ء لکھنؤ)

میر وحید

دستارِ سرِ عرشِ معلےٰ ہیں محمدؐ | سردفترِ دیں حاکم دنیا ہیں محمدؐ
بابِ کرم خالقِ یکتا ہیں محمدؐ | مُردے کیے زندہ وہ مسیحا ہیں محمد

دم مار سکے یاں کوئی کیا تاب و تواں ہے
ذی روح ہیں قائل کہ یہی جان جہاں ہے

درگاہِ الٰہی کا تقرّب ہے محمدؐ | محبوب ہے، پرشیفتۂ رب ہے محمدؐ
حقّا کہ محامد سے مرکّب ہے محمد | اسبابِ دو عالم کا مسبّب ہے محمدؐ

دنیا میں ظہور اُن کا جو مقصود نہ ہوتا
جز ذات خدا پھر کوئی موجود نہ ہوتا

ہے عرش بساطِ شب معراج محمدؐ | زیبا نہ کسی سر پہ ہوا تاج محمدؐ
ہیں رہبر دیں سالک منہاج محمدؐ | شاہان ذوی القدر ہیں محتاج محمدؐ

آفاق میں سردار نہ سرور ہوا ایسا
اللہ غنی کونِ تو نگر ہوا ایسا

ہر قلب حق آگاہ میں راسخ ہے محمدؐ
نور دل زہّاد و مشائخ ہے محمدؐ
ہر دیں ہوا منسوخ وہ ناسخ ہے محمدؐ
سابق سے بھی سابق کا مؤرخ ہے محمدؐ

وہ کون سا ہے راز جو مولا سے نہاں ہے
مستقبل و ماضی کا ہر اک حال عیاں ہے

مومن کے لیے شمع مسالک ہے محمدؐ
پیرو ہیں خضر جس کے وہ سالک ہے محمدؐ
سرتاج سلاطین ممالک ہے محمدؐ
ہر ملک ہے ملک اس کی وہ مالک ہے محمدؐ

ذی رُتبہ و ذی شوکت و ذی جاہ کہیں ہم
کس طرح نہ عالم کا شہنشاہ کہیں ہم

بسم اللہ دیباچۂ عالم ہیں محمدؐ
آدم سے قدامت میں مقدّم ہیں محمدؐ
والا حشم و امجد اکرم ہیں محمدؐ
خود عرش ہے شاہد کہ معظم ہیں محمدؐ

جو کچھ ہو وقار شہ لولاک بجا ہے
خالق کے سوا کون بزرگ ان سے سوا ہے

(مختار وحید' جلد دوم' مطبوعہ ۱۹۵۳ لکھنؤ)

شمیمؔ امروہوی

محمود خدا ہے تو محمدؐ مرے حضرت
وہ قلزمِ تجدید یہ آئینہ وحدت
وہ معنیٔ توحید یہ توحید کی صورت
وہ نور ہے یہ طور وہ رحمٰن یہ رحمت

وہ قابل تسبیح تو دانہ ہیں محمدؐ
اللہ جو یکتا تو یگانہ ہیں محمدؐ

گویا دہن پاک نہیں میم معیں ہے
اس میم سے محبوب خدا سب کا میں ہے
نقطہ کی بھی نسبت ہے دلِ زلر حزیں ہے
ہاں نام محمدؐ میں تو نقطہ بھی نہیں ہے

خالق نے کوئی آپ سے برتر نہیں رکھا
نقطہ کا بھی بار آپ کے سر پر نہیں رکھا

حسن حسن احسن تقویم محمدؐ
بالائے فلک قابل تعظیم محمدؐ
خود خالقِ اسلام کو تسلیم محمدؐ
محمود خدا احمدؐ بے میم محمدؐ

آخر عربستاں کی جو اقلیم میں آیا
معراج کا میم احمدؐ بے میم میں آیا

(قلمی مرثیہ)

شاد عظیم آبادی

اے اوّل ربیع اس آمد پہ میں نثار
اس کبریا کی دولت سرمد پہ میں نثار
الطاف و فیض و رحمت بیحد پہ میں نثار
دی نعمتِ بشت محمدؐ پہ میں نثار

دوزخ کا اب نہ خوف نہ دھڑکے عذاب کے
توحید خود بتائے گی رستے ثواب کے

لکھتا ہوں وصفِ زلفِ شہنشاہِ کائنات
خامہ جو مشک کا ہو تو نافہ کی ہو دوات
حقّا کہ اس کے آگے شب قدر بھی ہے مات
شاید کہ پھیل کر یہی معراج کی تھی رات

قدرت عیاں ہر اک گرہ بے بدل سے ہے
رشتہ اسی کے سایہ کو شامِ ازل سے ہے

سروِ جناں بھی ہے اسی قامت سے منفعل
قمری جو ہے خموش تو شمشاد پابہ گل
قامت سے ساقِ عرش بریں کیوں نہ ہو خجل
اعلا تو اس قدر ہے جو دیکھو تو معتدل

اس قد کے جاں نثار عبادت پسند ہیں
قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰۃ کے نعرے بلند ہیں

جاتے ہیں سوئے عرشِ بریں خاتمِ رسُل
لٹتے ہیں راستہ میں ستاروں کے آج گل
حاضر ہیں انبیاء سلف آستاں پہ کل
ہے قدسیوں میں صَلِّ عَلَی المُصطفیٰ کا غُل

مہتاب رُخ سوئے درِ دولت کئے ہوئے
استادہ کس ادب سے ہے مشعل لئے ہوئے

(قلمی مرثیہ)

دولھا صاحب عروج

جن کا یہ ذکر ہے وہ کون ہیں خالق کے ولی　　وہ محمدؐ ہیں رسولِ مدنی و عربی
سارے عالم سے سوا کیوں نہ ہو عزت اُن کی　　ذات جن کی سبب عالم ایجاد ہوئی

ان کی خاطر سے ہوئے حضرتِ آدمؑ پیدا
یہ نہ ہوتے تو نہ ہوتا کبھی عالم پیدا

ہیں یہ سب بندوں میں مقبولِ جنابِ باری　　ان کو اللہ نے کونین کی دی سرداری
ان کی خاطر ہوئی آباد یہ دنیا ساری　　ان کے باعث سے ہوا دین کا سکّہ جاری

دمبدم ان پہ ہوئی ربِّ عُلا کی رحمت
ان کے ہاتھوں سے ہوئی صرف خدا کی رحمت

ان کے قدموں سے ہوئیں دین کی راہیں شفاف　　رُعب سے ان کی ہوا کفر کے سینے میں شگاف
گھر کو اللہ کے احمدؐ نے بتوں سے کیا صاف　　ان کے باعث سے ہوا خلقِ خدا میں انصاف

حق کی جانب سے ملی ہے کسے عزت ایسی
ناز خود عدل کو ہے کی ہے عدالت ایسی

(عروجِ سخن، مطبوعہ الہٰ آباد)

طاہر صاحب رفیع

حق کو اس نور کا اظہار جو منظور ہوا　　منتقل صُلب میں آدم کے یہی نور ہوا
طبقِ ارض ہر اک غیرتِ صد طور ہوا　　دامن آمنہؓ اس نور سے معمور ہوا

فلک شوکت و اقبال کا تارا چمکا
دہر میں برج رسالت کا ستارا چمکا

حبّذا مرتبت و شان حبیب غفّار　　جن کے باعث سے ہوئی کشت ہدایت گلزار
تھا زبس دین کی تکمیل کا حق کو اظہار　　ہوئے مبعوث رسالت جو رسول مختارؐ

تکملہ احمد مرسلؐ سے ہدایت کا ہوا
خاتمہ ختم رسالتؐ پہ نبوت کا ہوا

حق کے محبوب ہوئے حق کی خلافت بھی ملی
بادشاہی بھی ملی اور وزارت بھی ملی
پاک طینت بھی ملی نیک طبیعت بھی ملی
کہ نبوت بھی ملی اور رسالت بھی ملی
طلعتِ حسن میں رشکِ مہ کنعاں بھی ہوئے
قبلۂ دیں بھی ہوئے کعبۂ ایماں بھی ہوئے

(کلام رفیع، مطبوعہ لکھنؤ)

خبیر لکھنوی

حق کا معشوق ہے یہ عاشق معبود ازل
بانیٔ دین خدا ناسخ ادیان و ملل
ہے یہی ختم رسل ہے یہی نور اول
اس کے دو نقش قدم علم ہے ایک ایک عمل
یہی مقبول قلم لوح کا ممدوح یہی
قالب عرش معلّٰی کے لیے روح یہی
چہرہ ہے آئینہ خلق جناب آدمؑ
صورت شیثؑ ہے عرفان کا دلیں عالم
رتبہ خلت کا ملا مثل خلیلؑ اکرم
نوحؑ کی طرح شجاعت میں کسی سے نہیں کم
صبر ایوبؑ ملا ہیبت موسیٰؑ پائی
مثل اسحاقؑ رضا حق کی سراپا پائی
بخدا حضرت صالحؑ کی فصاحت بھی ملی
اس کو یعقوبؑ پیمبر کی بشارت بھی ملی
حضرت لوطؑ کی حکمت بھی فراست بھی ملی
سب سے بڑھ کر سند بخشش امت بھی ملی
حسن یوسفؑ دم عیسیٰؑ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
ضو فشاں نور سے سب کوچہ و بازار ہوئے
روکش مہر درخشاں در و دیوار ہوئے
لکۂ ابر ہٹا منکشف اسرار ہوئے
نور قدرت کی طرح آپ نمودار ہوئے
نظر رحمت حق کل کے شہنشاہ پہ تھی
سبز ریشم کی ردا آمنہؑ کے ماہ پہ تھی

(معراج سخن، مطبوعہ ۱۹۴۷ء لکھنؤ)

فراست زید پوری

نور محمدیؐ سے منور بہشت ہے
بس نور کیا ہے آپ ہی کا گھر بہشت ہے
فیض نظر سے نور کا منظر بہشت ہے
خوشبوئے مصطفےٰؐ سے معطر بہشت ہے
سنبل کو سلسلہ ہے جو زلف رسولؐ سے
جنت میں پایا اوج شرف کے حصول سے
کوثر میں شور ہے کہ میں قربان مصطفےٰؐ
جو میرے پاس ہے یہ ہے سامان مصطفےٰؐ
سطحہ را مرقع دامان مصطفےٰؐ
ہر موج ہے شبیہہ گریبان مصطفےٰؐ
میرے حباب واصف نور الٰہ ہیں
موصوف کی صفائی دل پر گواہ ہیں

(ماہ تمام، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۳۷ء)

مہاراجہ محمد علی خاں محبؔ

نام اس نور کا لیتا ہوں پڑھیں سب صلوات
جس کی تعریف سے مملو ہیں زبور و تورات
ہوں مقرب پہ فرشتوں کو یہ حاصل نہیں بات
ان سے رتبہ میں فزوں تر ہے بس اللہ کی ذات
شافع روزِ جزا ان کے سوا اور بھی ہے
انبیاء میں کوئی محبوب خدا اور بھی ہے
بادشاہ دو جہاں احمد والا توقیر
ان کی تعریف میں آیا ہے بشیر و نذیر
خسروِ کون و مکاں سرور افلاک سریر
حاکم نار و جناں بادشہ ملک کبیر
ذکرِ اخلاص فرشتوں کو مدام ان کا ہے
وردِ سکان سماوات کو نام ان کا ہے
معدنِ جود و سخا بحر کرم ہیں احمدؐ
فخر اسکندر و داؤد حشم ہیں احمدؐ
رونق منبر و محراب حرم ہیں احمدؐ
حاکم ارض و سما شاہِ اُمم ہیں احمدؐ
آتش و آب و ہوا خاک نہ پیدا ہوتے
یہ نہ ہوتے تو نہ افلاک نہ پیدا ہوتے

(مراثی محبؔ، مطبوعہ لکھنو)

شدید لکھنوی

جس وقت مدینہ پہ ہوئی رحمت باری — مانند صبا آئی تمہ کی سواری
گل دیں کے کھلے آنے لگی فصل بہاری — بس لیلیٰ اسلام نے بھی زلف سنواری

یہ نور کی تصویر غضب بھا گئی سب کو
ہر ایک ادا اس کی پسند آ گئی سب کو

اب کفر کی شب ختم ہوئی دیں کی سحر ہے — ہر اک کی رخ احمد مرسلؐ پہ نظر ہے
یہ مہر رسالت ہے زمانہ کو خبر ہے — اسلام بھی اک شاخ ہے جس کی وہ شجر ہے

عالم ہوا پُر نور جو پھیلا اثر اس کا
ایماں جسے سب کہتے ہیں ہے اک ثمر اس کا

(ریاض شدید' حصہ سوم' مطبوعہ ۱۹۶۷ء لکھنؤ)

بہادر علی صفیؔ

عرش بریں مکان رسالتؐ مآب ہے — وحی خدا بیان رسالتؐ مآب ہے
حیراں ہیں سب وہ شان رسالتؐ مآب ہے — اللہ مدح خوان رسالتؐ مآب ہے

محبوب کردگار ہیں عالم کے فخر ہیں
عیسیٰؑ کے افتخار ہیں آدمؑ کے فخر ہیں

محبوب حق شفیع اُمم فخر کائنات — مختار خلق علت غائی ممکنات
ہے مجمع حدوث و قدم ذات خوش صفات — برزخ میان واجب و ممکن یہی ہے ذات

ہیں مظہر صفاتِ کمال خدا یہی
آئینہ جلال و جمال خدا یہی

(عرفان صفی' مطبوعہ دکن ۱۳۶۹ھ)

جوشؔ ملیح آبادی

نوعِ انساں کو دیا کس فلسفی نے یہ پیام مردِ غازی کا کفن ہے، خلعت عمرِ دوام
نصب کس نے کر دیے مقتل میں حوروں کے خیام جانتے ہو اس دبیر ذہن انسانی کا نام

جو انوکھی فکر تھا، جو اک نیا پیغام تھا
اس حکیم نکتہ پرور کا محمدؐ نام تھا

اے محمدؐ، اے سوارِ توسنِ وقت رواں اے محمدؐ، اے طبیب فطرت و نبّاضِ جاں
اے محمدؐ، اے فقیہ نفس و نقّاد جہاں موت کو تو نے وہ بخشی آب و تابِ جاوداں

زندگانی کے پجاری موت پر مرنے لگے
لوگ پیغام اجل کی آرزو کرنے لگے

زیست کا عکس شہادت سے نکھرتا ہے جمال موت کے گھونگھٹ میں ہے روئے جانِ لازوال
خون کے طاقوں میں ہے قندیل وجہ ذوالجلال ذہن انسانی کو بخشا صرف تو نے یہ خیال

اہرمن پر دہشت یزداں کو طاری کر دیا
ایک اک انسان کو لاکھوں پہ بھاری کر دیا

خلق کو، تو نے، تمنائے شہادت بخش دی اس تمنائے شہادت نے شجاعت بخش دی
پھر شجاعت نے بھبکنے کی حرارت بخش دی اس حرارت نے گداؤں کو حکومت بخش دی

اس قدر عجلت سے تو روئے زمیں پر چھا گیا
مدّعی چکرا گئے تاریخ کو غش آگیا

سب سے پہلے دہر کو تو نے ہی سمجھائی یہ بات طاق ایوانِ شہادت میں ہے قندیل حیات
سر فروشی ہے متاعِ زندگانی کی زکوٰۃ موجِ کوثر کی سخا کا پیک ہے، نخل فرات

عرش اتر آتا ہے فرشِ گرم گیر و دار پر
رقص کرتی ہے دوامی زندگی تلوار پر

آتش سوزاں کو تو نے آب زم زم کر دیا وحشیوں کو حامل تہذیب محکم کر دیا
خاک کو نسریں بنایا جام کو جم کر دیا سرخ شعلوں کو نچوڑا موجۂ یم کر دیا

کشتیاں چلوائیں طوفاں سے ترے فرمان نے
موت بوئی زندگی کاٹی ترے قرآن نے

موت کی ظلمت میں تو نے جگمگا دی زندگی
جوہر شمشیر عریاں میں دکھا دی زندگی

شمع کے مانند قبروں میں جلا دی زندگی
سرزمین مرگ میں تو نے اگا دی زندگی

جس ٹوٹا باغ جنّت کی ہوا آنے لگی
مقبروں سے دل دھڑکنے کی صدا آنے لگی

(جوش ملیح آبادی کے مرثیے مطبوعہ ۱۹۸۰ء کراچی)

مہذب لکھنوی

حق کی تائید تھی پیغمبرؐ اسلام کے ساتھ
آپ کی سعی بھی ہمراہ تھی احکام کے ساتھ

دشمنی آپ کی فطرت میں تھی اصنام کیساتھ
نسبت خاص تھی آغاز کو انجام کے ساتھ

خلق میں کوہ گرانبار کو ٹلتے دیکھا
آب کا رنگ طبیعت نہ بدلتے دیکھا

مدّتوں علم الٰہی میں رہے صورت راز
اول خلق ہوئے پر یہ ہے ان کا آغاز

نازوالے کو پسند آگیا ایسا تھا نیاز
سارے عالم میں اسی سے کیا ان کو ممتاز

جان رحمت سند وعدۂ فائی دے کے
کم سمجھتا رہا معبود خدائی دے کے

(مراثی مہذب مطبوعہ ۱۹۷۴ء لکھنو)

علامہ جمیل مظہری

وہ محمدؐ بشریت پہ ہے احساں جس کا
شکر کرتا ہے ادا عالم امکاں جس کا

دہر پر سایۂ رحمت ہوا داماں جس کا
مذہب عقل بنا مسلک عرفاں جس کا

عشق نے جس سے مقام عرفاں کو پایا
اس کے جھکتے ہوئے سجدوں نے خدا کو پایا

مرحبا سید مکی، مدنی العربی
کفر کی آگ ترے سوز محبت سے دبی

گل ہوا موج نفس سے شرر بولہبی
نہ رہا فرق مراتب نہ غرور نسبی

حبشی و عجمی و عربی ایک ہوئے
ایک اللہ کے رشتے سے سبھی ایک ہوئے

وہ سیاہی تھی کہ مستقبل انساں تھا سیاہ — گم تو ّہم کے اندھیرے میں زمانے کی نگاہ
کہ فروزاں ہوئی توحید کی مشعل ناگاہ — اور ترے نقش کف پانے بنا دی اک راہ

راہ وہ جس سے بشر عرشِ علا تک پہنچے
مادّیت بھی بتدریج خدا تک پہنچے

اس سے بہتر غم دُنیا کا نہ تھا کوئی علاج — معتدل کر دیا سرمایہ و محنت کا مزاج
تجھ سے تہذیب کا معیار اخوت کا رواج — تیرا مذہب بشریت کی ہے فطری معراج

نوعِ انساں کو تباہی سے بچایا تونے
دین و دنیا کو گلے آ کے ملایا تونے

(عرفان جمیل، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۹ء)

نسیم امروہوی

صبح ازل ہے خط گریبان مصطفیٰ — صحن الست گوشۂ دامانِ مصطفیٰ
عرش علا منارۂ ایوان مصطفیٰ — علم خدا چراغ شبستانِ مصطفیٰ

معراج منزلت کی حد نا تمام ہے
قوسین تو حضور کا ادنیٰ مقام ہے

کاف اور نون مطلع تابان منقبت — لولاک حسن مطلع دیوان منقبت
قالوابلیٰ قصیدۂ ذیشان منقبت — قرآں زبان حق سے غزل خوانِ منقبت

حیراں جو سن کے سورۂ کوثر عقول ہیں
تین آیتیں مثلثِ نعتِ رسولؐ ہیں

چشم بصیر شمع شبستان معرفت — لب و تبیین نسخۂ قرآن معرفت
دل نفس معرفت تو نفس جان معرفت — واجب شناس تاحدِا مکانِ معرفت

ذات و صفات غیب کے آئینہ دار ہیں
عرفانِ کردگار کے پروردگار ہیں

باغِ ازل میں باعث تحقیق جزو و کل — بزمِ عمل میں گلشن فکر و نظر کے گل
یہ مبتدائے خلق، یہی خاتم الرسلؐ — میں نام لوں ابھی تو ہو صلِّ علیٰ کا غل
کیا کیا کریں بیاں۔ شرف بے حساب ہیں
اللہ لا شریک ہے، یہ لاجواب ہیں

یہ ہیں نیاز مند، جو خالق ہے بے نیاز — یہ ہیں مآلِ کار اگر وہ ہے کار ساز
ان کو خدا پہ ناز تو ان پر خدا کو ناز — اللہ ہے حقیقتِ کبریٰ تو یہ مجاز
وہ علم ہے، یہ علم کے وارث قدیم سے
گویا ملا ہوا ہے یہ حادث قدیم سے

وہ کردگارِ عقل، یہ استادِ جبرئیل — وہ خالقِ جمال، یہ آئینہ جمیل
وہ عین خیر و عدل، یہ باخبر و بے عدیل — وہ نور یہ ظہور وہ دعویٰ تو یہ دلیل
انساں کے بھیس میں احدیت لیے ہوئے
احمدؐ، احد ہے میم مشیت لیے ہوئے

(صبحِ ازل، مطبوعہ ۱۹۸۱ء لاہور)

سید آلِ رضا

صلِّ علیٰ یہ کون رسولؐ جلیل ہے — محبوب جس کا یہ ہو وہ کتنا جمیل ہے
یہ فیض کا بہاؤ کہ رحمت سبیل ہے — کس درجہ مستجاب دعائے خلیلؑ ہے
کیا دل کشی ہے، ظاہر و مستور کی قسم
کیا حسن ہے برستے ہوئے نور کی قسم

سب خوبیاں اور اپنی جگہ لاجواب ہیں — لطف و کرم یہ ہے کہ کرم بے حساب ہیں
جس رُخ سے دیکھیے سند انتخاب ہیں — ہر بات کہہ رہی ہے رسالت مآبؐ ہیں
ظاہر ہوئے تہیہء قدرت کی شان سے
قائم ہیں امتیاز مشیت کی شان سے

خلق عظیم خوبی، خلقت کا آئینہ حسن عمل، خلوص ہدایت کا آئینہ
اسلام کا فروغ، کرامت کا آئینہ قرآں، دل و زباں کی صداقت کا آئینہ
ختم رسل کا مرتبہ مستقل ملا
قرآن جس پر ہوتا ہے نازل وہ دل ملا

اس دل میں ہم نشین کلام خدا بھی ہیں مسلک بھی اس میں سالک راہِ رضا بھی ہیں
اس دل کے ہم مزاج، دلی مدعا بھی ہیں یہ دل ہے جس کی جان، وہ اہل وفا بھی ہیں
اس نور کے حضور چمکتے ہیں مل کے ساتھ
ہے جاں فروزِ انجمن دل بھی دل کے ساتھ

(مراثی "رضا" مطبوعہ ۱۹۸۱ء کراچی)

صبا اکبر آبادی

وہ ذات جس کو کہتے ہیں سردارِ انبیاءؐ مقصود کن، محیط کرم، مخزن عطا
تخلیقِ اولیں، شہِ لولاک، مصطفےٰؐ شاہِ عرب، شہنشہ کونین و ماسوا
نورِ خدا سے خلق ہوا نور بن گیا
خود ناظر تجلی، مستور بن گیا

ذات محمدؐ عربی ہے وہ پاک ذات آئینہ جس کے واسطے تھی بزم شش جہات
اُس کو کھلی کتاب تھے اسرارِ کائنات وہ شاہد و شہود وہی ناظر حیات
روشن تھے اُس پہ حال عدم اور وجود کے
پردے اٹھے ہوئے تھے غیاب و شہود کے

عنوانِ آفرینش و سرنامۂ وجود اُس کی نظر کے سامنے اقلیم ہست و بود
آئینہ اس کے واسطے کونین کی نمود کیوں اس کے نام پر نہ زمانہ پڑھے درود
حسن نظر بھی اس میں صفات ضمیر بھی
وہ باصرہ نواز بھی تھا اور بصیر بھی

اُترا زمینِ مکہ پہ اس آن بان سے
صَلِّ علیٰ کی آئی صدا آسمان سے
گزرا مصیبتوں کے ہر اک امتحان سے
دیکھا مآلِ کار بصیرت کی شان سے
حسن و جمالِ ذاتِ احد دیکھتی ہوئی
آنکھیں ازل سے تابہ ابد دیکھتی ہوئی

(قرطاس الم 'مطبوعہ ۱۹۹۴ء' کراچی)

شفاء احمد ادیم

حق کے بندوں کیلئے ہے تو ہی خالق کی سبیل
ذات واجب کیلئے سب سے بڑی ایک دلیل
فلسفی سامنے آئیں تو چلے والی نہ قیل
دیکھ لیں تجھ کو تو خاموش ہو شمع تاویل
فلسفے نے تو قیاسوں کی جلائی ہے آگ
اس طرح خلق کے نفسوں میں لگائی ہے آگ

تو ہے خالق کی قسم عرش الٰہی کا مکیں
تو ہی لاریب ہے انگشتری حق کا نگیں
عرش سے فرش تلک سب ہے ترے زیرِ نگیں
ہے تو ہی باعث ایجاد سمٰوات وزمیں
آنکھ سے تیری اگر ایک اشارا ہو جائے
اک نیا عالم امکان دوبارا ہو جائے

اس کی تفسیر پہ لولاک لما شاہد ہے
عبد کامل ہے نبی ربّ علےٰ شاہد ہے
حسن اعمال پہ خالق کی رضا شاہد ہے
خلق مشہود وہ مشہود خدا شاہد ہے
ہاتھ اس کا نہیں وہ ہاتھ ہی اللہ کا ہے
اس سے جو کام لے وہ کام بھی اللہ کا ہے

(مدحِ اولیاء 'مطبوعہ ۱۹۸۰ء کراچی)

حافظ یوسف عزیز چشتی

بالیقیں نورِاحد' نورِ محمدؐ ٹھہرا
اور اِس نور نے اُس نور کی۔ کی حمد و ثنا
حمد اعلیٰ سے یہ اُرفع ہوا رتبہ اس کا
نام حامد تھا' وہ محمود ہوا' صَلِّ علیٰ

نام پر بھیجیں لب قدرت د اور نے درود
اپنے مظہر پہ پڑھیں خالق اکبر نے درود

پھر اسی نور سے پیدائش خلقت ٹھہری! قلم و عرش بنے، لوح بنی، کرسی بنی!
بن گئے ارض و سما اور جو کچھ ہے وہ سبھی قصّہ کوتاہ کہ خلقت ہوئی آدمؑ کی بھی

جسم خاکی شہِ لولاکؐ نے پُر نور کیا
اپنے مظہر کے لیے خاک کو منظور کیا

نفخ روح اب جسد حضرت آدمؑ میں ہوئی اور اس روح کو خالق نے کہا من روحی
مطمئنہّ تھا رکھا معنوی نفس اس کو بھی ارجعی حکم کیا اور رضا بھی بخشی!

سارے بندوں سے مکرم کیا عزت بخشی!
قرب میں اپنے رکھا رہنے کو جنت بخشی!

اللہ اللہ رے تقدیر بنانے والے خاک کی نور سے توقیر بڑھانے والے
فرشِ خاکی کو سر عرش چڑھانے والے عرشیوں کو بھی سر فرش جھکانے والے

جس قدر فخر کرے ناز کرے شایاں ہے
سجدے کرتے ہیں ملک جس کو یہ وہ انساں ہے

(قرآن ناطق مع لواء الحمد، مطبوعہ ۱۹۶۷ کراچی)

موجد سرسوی

رُخ سے نقاب اُٹھا کے جو وہ آسماں رکاب دنیا میں ضوفگن ہوا مانند آفتاب
از فرش تا بہ عرش سبھی اُٹھ گئے حجاب ظاہر تھا ذرّہ ذرّہ سے اک تازہ انقلاب

مابین شرق و غرب یہ عالم تھا نور کا
ہوتا تھا ہر شجر پہ گماں شمع طور کا

کعبہ میں کل بتان سماق ورمل گرے نظروں سے یکی لات و منات و ہبل گرے
سجدہ میں کفر و شرک کے دار العمل گرے کفّار اعتکاف میں سب منہ کے بل گرے

قابو میں تھے قدم نہ کسی بد صفات کے
سر کھا رہے تھے ٹھوکریں لات و منات کے

(دوسرا تبلیغی مرثیہ، مطبوعہ بمبئی ۱۹۴۴)

زیبا ردولوی

روز روشن میں عجب طرح کا اک نور تمام لور اس نور میں وہ صبح طلوعِ اسلام
شہر کا شہر بنے ولولۂ دید کا جام منتظر جلوۂ رحمت کے در و منظر و بام

غلغلہ چار طرف رحمت باری آئی
للّٰہ الحمد محمدؐ کی سواری آئی

وہ محمدؐ کہ جو ہے صاحب الطاف عمیم جس کی طینت میں سمویا ہوا ہے خلق عظیم
ابن عبداللہ ذی قدر کریم ابن کریم فطرتاً پاک ہے جس طرح کہ پھولوں کی شمیم

رجس کا نام نہیں خلق میں عالی ایسا
ہمہ تن نور ہے کردار مثالی ایسا

(گلہائے زیبا' مطبوعہ ۱۹۹۰ء کراچی)

باقر امانت خانی

جلوۂ نور الٰہی ہے کہ روئے روشن منظر شقّ قمر بن گئی ابرو کی شکن
گرتے ہیں خلق کے گل جن سے وہ ہیں کام دو بن جنبش نبض دو عالم ہے کہ دل کی دھڑکن

شان اللہ کی فرقان ہے دو حصوں میں
ہونٹ دونوں ہیں کہ قرآن ہے دو حصوں میں

خط کھنچے چشم کے قوسین کی سرحد اتری ذہن میں صورت آئینہ مقصد اتری
دل پہ جب شکل رخ میم مشدّد اتری فکر کے عرش پہ تصویر محمد اتری

یہ نبیوں کی تصاویر کی سرتاج ہوئی
حسن تصویر کو اس رنگ سے معراج ہوئی

(امانت سخن' مطبوعہ ۱۹۷۷ء دکن)

یاور اعظمی

کس کے لیے سجائی گئی بزم کائنات
نقطہ وہ کون سا ہے جو ہے مرکز حیات
آئی سمجھ میں دیکھ کے کس کو خدا کی ذات
کس ممکن الوجود میں واجب کے ہیں صفات

مشغول حمد و نازش محمود کون ہے
معراج بخش سجدۂ معبود کون ہے

پرتو یہ کس کے حسن کا ہے مہر و ماہ میں
کس کی ہے ضو نجوم فلک کی نگاہ میں
پھرتا ہے چرخ کس مہ کنعاں کی چاہ میں
کس کی تجلّیاں ہیں ہر اک جلوہ گاہ میں

یہ کون عکس ریز گلوں کے ورق میں ہے
سرخی یہ کس کے رخ کی نمایاں شفق میں ہے

کس نور کی کشش نے زمیں کو دیا ثبات
کس مہر کی تلاش میں لپٹی ہے دن سے رات
ملتی ہے کس کے نقش قدم سے رہ نجات
کس کی زباں ہے وحی کا لہجہ خدا کی بات

تقریر میں مزہ ہے خدا کے کلام کا
لب چومتا ہے۔ نطق رسولؐ انام کا

(مراثی یاور، مطبوعہ ۱۹۷۷ء کراچی)

منظور رائے پوری

سرمایۂ کنؐ حاصل خلقت ہیں محمدؐ
آغاز ازل حق کی شہادت میں محمدؐ
معراج صفات بشریت ہیں محمدؐ
آئینہ انوار مشیّت میں محمدؐ

مابعد خدائے ازلی نور نبیؐ ہے
توحید کا عنوان جلی نور نبیؐ ہے

ہر د مہ و انجم کی ضیا، نور محمدؐ
تابندگیٔ ارض و سما نور محمدؐ
تنویر سر عرش علا نور محمدؐ
تخلیق میں ہمراہ خدا نور محمدؐ

بالواسطہ اک حکم خدائے ازلی ہے
قرآں نے کہا امر جسے نور نبیؐ ہے

تحریر میں قسمت کی عبارت ہیں محمدؐ | تصویر میں نقّاش حقیقت ہیں محمدؐ
تقریر میں قرآں کی فصاحت ہیں محمدؐ | تنویر میں اک نور مشیت ہیں محمدؐ

عاشق ہے خدا جس پہ وہ اک انگی روش ہے
جو حق کی طرف کھینچ لے رخ میں وہ کشش ہے

(مراثی سجاد و منظور رائے پوری' مطبوعہ ۱۹۶۵ء کراچی)

رزمؔ ردولوی

یہ پیمبرؐ ہے کہ انسانی شرف کا دستگیر | یہ پیمبرؐ ہے جو زندہ کرتا ہے مُردہ ضمیر
یہ پیمبرؐ ہے رہ تکمیل کی شمع منیر | یہ پیمبرؐ ہے فلاح دین و دنیا کی بشیر

اس کی بے امداد یہ دنیا ابھر سکتی نہیں
کاکُلِ حسن خصائل خود سنور سکتی نہیں

یہ پیمبرؐ اور پھر محبوب رب' صلِّ علیٰ | یہ پیمبرؐ اور پھر ختمی لقب' صلِّ علیٰ
یہ پیمبرؐ اور پھر نور نسب' صلِّ علیٰ | یہ پیمبرؐ اور پھر رحمت حسب' صلِّ علیٰ

کھینچتی ہے دل کو تاثیر ہدایت آج تک
لے گیا انسانیت کو یہ حد معراج تک

اسوۂ حسنہ میں آسودہ ہے وہ نور حیات | جس کے اک پرتو سے روشن عالم ذات صفات
یہ جگا دیتا ہے غافل دل کی سوتی کائنات | دوش پر ہستی کے لہراتی ہے زلف حیات

یوں نکھر جاتا ہے سرتا سر جمال زندگی
روح میں انگڑائی لیتا ہے کمال زندگی

زندگی کا کون سا پہلو نہ تھا پیش نظر | نوعِ انسانی کی رفتار بقا پیش نظر
آدمیت کا مکمل سلسلا پیش نظر | ابتدا پیش نظر اور انتہا پیش نظر

اول و آخر کا روشن اس پہ ہر منظر بھی ہے
رحمت دنیا ہی کیا یہ شافع محشر بھی ہے

(فکر و فغاں' مطبوعہ ۱۹۸۹ء بمبئی)

ڈاکٹر یاور عباس

چمکا دیئے ظہور و تجلی نے بام و دور ہر راہ بند ہو گئی ارباب حرص پر
راہ فرار تھی نہ کوئی گوشۂ مفر اک سیل نور آ کے رکا آمنہؓ کے گھر
پھولوں سے گود بھر گئی دل شاد ہو گیا
کاشانۂ خلیلؑ پھر آباد ہو گیا
اولاد سے خلیلؑ کی اک مرد حق اٹھا جس نے کہا کہ ایک خدا ہے جہان کا
یہ تھا محمدؐ عربی فخر انبیاء عالم کو جس کی فکر نے بیدار کر دیا
حق دوستی کا درس دیا ایسی شان سے
دنیا کو پاک کر دیا وہم و گمان سے

(عبادت' مطبوعہ ۱۹۸۶ کراچی)

کرار جونپوری

چھا گئے جہل کے ہر سمت فضا میں بادل گھر میں اللہ کے آتے تھے نظر لات و ہبل
تھا براہیمؑ کی تعمیر پہ آذر کا عمل دفعتاً جوش میں آیا کرم عزّوجل
ہوا مقصود کہ باطل تہہ و بالا ہو جائے
تا ابد عالم امکاں میں اجالا ہو جائے
کثرت شرک میں وحدت کا شرارا چمکا ظلمت کفر میں اسلام کا تارا چمکا
غم کے ماحول میں خوشیوں کا سہارا چمکا طور کے بعد وہی نور دوبارا چمکا
طالب دید تجلی کا خزانہ دیکھے
لن ترانی کی نہیں قید' زمانہ دیکھے
فرش والوں کی طرف عرش نشیں آتا ہے باعث خلقت افلاک و زمیں آتا ہے
چرخ نولاک کا وہ مہر مبیں آتا ہے جس کے دیکھے سے مشیت پہ یقیں آتا ہے
دل غنی ہو گئے انساں نے وہ دولت پائی
آمنہؓ جس کی امیں تھیں وہ امانت پائی

(کرار کے مرثیے' مطبوعہ ۱۹۹۳ء کراچی)

بدرالہ آبادی

وہ اوجِ حمد وہ معراج احمدؐ عربی — وہ کردگار کے مطلوب شاہ مطلبی
وہ قرب ذات مجازاً وہ ذات پاک نبیؐ — جو اس کی شرح بیاں ہو تو کفر و بے ادبی

نہ حق کے پاس نہ حق سے انھیں جدا کہیے
خدا کے بعد محمدؐ کو ناخدا کہیے

خدا کی صنعت اول' یہ ہادیٔ آخر — ظہور جلوۂ قدرت بصورت ظاہر
بفیض وحی جنھیں علم غائب و حاضر — جوار کعبہ کے امیؐ' علوم کے ماہر

خدا نے نفس مشیت انھیں بنایا ہے
جبھی تو آیۂ ماینطق بھی آیا ہے

کسے نصیب ہے یہ احترام صلِّ علیٰ — خدا کی بات ہے ان کا کلام صلِّ علیٰ
خدا نما ہیں یہ کرسی مقام صلِّ علیٰ — نماز میں بھی ہے ان پر سلام صلِّ علیٰ

دم سلام یہ دل کا سرور بڑھتا ہے
کہ نام سن کے تشہد درود پڑھتا ہے

(بدر کامل' مطبوعہ کراچی)

مقبول حسن نیر

صلِّ علیٰ وہ سرور سلطان انبیاءؑ — حق کا جمال' یوسف کنعان انبیاءؑ
وجہ وجود' نورِ ازل' جان انبیاءؑ — دین خدا وسیلۂ ایمان انبیاءؑ

جس پر وہ سب چلے ہیں وہ مشرب انھی کا ہے
جو ایک دین حق ہے وہ مذہب انھی کا ہے

ان سے حسین بنا رخ زیبائے زندگی — سلجھی ہے ان سے کا کلِ سلمائے زندگی
موزوں ہے ان کے قد پہ سراپائے زندگی — ان کے سبب یہ سب ہے تماشائے زندگی

یہ سارے آسمان و زمیں ان کے دم سے ہیں
یہ آج ہم جو ہیں وہ انھی کے کرم سے ہیں

ہر ذرۂ حیات کے دل میں ہے ان کا گھر
ہر لحظہ ہر صحیح تفکّر میں جلوہ گر
وحدت کے کاروان تصور کے راہبر
آئینہ دار جلوۂ باری ہیں سر بہ سر
روحانیت کی بزم میں صاحب سریر ہیں
روشن ہے جس سے حق وہ سراج منیر ہیں
(افکار تیرؔ، مطبوعہ ۱۹۹۰ء کراچی)

نفیسؔ فتح پوری

بزم ہستی ہے بہ فیضان رسولِ عربی
عرش تا فرش ہے بستان رسولِ عربی
ذرّہ ذرّہ ہے ثناء خوان رسولِ عربی
بس کہ آساں نہیں عرفانِ رسولِ عربی
باغ عالم کی ہوئی نشوونما ان کے لیے
مختصر یہ کہ ہے لولاک لما ان کے لیے
عقلِ محدود میں کس طرح وہ بیحد آئے
حجبہ فکر میں کیا نور مجرد آئے
کس طرح فہم میں تخلیق کا مقصد آئے
اس کی تشریح کو دنیا میں محمدؐ آئے
ناشنیدہ یہ حقیقت کا فسانہ ہوتا
یہ نہ ہوتے تو نہ دنیا نہ زمانہ ہوتا
آستاں بوس در پاک محمدؐ ہے فلک
آپ کے نور کا جلوہ ہے سماتا بہ سمک
آپ کے در سے ہیں وابستہ جنّ و انس و ملک
حسن یوسفؑ تو ہے سرکارؐ کی صرف ایک جھلک
آپؐ کے سامنے اس طرح نبی سارے ہیں
جیسے خورشید کی نسبت سے یہ سیّارے ہیں
(افکار نفیسؔ، مطبوعہ ۱۹۷۷ء کراچی)

تابشؔ دھلوی

وہ ذات جس کے گھر سے ہے تقسیم نور کی
وہ جس کا جسم پاک ہے تجسیم نور کی
وہ جس نے نور ہو کے دی تعلیم نور کی
وہ جس کا نور کرتا ہے ترمیم نور کی

سارے حجاب اس کی تجلّی سے ہٹ گئے
نکلا جو آفتاب، اندھیرے سمٹ گئے

ایسا نبیؐ ضرورت عالم ہے جس کی ذات
ایسا رسولؐ علّت عالم ہے جس کی ذات
ایسا وصیلؐ وحدتِ عالم ہے جس کی ذات
ایسا رحیمؐ، رحمت عالم ہے جس کی ذات

ساری صفات جمع ہیں اُس ایک ذات میں
اس کا کوئی مثیل نہیں کائنات میں

تخلیق کائنات کا مقصد ہے جس کا نام
بعد از خدا مقدس و امجد ہے جس کا نام
ہیں جتنے نام اُن میں مجرد ہے جس کا نام
محمودؐ، حامدؐ اور محمدؐ ہے جس کا نام

اس کے لیے درود کی سوغات بھیجیے
اک اک نفس میں بھیجئے، دن رات بھیجیے

(تقدیس، مطبوعہ ۱۹۸۵ء کراچی)

شاھد نقوی

نکلا افق پہ حکم خدا سے وہ آفتاب
تھا جو ازل سے چشم مشیّت کا انتخاب
باطل کے ہر خروج کا ظلمت شکن جواب
ظاہر میں ایک سادہ ورق اصل میں کتاب

جس کو ازل میں احمدؐ و امجد کہا گیا
امکان کی حدوں میں محمدؐ کہا گیا

اک کہکشاں نظر میں بنائی رسولؐ نے
کرنوں سے بزم فکر سجائی رسولؐ نے
صحرا میں شمع نور جلائی رسولؐ نے
اللہ کی کتاب سنائی رسولؐ نے

تہذیب و تزکیہ کا عجب اہتمام تھا
آواز تھی نبیؐ کی، خدا کا کلام تھا

آیا کلام حق کا ترانہ لئے ہوئے
ہر لفظ جس کا ایک زمانہ لئے ہوئے
اجمال میں طویل فسانہ لئے ہوئے
عالم کے خشک و تر کا خزانہ لئے ہوئے

بے زر نے دامنوں کو جواہر سے بھر دیا
اُمّی نے جہل فکر کو ذی علم کر دیا

(والعصر، مطبوعہ ۱۹۸۶ء کراچی)

قیصر بارہوی

لفظ و معنی سے مبرّا ہے خدا کی تعریف
فکر محدود ہے ممکن نہیں حد توصیف
ذکر اللہ توانا ہے زبانیں ہیں ضعیف
ایسی منزل پہ طبیعت کا اشارہ ہے لطیف
حسن شہکار سے دل حق یقیں پاتا ہے
نور الحمد محمدؐ میں نظر آتا ہے

علم افلاک محمدؐ کو ہے تسلیم ہوا
قصر تخلیق کا ہر نقش نبیؐ نے دیکھا
لوحِ محفوظ پہ لکھا ہوا دل میں اُترا
یا بجز پردۂ وحدت کوئی پردہ نہ رہا
غیب و حاضر کے لیے راہنمائی دے دی
اپنے محبوب کو خالق نے خدائی دے دی

علم قرآں پہ محیط احمدؐ مختار کا دل
یعنی ایوانِ ازل میں وہ ابد کی منزل
اس حقیقت کا اگر کوئی نہیں ہے قائل
پھر تو قرآن کہاں اور کہاں مستقبل
جس کا دل وسعتِ قرآں کے لیے گھر ہوگا
عالم غیب کا اطلاق اسی پر ہوگا

(قیصر بارہوی کے منفرد مرثیے مطبوعہ ۱۹۹۰ء لاہور)

وحید الحسن ہاشمی

اخلاق کے بغیر نہ ایماں نہ آگہی
اخلاق پست ہو تو رعونت ہے زندگی
اخلاق کی کمی بشریت کی ہے کمی
اخلاق ہی کی موت سے مرتا ہے آدمی
مانی ہوئی یہ بات ہے عقل سلیم کی
بوجہل ضد ہے صاحبِؐ خلق عظیم کی

خلق عظیم شان رسولؐ فلک پناہ
خلق عظیم سید لولاکؐ کی نگاہ
خلق عظیم فکر پیمبرؐ کی شاہراہ
خلق عظیم شہر تمدن کا سربراہ
اس کے بغیر قلب کی دنیا میں شام ہے
خلق عظیم ذہن کے سورج کا نام ہے

(العطش مطبوعہ ۱۹۸۹ء لاہور)

آثر جلیلی

وہ شہِ ہر دوسرا فخرِ عرب شانِ عجم — شافعِ روزِ جزا' ہادیٔ کل شاہِ اُمم
بحرِ زخّارِ عطا ابرِ گہر بارِ کرم — جلوۂ نورِ ازل باعثِ تزئینِ حرم
اس سے مہر و مہ و انجم نے ضیا پائی ہے
اس کے ہی نور سے یہ انجمن آرائی ہے

وجہِ تخلیقِ بشر' باعثِ تکوینِ جہاں — نازِ لولاکَ لما' بادشہِ کون و مکاں
شرفِ لوح و قلم' شرحِ جمالِ قرآں — جس کے اوصاف کے اظہار سے قاصر ہے زباں
نام پر جس کے ملک صلِّ علیٰ کہتے ہیں
دونوں عالم جسے محبوبِ خدا کہتے ہیں

حبّذا صلِّ علیٰ شانِ رسولِ عربیؐ — مرحبا سایۂ دامانِ رسولِ عربیؐ
اے خوشا چشمۂ رسولِ عربیؐ — نوعِ انساں پہ ہے احسانِ رسولِ عربیؐ
حوصلہ بخش دیا غم کو پذیرائی کا
درد کو مل گیا انداز مسیحائی کا

(عکسِ کربلا' مطبوعہ ۱۹۸۸ء کراچی)

امید فاضلی

ملے جو حسرتِ دل کو لباسِ حرف و نوا — لکھوں وہ لفظ کہ خوشبو کا لمس پائے صبا
وہ نام لوں کہ محبت سے جھوم جائے فضا — کہوں میں صلِّ علیٰ اور درود بھیجے خدا
کروں وہ ذکر تو گرتے ہوئے سنبھلنے لگیں
سماعتوں کے اُفق پر چراغ جلنے لگیں

وہ مصطفیٰؐ وہ محمدؐ وہ روشنی وہ جمال — وہ آگہی کا تصور وہ زندگی کا خیال
مطلعِ فہم و بصیرت متاعِ علم و جمال — وہ آفتابِ رسالتؐ نہیں ہے جس کو زوال
جمالِ رحمتِ یزداں اسی کو کہتے ہیں
بشر کی شکل میں قرآن اسی کو کہتے ہیں

وہ افتخارِ مسیحا وہ نازشِ آدمؑ — اسی کے نام سے منسوب ہے ہر اک موسم
ہیں سجدہ گاہ مہ و مہر جس کے نقشِ قدم — بغیر سایہ مگر سائبانِ لطف و کرم

نفس نفس کے لیے زندگی ہے نام اس کا
ہر اک دور کی سچائی ہے پیام اس کا
وہ جس کے خواب پہ بیداریاں نچھاور ہوں سکوت وہ کہ صدائیں نثار جس پر ہوں
وہ جس کے رت جگے مسجود ماہ و اختر ہوں کلام ایسا کہ حرف بیاں منور ہوں
خرام ایسا کہ خوشبو درود پڑھنے لگے
تغیّرات کا خطبہ جمود پڑھنے لگے

(سر نینواء 'مطبوعہ ۱۹۸۲ء' کراچی)

سردار نقوی

مرحبا سید لولاکؐ' رسول الثقلین شمع تابندۂ آفاق' چراغ کونین
رشتۂ نور ہے جو عبد و خدا کے مابین جس کی عظمت کا قصیدہ ہے عروج کونین
راستے میں نہ کہیں باد بہاری ٹھہری
قاب قوسین کی سرحد پہ سواری ٹھہری
وہ مسیحاؑ ہوں کہ موسٰیؑ' وہ صفیؑ ہوں کہ خلیلؑ سب مماثل ہیں مگر کوئی نہیں اس کی مثیل
وہ وہاں پہنچا جہاں جا نہیں سکتے جبریل اس کی معراج ہے انسان کی عظمت کی دلیل
خاک افلاک جو تسخیر کئے جاتی ہے
رمز معراج کی تفسیر کئے جاتی ہے
جس نے خوابیدہ ساعت کو جگایا وہ رسولؐ دیکھنا جس نے نگاہوں کو سکھایا وہ رسولؐ
جس نے فطرت کو اجالوں سے سجایا وہ رسولؐ جس نے انسان کو انسان بنایا وہ رسولؐ
اس کی سیرت کا اگر کوئی ورق پڑھتا ہے
آدمی علم و عدالت کا سبق پڑھتا ہے
ہے وہ انسان مثالی کا مجسم معیار ایک تہذیبی مثالیہ ہے اس کا کردار
اس کا اسوہ ہے کہ منشور جہاد و ایثار رحمت و عدل کی میزان ہے اس کی تلوار
طاقت شر سے یہ تلوار جو ٹکرائی ہے
باغ ہستی میں عدالت کی بہار آئی ہے

(گریۂ فرات 'مطبوعہ ۱۹۹۵ء' کراچی)

شاداںؔ دہلوی

وہ سید لولاکؐ وہ پیغمبر اسلام — وہ نوع بشر کے لیے اللہ کا انعام
وہ جس کے اشارے پہ چلے گردشِ ایام — وہ دولتِ بیدار یقیں قاطعِ اوہام

جو فخر جہاں نازشِ آدم ہے وہ مولاؐ
جو باعث تخلیق دو عالم ہے وہ مولاؐ

کونین میں جو نکتۂ آغاز ہے کُن کا — وہ جس کے تصدق میں ہوئی خلق یہ دنیا
جو قلبِ مشیّت میں نہاں تھی وہ تمنا — جو مرکزِ تخلیق جو تکوین کا منشا

جو عظمت آدم کا مقدر ہے وہ مولاؐ
جو عکس جمال رُخ داور ہے وہ مولاؐ

جو ذہن مشیّت کی امانت وہ محمدؐ — جو جلوۂ آئینہ فطرت وہ محمدؐ
کونین میں جو آیۂ رحمت وہ محمدؐ — جو صاحب قرآن و شریعت وہ محمدؐ

دنیا میں جو اک عکس ہے توفیق خدا کا
شہکار ہے جو قوتِ تخلیق خدا کا

(معراج نگارش، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۱ء)

سحرؔ انصاری

اک سفر وہ تھا جسے کہتے ہیں ہجرت کا سفر — نرغۂ کفار میں تھے تنگ شاہِ بحر و بر
اس طرح اشرار نے باندھی شرارت پر کمر — وادیٔ یثرب کی جانب چل پڑے خیر البشرؐ

محو ہوں جن کی ثنا میں شش جہات ایسے نبیؐ
واسطے جن کے بنی کُل کائنات ایسے نبیؐ

جب کسی موجود کو معدوم ہونا چاہیے — جادۂ ہستی پہ کچھ مرقوم ہونا چاہیے
ہر سفر کا اک مفہوم ہونا چاہیے — اور انجام سفر معلوم ہونا چاہیے

اک سفر آدم کو جنت سے نکلواتا بھی ہے
اک سفر محبوب کو تا عرش بلواتا بھی ہے

(قلمی مرثیہ)

فضل فتح پوری

احمدؐ کے تصرف میں تھی کے کی زمام　　یا رحمتِ عالم کا تھا جاری انعام
وہ عفو کی بارش کہ تحیّر میں عوام　　بخشش کا سہارا تھا فقط ایک ہی نام

وہ نام محمدؐ تھا سنبھالا دل کا
وہ نام محمدؐ تھا اُجالا دل کا

فاتح تھا ولاور تھا محمدؐ سا نبی　　مظلوم کا یاور تھا محمدؐ سا نبی
احساس کا خاور تھا محمدؐ سا نبی　　احسان کا داور تھا محمدؐ سا نبی

احسان کے اس چاند کا ہالا تھا تمام
رحمت کا برستا ہوا جھالا تھا تمام

رحمت کے نئے ابر کا جھالا برسا　　ماتھے سے محبت کا اجالا برسا
دل کھول کے وہ حسن نرالا برسا　　مظلوموں پہ لے لے کے سنبھالا برسا

رحمت کی گھٹا بن کے محمدؐ آئے
ہر دُکھ کی دوا بن کے محمدؐ آئے

فرمایا محمدؐ نے اماں میں ہیں تمام　　ہر ظلم سے مامون ہیں حرہوں کے غلام
وہ ظلم ہوئے عفو جو تھے گام بہ گام　　اسلام ہے بس شفقت والفت کا پیام

یوں ہو گئے سب حلقہ بگوشِ اسلام
اس طرح بڑھا جوش و خروش اسلام

(عالم آشوب 'مطبوعہ اگست ۱۹۹۶ء' کراچی)

جمیل نقوی

تخلیق کائنات کا باعث ہیں مصطفےٰؐ　　ترتیب شش جہات کا باعث ہیں مصطفےٰؐ
تاثیر حسنِ ذات کا باعث ہیں مصطفےٰؐ　　انسان کی نجات کا باعث ہیں مصطفےٰؐ

اللہ کے رسول، بشیر و نذیر ہیں
انعام کردگار ہیں نعم النصیر ہیں

نورِ اللہ، آئینہ شانِ کبریا — شیریں مقال بلبلِ بستانِ کبریا
کرسی نشین صفۂ ایمانِ کبریا — اُمّی لقب، معلمِ عرفانِ کبریا

آیاتِ حق جو وردِ زباں بار بار ہے
گویا کتابِ معرفتِ کردگار ہے

آئے جو یہ تو دین کی تکمیل ہو گئی — روشن جہاں میں نور کی قندیل ہو گئی
ظلمت سوادِ چشم میں تحلیل ہو گئی — فصلِ خزاں بہار میں تبدیل ہو گئی

آئینہ خلیلؑ کے جوہر نکھر گئے
مٹتے ہوئے نقوشِ ہدایت سنور گئے

(رودادِ لہو رنگ، مطبوعہ ۱۹۸۳ء کراچی)

بہار حسین آبادی

آئے اسی تہذیب کے پھیلانے کو آدم — ایوبؑ و شعیبؑ و خضرؑ و نوحِ مکرم
داؤدؑ و سلیمانؑ و خلیلؑ و بن مریمؑ — تا ایں کہ وہ محبوبِ خدا خلقِ مجسم

کونین میں جن کا کوئی ہم پایہ نہیں ہے
وہ نور کی خلقت ہے جسے سایہ نہیں ہے

(ذہنِ رسا، مطبوعہ عظیم آباد پٹنہ ۱۹۹۶ء)

خلش پیر اصحابی

وہ کشورِ عرب کہ تھا اک عالمِ ضلال — دشتِ فساد شہرِ جنوں عرصۂ قتال
چاروں طرف تھے پھیلے ہوئے نیلگوں جبال — وہ دُھوپ تیز تیز وہ آندھی وہ ابتذال

فیضِ نبیؐ سے منزلِ اسلام بن گیا
محبوبِ اہلِ صدق و یقیں نام بن گیا

رونق فزائے کون و مکاں صدق کوش
انسانیت نواز حق آگاہ حق بدوش
فرمانروائے سلطنت فکر و عقل و ہوش
محبوب حق سراج رسالت گلیم پوش
چرچا ہے جس کے خلق مکمل کا جابجا
جو خضر راہ شوق ہے جو جانِ ارتقا

حلمِ نبیؐ ہے مہر و محبت کا آئینہ
حسنِ کلام حسنِ صداقت کا آئینہ
خُلق عظیم اوج شرافت کا آئینہ
عزم و عمل بلندیٔ ملت کا آئینہ
صدق خیال اوج ثریا لیے ہوئے
شان کرم تموج دریا لئے ہوئے

(مرثیۂ حسینؓ اور اسلام 'مطبوعہ 'مارچ ۱۹۷۱ء لاہور)

مہدی نظمی

دو رِ بعید تر سے زمانِ قریب تک
صبحِ ازل سے نورِ چراغِ صلیب تک
آدم سے شاہِ ارض و سما کے نقیب تک
ہابیل کے لہو سے ظہورِ حبیب تک
پیغمبرانِ حق نے سنواری تھی زندگی
ورنہ بشر کے دوش پہ بھاری تھی زندگی

ہر مشعلِ حیات میں ہے مصطفےؐ کی لَو
پھوٹی ہے اس کے نور سے صبحِ ازل کی پو
اس کی تجلیوں سے ہے شمس و قمر میں ضو
اُس کے قدم کو چھو کے چلی زندگی کی رو
تہذیبِ انبیاء کی وراثت لئے ہوئے
ہے آخری چراغِ ہدایت لئے ہوئے

(مظلومِ کربلا ۱۹۸۲ء دہلی)

ساحر لکھنوی

بعد عیسیٰؑ کے ہوئے اور بھی دنیا میں ولی
جن کی پیشانیوں سے علم کے جلوے تھے جلی
ایک ضو تھی جو کئی حسن کے سانچوں میں ڈھلی
پھر صحیفوں میں بھی آیا یہی نورِ ازلی

سب سے آخر میں یہ قرآنِ مبیں میں چمکا
ایک پیغمبرؐ اُمّی کی جبیں میں چمکا

جس کو استادِ ازل سے ہو تلمّذ' وہ بشر　　لوحِ محفوظ کے ہر نقطہ پہ رکھتا ہے نظر
اس کو اس طرح کا اُمّی نہ کہیں اہلِ خبر　　جس نے دنیا میں پڑھا کچھ نہ کتابیں رٹ کر

منتسبِ قدس سے جو عرش مقام آتا ہے
ایسے اُمیؐ پہ صحیفوں کا سلام آتا ہے

فطرتِ فکر' ترا شہپر پرواز ہے علم　　دینِ احمدؐ! ترا سرمایۂ صد ناز ہے علم
اے بشر! تیرے لیے باعثِ اعزاز ہے علم　　اے رسولِ عربیؐ! آپ کا اعجاز ہے علم

شکلِ قرآں میں جو آیا ہے وہ علم آپ کا ہے
خود جو خالق نے سکھایا ہے وہ علم آپ کا ہے

(آیاتِ درد' مطبوعہ ۱۹۹۳ء کراچی)

آغا سکندر مہدیؔ

موجِ دریائے فصاحت ہے زباں سے جاری　　قلزمِ فن ہے بلاغت کی مرصع کاری
فکر کے رنگ سے کرتا ہے قلم گلکاری　　جذبۂ عشقِ محمدؐ ہے فضا پر طاری

عرش سے فرش پہ قدسی کی صدا آتی ہے
عاقبت ذکرِ محمدؐ سے سنور جاتی ہے

جس گھڑی عرش سے محبوبِ الٰہی آئے　　زورِ باطل کا گھٹا حق کے علم لہرائے
تیرگی دور ہوئی' نور کے جلوے چھائے　　روشنی پھیل گئی' شمس و قمر شرمائے

فخر سے ارض کی گردن جو تنی جاتی ہے
اللہ اللہ کی گردوں سے صدا آتی ہے

دِل نے چاہا کہ کروں شانِ محمدؐ کو رقم　　فکر مجبول ہوئی گر پڑا ہاتھوں سے قلم
کون کر سکتا ہے توصیفِ شہنشاہِؐ امم　　قابَ قوسین کی منزل پہ گئے جس کے قدم

جس کو اللہ نے کونین کی شاہی دے دی
سنگریزوں نے نبوّت کی گواہی دے دی

وصفِ سرکارِ دو عالمؐ سے زباں قاصر ہے
مدح ممدوحِ الٰہی سے جہاں قاصر ہے

فکرِ پُرزور نہیں، فکرِ رواں قاصر ہے
کیا بیاں کوئی کرے زورِ بیاں قاصر ہے

فکرِ محدود کہاں، تذکرۂ نور کہاں
ذاتِ مختار کہاں، بندۂ مجبور کہاں

(ماہنامہ 'قیام' کراچی شمارہ جنوری ۱۹۷۸ء)

شہرت بلگرامی

اللہ کا غرور وہ سردارِ انبیاءؑ
توحید کی زبان، نبوّت کی انتہا

عیسٰیؑ کی روح موسیٰؑ کا دم بھر کبریا
فخرِ ذبیحؑ تاجِ تفاخر خلیلؑ کا

اوصافِ انبیاءؑ کے، ضیاء شمعِ طور کی
ادنیٰ سی چھوٹ سب ہیں محمدؐ کے نور کی

قرآن اور آل کی بھی مدد ہی تو ہے
احمدؐ ہے مصطفیٰؐ ہے محمدؐ وہی تو ہے

راشد، رشید، شاہد و ارشد وہی تو ہے
ساجد، مجید، ماجد و امجد وہی تو ہے

ناصر، معین، محسن و سالک ہے مصطفیٰؐ
رحمت سے عالمین کا مالک ہے مصطفیٰؐ

(گرہ کشا' مطبوعہ ۱۹۸۷ء کراچی)

نصیر الدین نصیر گیلانی

مہبطِ رُوحُ الامین و حاملِ اُمُّ الکتاب
جانِ ایمان بلاغت جس کا اندازِ خطاب

جس کی آمد سے وجودِ زیست پر آیا شباب
جس کی بعثت نے اُٹھا دیئے معنیٰ سے نقاب

واسطہ جس کا شفاعت کا مری سامان ہے
جس کی اُلفت میرا مذہب ہے، مرا ایمان ہے

افتخارِ انبیاءؑ و آبروئے مرسلین
رونقِ ارض و سما، زینتِ دو دنیا و دیں

مصدرِ خُلقِ عظیم و مطلعِ عزم و یقین
خسروِ ملکِ بقا، مخدومِ جبریلِؑ امین

خلق ایسا، خون کے پیاسے بھی دم بھرنے لگے
گفتگو ایسی، کہ دشمن دوستی کرنے لگے

جس نے مظلوموں کو اُن کا حق دلایا وہ رسولؐ
جس نے محروموں کو سینے سے لگایا وہ رسولؐ

جس نے زانوں پر یتیموں کو بٹھایا وہ رسولؐ
دشمنوں کے جور پر جو مسکرایا وہ رسولؐ

پیر زن کی آہ جس کی روح کو تڑپا گئی
جس کی رحمت کی گھٹا سارے جہاں پر چھا گئی

(فیضِ نسبت، مطبوعہ ۱۹۸۹ء، اسلام آباد)

سید شاہد نقوی

ظلمت کدے میں دہر کے روشن ہوئے چراغ
منزل کا مل گیا ترے انوار سے سُراغ

ساقی نے میکشوں کے لیے بھر دیے ایاغ!!!
تشنہ لبی سے پا گئی خلقِ خدا فراغ

گلر نگئی حیات کا ماتھا چمک اُٹھا!!!
بعثت ہوئی حضور کی عالم مہک اُٹھا

وہ فجرِ نو کا باب کھلا وہ ضیا ہوئی
دین و دماغ و دانش و دل کی جلا ہوئی

پاکیزگی، زیست کی قسمت رسا ہوئی
حق کے لیے جہاد و عمل کی بنا ہوئی

بیمار زندگی کو مسیحا ہوا نصیب
روحانیت کو رہبر عیسا ہوا نصیب

(آفتابِ عصر، مطبوعہ ۱۹۶۴ء لاہور)

اقبال کاظمی

صلّ علیٰ کہ خلقت اوّل ہیں مصطفےٰ
کل انبیاء سے رتبے میں افضل ہیں مصطفےٰ

قندیل فرش عرش کی مشعل ہیں مصطفےٰ
صبح ازل کا حسن مکمل ہیں مصطفےٰ

نعلین ان کی اور سر عرش دیکھیے
جلوے انھیں کے عرش سے تا فرش دیکھیے

خلقت ہے ان کی باعث تخلیق کائنات ‏ پھیلی ہیں عرش و فرش پہ ان کی تجلّیات
ہے ان کے دم قدم سے ہی یہ رونق حیات ‏ موقوف بس انھیں کی شفاعت پہ ہے نجات

ہم کیا لکھیں گے مدح پیمبر کے باب میں
مرقوم ہیں صفات خدا کی کتاب میں

بعثت سے قبل کی نہ ہدایت جو برملا ‏ خاموش تھے بحکم خدا ختم انبیاءؐ
یہ وقفہ طویل تھا چالیس سال کا ‏ جو مصطفےٰؐ کے واسطے اک امتحان تھا

اس امتحاں سے جو ہر ذاتی جو کھل گئے
میزانِ اعتبار پہ نظروں میں تُل گئے

(قلمی مرثیہ)

وقیم ابن نسیم

نعتِ نبیؐ کے واسطے عرفاں بھی چاہیے ‏ عرفاں بھی اور تمسکِ قرآں بھی چاہیے
قرآں کو جو سمجھ لے وہ انساں بھی چاہیے ‏ قطرہ ہوں، موجِ جذبۂ ایماں بھی چاہیے

اپنے لیے اُبھار کے ہر دل میں رشک کو
بھر دوں فراتِ فن سے سماعت کی مشک کو

سُن کر نبیؐ کے وصف سماعت کے لب کھلے ‏ صلِّ علیٰ کے ساتھ عقیدت کے لب کھلے
کیا خوش نصیب ہوں کہ صداقت کے لب کھلے ‏ میرے لبوں کے ساتھ مشیّت کے لب کھلے

کتنا عظیم میرا یہ اعزاز ہو گیا
نعت نبیؐ سے حق کا ہم آواز ہو گیا

نعت رسولؐ دل ہے فروزاں کیے ہوئے ‏ انسانیت کی شان نمایاں کیے ہوئے
جرأت کا ذکر، خون کو جولاں کیے ہوئے ‏ ذہنوں کو، ایک ذہن ہے تاباں کیے ہوئے

نفس و ضمیر و حسِ بھی صداقت بدوش ہیں
صدقہ رسولؐ کا ہے کہ ہم اہلِ ہوش ہیں

(قلمی مرثیہ)

کوثر نقوی

ہاں، مصطفیٰؐ عزیز ہے ربِّ جلیل کو
خود اس نے پیش کر دیا اپنی دلیل کو
تنبیہ تھی، یہ ممکن عقلِ قلیل کو
قوسین تک میں لایا نہیں جبرئیل کو
تم کیا ہو! یہ بھی ہمسر خیرالبشر نہیں
سب کچھ سہی، رسول سایہ بھی مگر نہیں

معراج میں یہ حضرتِ موسیٰؑ نے دی صدا
میں یہ مقام قُربِ تکلّم نہ پا سکا
مجھ سے وہاں دَنیٰ فَتَدَلّیٰ نہیں کہا
ہوں تو کلیم پَر مجھے فاخلعْ کا حکم تھا
یہ قدر و منزلت مری پیشِ خدا نہ تھی
میں طور پر کھڑا تھا تو نعلین پا نہ تھی

معراج میں وہ عبد گیا ہے بحکمِ رب
اہلِ نظر سے میں یہ کہوں گا بصد ادب
جنبش مکاں کی وقت کی خلقت کا ہے سبب
ایسے میں گر نہ وقت ہو ساکن تو ہے عجب
سنیے، کہ وقت ٹھہرا ہوا کیوں جہاں میں ہے
جو ہے مکاں کی روح، وہ اب لامکاں میں ہے

(قلمی مرثیہ)

سرفراز ابد

پڑھکر درود ذکرِ محمدؐ بیاں کریں
مدحِ حضورِ سرورِ کون و مکاں کریں
روشن چراغِ الفتِ شاہِ زماں کریں
آذرموز خلقت عالم عیاں کریں
صلِّ علیٰ کا شور ہو سارے جہان میں
جنّ و ملک کھنچیں وہ کشش ہو بیان میں

پیغام حق جہاں میں سنانے کو آئے ہیں
بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھانے کو آئے ہیں
ہر فتنہ و فساد مٹانے کو آئے ہیں
سویا ہوا شعور جگانے کو آئے ہیں

احسان کرنے آئے ہیں یہ کائنات پر
خالق درود پڑھتا ہے خود ان کی ذات پر
دنیا میں لیکے آئے ہیں یہ پہلا انقلاب — الحاد و فکر کھاتے رہے لاکھ پیچ و تاب
تیزی سے پھیلتی گئی یہ فکر کامیاب — الٹی شعور و علم نے اس شان سے نقاب
دیکھا جو حسنِ علم عرب گنگ ہو گئے
اپنی جہالتوں کے اندھیروں میں کھو گئے

(قلمی مرثیہ)

اسیر فیض آبادی

ہر پیمبرؑ سے ملی ہے جس کے آنے کی خبر — سب صحیفے سب کتابیں ہیں گواہِ معتبر
ہے نمودِ بزم اِمکاں اس کی نظروں کا سفر — اس کا پردہ شب کی ظلمت اس کا جلوہ ہے سحر
وجہِ تخلیق دو عالم ہے شہِ لولاک ہے
مصطفٰےؐ ہے وہ محمدؐ اس کا اسم پاک ہے
عظمتیں اس کی کسی سے ہو نہیں سکتیں بیاں — اس کے قدموں کا تصدّق ہیں زمین و آسماں
اس کا عرفاں سطح بینوں سے مگر ممکن کہاں — ہم ہیں محتاجِ بنا اور وہ بِنائے کُن فکاں
ہم تو ترتیبِ عناصر کے سبب پیدا ہوئے
خود عناصر ہی نہ تھے سرکار جب پیدا ہوئے

(خالی کوزے' مطبوعہ ۱۹۹۱ء کراچی)

ناشر نقوی

رسولؐ جادہ' ایماں' رسولؐ عزمِ جواں — رسولؐ خسرو دنیا' رسولؐ شاہِ زماں
رسولؐ دینِ مجسم' متاعِ کون و مکاں — رسولؐ رحلِ الٰہی و مصحفِ یزداں
اذان بجتی ہے ہر روز پانچ بار گواہ
زباں رسولؐ کی ہے لا اِلٰہَ اِلّا اللہ

رسول شوکتِ انسانیت ہے جس کا جمال
رسول نور کی ظلمت میں روشنیٔ ہلال
رسول سلسلۂ صبر، نورِ استقلال
رسول جس کا تصور ہے ایک امرِ محال

دہکتے شعلوں کے اندر بھی پھول ہوتا ہے
رسولؐ بعدِ اجل بھی رسول ہوتا ہے

(لالہ رازِ صبح، مطبوعہ ۱۹۸۷ء دہلی)

مسرور شکوہ آبادی

قرآن کا طریق ہدایت تو دیکھئے!
موصوف کو صفت میں چھپا کے ڈھونڈیے
حم کتاب حق کو بہر حال مانیے
پیغام اس کا آخری پیغام جانیے

مکنون ہے یہ قلب رسالتمآبؐ میں
نورِ مبیں ہے جیسے نہاں آفتاب میں

قرآن کو عطا کیا لہجہ رسولؐ کا
خالق نے عام کر دیا جلوہ رسولؐ کا
اسلام کو بنا دیا اسوہ رسولؐ کا
انسانیت نے پڑھ لیا کلمہ رسولؐ کا

حجت ہر ایک نفس پہ اپنی تمام کی
رحمت نبیؐ کے پاک وسیلے سے عام کی

ہم سب کو ان کے دامنِ رحمت میں دیدیا
انسانیت کو خُلق رسالت میں دیدیا
بے نور زندگی کو ہدایت میں دیدیا
اپنی رضا کو دستِ شفاعت میں دیدیا

واجب درود کر کے بتایا مقام کو
ثابت کیا جہان میں ان کے قیام کو

(متاعِ شعور مطبوعہ ۱۹۹۵ء کراچی)

نازاکبر آبادی

غارِ حرا سے حضرتِ عمراں کے شعب تک
پھیلی ہوئی تھی باغِ براہیم کی مہک
یثرب تلک پہنچ گئی انوار کی چمک
پیشانی مدینہ کی اللہ ری دمک

اس پر نظر ٹھہرتی نہ تھی مہر وماہ کی
وہ روشنی تھی سبطِ رسالت پناہ کی
(خراتِ درد، مطبوعہ ۱۹۹۵ء کراچی)

تصویرِ فاطمہ

پیغمبری کا آخری زینہ ہیں مصطفٰےؐ
سر تا قدم عمل کا مدینہ ہیں مصطفٰےؐ
اب بے عمل فضا میں نہ بھٹکے گا آدمی
جس میں نجات ہے وہ سفینہ ہیں مصطفٰےؐ
دولت عطا کریں گے یہ سب کو یقین کی
رحمت بنے ہوئے ہیں یہی عالمین کی!
آئے رسولؐ آیا تمدن شباب پر
سازِ حیات بجتے ہیں دِل کے رباب پر
انسان کی نگاہ کی رفعت نہ پوچھیے
ڈالے ہوئے ہے اب یہ کمند آفتاب پر
منزل کی سمت لے کے جو خود راستہ چلا
تسخیر کائنات کا اک سلسلہ چلا
ہیں شہرِ علم حاصلِ دوراں ہیں مصطفٰےؐ
انسانیت کے درد کا درماں ہیں مصطفٰےؐ
قول و عمل میں ان کے ہیں ایماں کی آیتیں
بزمِ جہاں میں بولتا قرآں ہیں مصطفٰےؐ
ان کے بغیر کچھ نہ ملے گا جہان میں
رونق انہی کے دم سے ہے کون و مکان میں
(بصیرت، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۹ء)

شیدا احسن زیدی

حضرتِ ہاشم و عبداللہ کہ ہوں عبدِ مناف
مطلب کے ہوں وہ یا غالبِ دیں کے اوصاف
سب کے سب ہیں یہ اسی نورِ خدا کے اسلاف
حکمِ معبود سے ہو سکتا ہے کب کوئی خلاف
جس کے باعث سے بنے قبلہ نما ابراہیمؑ
معتبر اس پہ ہی ہوتے تھے سدا ابراہیمؑ

پیدا مکہ میں ہوا نورِ خداوندِ علیم — جس کے رُتبہ کو کیا دونوں جہاں نے تسلیم
نام ہے جس کا محمدؐ وہ شعورِ تقدیم — بن کے آیا شرفِ رحمتِ رحمان و رحیم
عرشِ معبود نے اس نام سے عظمت پائی
بخدا آپ سے کونین نے حشمت پائی

(احسنِ تقویم، مطبوعہ ۱۹۸۹ء ملتان)

ہلالؔ نقوی

اور مصطفیٰؐ کے ہاتھ فضا پر محیط ہیں — خاک و خلاء و آب ہوا پر محیط ہیں
ان کے حصار میں ہیں زمانے کی گردشیں — یہ کائناتِ ارض و سما پر محیط ہیں
فرشِ عظیم و عرشِ معظم لئے ہوئے
یہ دونوں ہاتھ وزنِ دو عالم لیے ہوئے

ان سے کرے جو تلخ کلامی، ابولہب — قہر خدا سے ٹوٹ پڑے آتشِ غضب
اور اُس کے ساتھ زوجہ کینہ خصال بھی — اک دن جلے گی آگ میں "حمالۃ الحطب"
یہ دشمنی اُنھیں سببِ کرب بن گئی
"تبت یدا ابی لھب" اک ضرب بن گئی

یہ مصطفیٰؐ کا ہاتھ کرامت بکف سحر — شقِ قمر سے رجعتِ خورشید تک اثر
اس ہاتھ میں ہے نکتہ امرِ خدا نہاں — جسکو سمجھ سکے نہ کم ادراک و کج نظر
صلح حدیبیہ میں یہ نکتہ مگر کھلا
راہیں کھلیں کہ آیۂ قرآن کا در کھلا

"وہ لوگ جن کے دل میں نفاق ابتدا سے ہے — پیمان اُن کا دستِ رسولِ ہدیٰ سے ہے
آوازِ رب یہ سورۂ والفتح سے اُٹھی — تم سے نہیں رسولؐ یہ بیعت خدا سے ہے
یہ اہتمام قول و قسم میرے ساتھ ہے
اب یہ تمہارا ہاتھ نہیں میرا ہاتھ ہے

(اذانِ مقتل، مطبوعہ ۱۹۹۴ء کراچی)

مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی ممانعت

رشید وارثی

ماہتاب رسالت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہونے سے پہلے سرزمین عرب کے اس خطے کو یثرب کہا جاتا تھا۔ علمائے تاریخ نے یثرب کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد جب روئے زمین کے مختلف مقامات میں جاکر آباد ہوئی تو ان میں سے ارم بن سام بن نوحؑ کی اولاد میں سے یثرب نامی شخص یہاں آکر آباد ہوا تھا۔ چنانچہ یہ وادی اسی کے نام سے مشہور ہوئی۔ یثرب کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک اور روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وزود مسعود تک سخت موسم کی وجہ سے اس سرزمین کی آب وہوا عام مزاجوں کے موافق نہ تھی۔ یہاں تک کہ وہاں کا پانی پی کر اونٹ تک بیمار ہو جاتے تھے۔ اسی لیے زمانۂ جاہلیت میں اہل مکہ یثرب والوں کو بخار کی ابتلا کا طعنہ دیا کرتے تھے۔ یہاں کے بیشتر کنوؤں کے پانی میں بیش وکم شوریدگی یا تلخی تھی۔ جس کی وجہ سے باہر سے آنے والے اکثر لوگ شدید بخار میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ اس لیے اسے یثرب یعنی مواخذہ کی جگہ کہا جانے لگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ "جب ہم مدینہ منورہ میں آئے تھے تو اس زمانے میں مدینہ بخار زدہ مقام تھا۔ جس کی وجہ سے دیگر صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی بیمار ہو گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے صحابہؓ کی بیماری ملاحظہ فرمائی تو (بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے ہوئے) فرمایا الٰہی! جس طرح تو نے ہمیں مکّے کی محبت عطا کی تھی اسی طرح مدینے کی محبت بھی ہم کو عنایت فرما دے۔ یا اس سے بھی زیادہ ہمیں اس کی محبت مرحمت فرما دے۔ اور یہاں کی (آب وہوا کی) حالت درست فرما دے۔ ہمارے (پیمانوں) صاع اور مدّ میں برکت عطا فرما دے۔ مدینے کے بخار کو (مقام) جحفہ کی طرف منتقل کر دے۔ (مسلم شریف جلد اول) اسی طرح آپؐ نے مدینہ منورہ کے کنوؤں سے (مختلف اوقات میں) ایک ایک ڈول پانی طلب فرما کر وضو کیا اور باقی بچا ہوا پانی لعاب دہن مبارک کے ساتھ کنوؤں میں ڈال دیا۔ جس کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مدینہ طیبہ سے نہ صرف بیماریاں دور کر دیں بلکہ اس خطۂ قدس کی مبارک خاک کو تاثیر شفا عطا فرما دی۔ آپ کا فرمان مبارک ہے کہ خاک مدینہ ہر مرض کے لیے شفاء ہے۔ یہاں تک کہ جذام اور برص کے لیے بھی۔ صحابہ کرام میں اگر کوئی شخص اپنے چہرے یا سر کو ارض مدینہ کی گرد و غبار سے چھپاتا تو آپ اس کو اس

بات سے منع فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے تھے کہ مدینہ طیبہ کی خاک میں شفا ہے۔ (جذب القلوب)

یثرب تری آمد سے ہوا طیبہ و طابہ
کیا خاکِ قدم گاہ میں تاثیر شفا ہے

(لامشی)

مدینہ منورہ کے فضائل:۔

دیارِ سرور خیر الانام (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے فضائل ومناقب احادیث وآثار میں بکثرت بیان ہوئے ہیں۔ یہاں ان کا مختصر سا بیان مقصود ہے تاکہ شہر نبیؐ کے تقدّس کی ایک جھلک سے ہمارے قارئین کرام کے قلوب کو فرحتِ ایمان حاصل ہو کر اس مقالے کی تفہیم کی راہیں کشادہ وہموار ہوں۔ منجملہ دیگر احادیث وآثار کے علامہ سمہودی اپنی تالیف منیف وفاالوفا میں حدیث نقل کرتے ہیں کہ جب آقائے موجودات کو مکہ معظمہ سے ہجرت کا حکم ہوا تو آپ نے بارگاہ کبریائی میں دعا فرمائی "اے اللہ! تو مجھے اس شہر سے باہر لاتا ہے جو میری نزدیک تمام مقامات میں محبوب ترین ہے تو پھر مجھے ایسے شہر مین سکونت عطا فرما جو تیرے نزدیک تمام مقامات سے بہتر ہو۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ہجرت فرمائی۔ مکہ معظمہ چوں کہ آپؐ کا آبائی وطن اور آپ کی جائے ولادت بھی تھا' یہیں آپ نے بچپن سے لے کر جوانی اور پھر عمر مبارک کے 53 برسوں تک حیات طیبہ کے صبح وشام گزارے تھے۔ لہٰذا فطری طور پر آپ کو مکہ معظمہ سے زیادہ انسیت اور لگاؤ تھا۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قیام کے بعد دعا فرمائی "الٰہی! مدینہ منورہ کو ہمارے لیے اتنا ہی محبوب کردے جتنا کہ مکہ مکرمہ کو محبوب کیا تھا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب تر بنا دے (بخاری شریف)۔ آپؐ یہ بھی دعا فرماتے "الٰہی! ابراہیم (علیہ السلام) تیرے بندے تھے' خلیل تھے اور تیرے نبی تھے۔ میں بھی تیرا بندہ اور نبی ہوں انہوں نے مکہ کے لیے (برکت کی) دعا کی تھی۔ تو جتنی انہوں نے مکہ (مکرمہ) کے لیے دعا کی تھی' اتنی اور اس کے برابر اور بھی (یعنی دگنی) میں تجھ سے مدینے (میں برکت) کے لیے دعا کرتا ہوں۔" (مسلم شریف۔ جلد اول)

صحیح مسلم ہی میں حضرت عبداللہ بن زید مازنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مالک کوثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے منبر اور مکان کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔" یہ فرمان مبارک آج بھی مسجد نبویؐ کے اس مبارک حصے کی قبلہ رخ دیوار پر لکھا ہوا ہے جسے ریاض الجنۃ کہا جاتا ہے۔

مدینہ منورہ کی یہ وہ فضیلت ہے جو کائنات کے کسی اور مقام کو حاصل نہیں۔

ان نصوص کی بنیاد پر امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام کائنات میں افضل ترین مقامات اور عظمت والے شہر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ہیں۔ اب ان دونوں مقدس شہروں میں کس کو فضیلت دی جائے، تو اس بارے میں علمائے امت حیران ہیں۔ البتہ اس بات پر علمائے سلف اور متاخرین متفق ہیں کہ زمین کا وہ متبرک حصہ جو حضور نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر کے لمس کی سعادت سے بہرہ ور ہے، وہ نہ صرف مکہ مکرمہ بلکہ بیت اللہ شریف سے بھی افضل ہے، اور ساتویں آسمان تو کجا عرش اعظم سے بھی اس کی شان و عظمت ارفع اور اعلیٰ اور بلند ترین ہے۔ اس موضوع پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اور دیگر محدثین کے علاوہ علامہ محمد یوسف بنوری علیہ الرحمۃ نے اپنی تالیف معارف السنن (جلد ۳) میں بڑی تفصیلی اور لطیف بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبر اطہر ساتوں آسمانوں، عرش مجید اور کعبۃ اللہ سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں (تاریخ مدینہ۔ عبدالمعبود صدیقی) راقم الحروف نے معارف السنن میں ان تفصیلی مباحث کا خود بھی مطالعہ کیا ہے۔ ان کی تمام اسناد معتبر ہیں۔

اکابرین امت نے قبر اطہر کے اس شرف و تقدس کی یہ روشن دلیل بیان کی ہے کہ بیت اللہ کا تشرّف اور عرش الٰہی کو عظمت نسبت تشریفی کے باعث ہے جبکہ وہ مکین لامکاں کے مکین ہونے کی سعادت سے بہرہ مند نہیں۔ اور عرش عظیم بھی نسبت خداوندی کے بموجب مکرم و معظم ہے حالانکہ اللہ جل شانہ کسی خاص سمت یا مکان میں ٹھہرنے سے ماورئی ہے۔ اور ہمہ وقت ہر جگہ موجود ہے۔ اس کا کوئی مقام یا ٹھکانہ نہیں ہے۔ (تاریخ مدینہ) اس کے برعکس محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ نفس نفیس قبر اطہر میں موجود ہیں۔ اسی وجہ سے قبر اطہر کی رفعت شان بیت اللہ شریف اور عرش مجید سے بھی زیادہ ارفع اور اعلیٰ ہے۔ (زاد اللہ تشریفاو تعظیما)

لہٰذا ایسی مقدس سرزمین کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشائے مبارک کے خلاف لفظ یثرب سے موسوم کرنا عقلی طور پر بھی لائق اجتناب ہے۔

اردو نعت میں اکثر یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ بعض شعرائے متقدین و متاخرین مدینہ منورہ کے لیے لفظ "یثرب" استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ نام متروک ہے اور شریعت مطہرہ میں اس کی واضح طور پر ممانعت کی گئی ہے۔ اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے منافی مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے سے نہ صرف نعت گوئی کے مقاصد مجروح ہوتے ہیں بلکہ نعت نگاروں کا یہ غیر ذمہ دارانہ رویہ گناہ

کے زمرے میں بھی آسکتا ہے۔

دراصل اردوداں طبقے میں اس لفظ کے لغوی و حقیقی معانی سے لاعلمی کا سبب وہ عربی اردو لغات ہیں جن میں یثرب کی معنی مدینہ منورہ کا پرانا نام لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ ۱۹۸۲ء میں پنجاب یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام شایع ہونے والے عظیم الشان دائرۃ المعارف اسلامیہ میں لفظ "مدینہ" کے تحت لکھا گیا ہے کہ قرآن کریم میں اس کا نام یثرب بھی آیا ہے۔ اور تاج کمپنی جیسے معتبر اسلامی اشاعتی ادارے کے زیرِ اہتمام اخلاقی مضامین پر مشتمل ایک کتاب "ارمغان یثرب" کے نام سے شائع کی گئی۔ جس سے اس مسئلے کے عوامی کیا بلکہ بعض علمی حلقوں میں بھی غیر معروف ہونے کی نشاندہی ہوتی ہے۔

نعت نگاری میں لفظ یثرب استعمال کرنے کے اسباب معلوم کرنے کی غرض سے راقم الحروف نے بعض شعرائے کرام اور اہل قلم سے مختلف اوقات میں اس مسئلے پر غیر رسمی گفتگو کی۔ جس کی روشنی میں اب تک مندرجہ ذیل اسباب سامنے آسکے ہیں۔

۱...... لفظ یثرب کے حقیقی معانی اور اس کے استعمال کی ممانعت سے لاعلمی۔

۲...... قرآن کریم میں لفظ یثرب کا استعمال۔

۳...... بعض احادیث میں لفظ یثرب کی موجودگی۔

۴...... صحابہ کرام کے اشعار میں یثرب کا استعمال۔

۵...... شعرائے متقدمین کی تقلید میں لفظ یثرب کا استعمال

مندرجہ بالا اشکال کو رفع کرنے اور اس حوالے سے قارئین کرام کی حتی المقدور تشفی کے لیے زیرِ نظر سطور میں ضروری توضیحات شرعی استدلال کے ساتھ ہدیۂ قارئین کی جاتی ہے۔

یثرب کے لغوی معانی:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ قاموس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یثرب کا لفظ ثَرَبَ، یَثرِبُہٗ، ثَرِبَہٗ اور ثَرَّبَ عَلَیہِ سے مشتق ہے (یعنی مادہ سب کا ایک ہے لیکن استعمال فَعَلَ یفعل، تفعیل اور فعال سے ہوتا ہے اور ثرب ہو یا اِثراب یا تثریب، سب کا معنی ہے ملامت کرنا، عار دلانا، کسی جرم پر ذلیل کرنا اور مثرب اس شخص کو کہتے ہیں جو بخشش میں بخل سے کام لے۔ (تفسیر مظہری۔ جلد نہم)

عربی کی مستند ترین لغت المنجد (طبع بیروت۔ ۱۹۲۷ء) میں یثرب کا مادۂ اشتقاق ثرب بیان کیا گیا ہے۔ جس کے معنی برائی کرنا اور فساد برپا کرنا بیان کیے گئے ہیں اور کسی پہلو سے اس کے معنی اچھے نہیں لگتے۔ اس بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں "لفظ یثرب سے کراہت

کی وجہ اس کا ثَرَب سے مشتق ہونا ہے۔ جس کے معنی فساد کے ہیں یا تثریب سے جس کے معنی مواخذہ اور عذاب کے ہیں۔" (جذب القلوب) اور بعض دیگر علمائے تفسیر نے بھی یثرب کا مادۂ اشتقاق تثریب ہی بیان کیا ہے۔ جس کے معنی مواخذہ یا ملامت کے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قال لا تثریب علیکم الیوم (سورۂ یوسف۔ آیت ۹۲)۔

ترجمہ: (یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے) کہا آج تم پر کچھ ملامت نہیں۔ اور فتح مکہ کے موقع پر دورانِ خطبہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بدترین دشمنوں یعنی مشرکین مکہ کے لیے عام معافی کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء یعنی آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں' جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (سیرت ابن ہشام۔ تاریخ مدینہ)

بُرے نام تبدیل کرنے کی سُنّت:

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیح (بُرے) ناموں کو تبدیل فرما دیتے تھے (ترمذی) جس کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں:

۱...... حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی تھیں۔ جن کا نام عَاصِیَہ تھا (عاصیہ کے معنی نافرمان کے ہیں)۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام (تبدیل فرما کر) جمیلہ رکھ دیا تھا۔ (مسلم شریف)

۲...... امام بخاری حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سنا کہ (آپ کے صحابہ میں) ایک صاحب کا نام عبدالحجر ہے۔ آپ ﷺ نے (ان کو بلا کر) پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے عرض کیا عبدالحجر۔ آپ ﷺ نے فرمایا' نہیں' تم عبداللہ ہو۔ (الادب المفرد)

۳...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک صحابی کا تذکرہ ہوا جن کا نام شہاب (شعلہ) تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔ نہیں۔ تم ہشام (نرم خو) ہو۔

۴...... حضرت سعید بن المسیّب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ان کے دادا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا نام حزن (غم واندوہ) تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وسلم نے ان کا نام پوچھا تو عرض کیا "حزن"۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنا نام سہل رکھ لو۔ انہوں نے کہا میرے باپ نے جو نام رکھ دیا ہے اسے نہ بدلوں گا۔ ابن میتب کہتے ہیں کہ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد ہمارے گھر میں غم واندوہ رہ گیا۔ (الادب المفرد۔ امام بخاری)

۵...... حضرت رائطہ بن مسلم رضی اللہ عنہا اپنے والد سے روایت کرتی ہیں "میں نے رسول خدا صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین میں شرکت کی۔ تو آپ نے دریافت فرمایا تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا عزاب (کوا)۔ فرمایا تمہارا نام مسلم ہے (الادب المفرد)

ہادی عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبیح ناموں کو بدل دینے کی سنت خلفائے راشدین کے عمل سے بھی ثابت ہے۔ اوران کے بعد بزرگان دین کے تذکروں میں اس کے شواہد ابتک نظر آتے ہیں۔ کرامات صحابہ میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں ابن حجر نے اصابہ میں اس حدیث کو معتبر قرار دیا ہے کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے اس کا نام دریافت کیا۔ اس نے کہا جمرہ (بمعنی چنگاری) پھر آپ نے استفسار فرمایا کہ تمہارے باپ کا نام؟ اس نے کہا ابن شہاب (بمعنی شعلہ)۔ پھر پوچھا تم کس قبیلے کے فرد ہو؟ اس نے کہا حرقہ (بمعنی سوزش) پھر آپ نے پوچھا تمہاری بود و باش کی جگہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا حرہ (بمعنی گرمی) اور دوبارہ دریافت کرنے پر کہ حرہ کے کس حصے میں سکونت پذیر ہو؟ اس شخص نے کہا کہ ذات لظی (بمعنی شعلہ والا) میں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا' جا اپنے کنبے کی خبر لے کہ وہ سب جل کر سوختہ ہو گئے۔ چنانچہ اس شخص نے گھر واپس جاکر اپنے کنبے والوں کو سوختہ پایا۔ (یہ روایت مؤطا امام مالکؒ اور حضرت جلال الدین سیوطیؒ کی معروف کتاب تاریخ الخلفاء میں بھی موجود ہے)۔

نکتہ:

بعض شعرائے کرام تخلص کے طور پر بُرے معنی والے نام استعمال کرتے ہیں مثلاً یاس' محزوں' خلش' رسوا' وحشت' تفتہ' ناشاد' حرماں' شعلہ' شباب' آتش' شرر' اخگر' فراق اور شورش وغیرہ۔ یہ اصلاح طلب بات ہے۔ مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں ہمیں بُرے معنی والے ناموں سے خود کو موسوم کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ خصوصاً نعت گو شعرائے کرام کے لیے یہ احتیاط بہت ضروری ہے۔ البتہ نام یا تخلص کے علاوہ قلبی واردات کے اظہار کے لیے ان کے استعمال میں قباحت نہیں۔ صحابہ کرام اور علمائے سلف کے اشعار سے اس کی مثالیں البتہ سامنے آتی ہیں۔ مثلاً شاعر حزیں' شاعر غم نصیب شاعر مہجور' سوختہ دل' سوختہ جاں' دل ناشاد اور چشم شرربار وغیرہ۔

یثرب نام کی تبدیلی (یثرب کہنے کی ممانعت):

گذشتہ صفحات میں یہ بات پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ لفظ یثرب ثَرَبَ یا تثریب سے مشتق ہے۔ جس کے معنی مواخذہ و ملامت کو شامل ہیں۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ اپنے نو مسلم صحابہ کرام کے لیے بھی کسی قبیح نام کو پسند نہ فرماتے ہوئے

اچھے ناموں سے تبدیل فرمادیا کرتے تھے۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں ورودِ مسعود کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے یثرب کا نام تبدیل فرما کر مدینہ طیبہ اور طابہ رکھ دیا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضور فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مدینے کا نام طابہ رکھوں' اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے ایسے قریہ (شہر) میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے جو غالب آتی ہے تمام بستیوں پر (منافق) لوگ اسے یثرب کہتے ہیں۔ اس کا نام مدینہ ہے۔ یہ برے لوگوں کو اس طرح دور کر دیگا۔ جس طرح آگ کی بھٹی لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینے کا نام طیبہ رکھا ہے۔ یہود حسد و کینہ کی وجہ سے مدینہ (منورہ) کو یثرب کہتے تھے۔ ورنہ (ان کی کتاب) توریت شریف میں مدینہ کا نام طابہ' طیبہ' اور طیبہ ہے۔ (مسلم شریف) چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مدینہ منورہ کو یثرب کے نام سے موسوم کرنے کی ممانعت صحیح طریقے سے ثابت ہے (الاتقان فی العلوم القران)

(دیگر وجوہات کے علاوہ) یثرب ایک کافر کا نام تھا۔ لہٰذا ایک کافر کے نام پر اس متبرک و مقدس مقام کا نام رکھنا ہرگز اس مبارک شہر کے شایان شان نہیں...... ہمارے پیش نظر یہ بات رہنی چاہئے کہ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان عالی شان ہے کہ اس شہر کو یثرب نہ کہا جائے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے حدیث نقل فرمائی ہے کہ جو شخص (مدینہ منورہ کو) ایک دفعہ یثرب کہے تو اس کو لازم ہے کہ اس کی تلافی اور تدارک کے لیے دس مرتبہ مدینہ کہے۔ (جذب القلوب)

اس بارے میں بعض علمائے تفسیر کی تحقیق درج ذیل ہے۔

۱۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں "حدیث شریف میں ہے کہ جو مدینہ طیبہ کو یثرب کہے۔ وہ استغفار کرلے۔ مدینہ تو طابہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر۔ جلد ۴)

۲۔ دنیائے اسلام کے معروف محقق و مفسر' سید امیر علی علیہ الرحمتہ لکھتے ہیں۔ "یثرب زمانۂ جاہلیت میں مدینہ منورہ کا نام تھا۔ چونکہ یثرب کے معنی زبان عربی کے اشتقاق سے میل کچیل اور ملامت کو شامل ہیں۔ لہٰذا حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے (مدینہ منورہ کو) یثرب کہنے سے منع کر کے فرمایا یہ طابہ یعنی پاکیزہ و طیب ہے" (تفسیر مواہب الرحمن۔ جلد ہفتم)۔

۳۔ مفسر عبدالحق حقانی علیہ الرحمتہ لکھتے ہیں "پھر آپ نے یثرب نام لینے سے منع کیا۔ جیسا کہ

امام احمد نے روایت کیا ہے۔ کیونکہ یثرب نام میں سرزنش کے معنی پائے جاتے ہیں۔" (تفسیر حقانی۔ جلد ششم)

۴۔ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں "مسلمان کو یثرب نہ کہنا چاہئے۔ حدیث شریف میں مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے کی ممانعت آئی ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ناگوار تھا کہ مدینہ پاک کو یثرب کہا جائے۔ کیونکہ یثرب کے معنی اچھے نہیں ہیں" (حاشیہ کنزالایمان)۔

۵۔ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں "بغوی نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو یثرب کہنے کی ممانعت فرمائی اور ارشاد فرمایا یہ طابہ ہے۔" (تفسیر مظہری)

جو لوگ مدینہ منورہ کے لیے لفظ یثرب استعمال کرنے کے حق میں یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں مدینہ منورہ کے لیے یثرب کا لفظ آیا ہے۔ تو ان کی اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے قرآن کریم کی اس آیت اور اس کی شان نزول کا جائزہ پیش خدمت ہے، جس میں یثرب کا لفظ آیا ہے۔

قرآن کریم میں لفظ یثرب:۔

قرآن مجید کی صرف ایک آیت میں مدینہ منورہ کے لیے لفظ یثرب استعمال ہوا ہے۔ لیکن یہ منافقوں کی زبانی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقِیْنَ یٰٓاَھْلَ یَثْرِبَ لَامُقَامَ لَکُمْ (الاحزاب۔ آیت۔ ۱۳۔۱۲)

(ان آیات کا ترجمہ) اور (یاد کرو) جب منافقین اور جن کے دلوں میں (انفاق کا) روگ تھا کہنے لگے اللہ ورسول نے ہم سے جو وعدے کئے تھے وہ فریب کے سوا کچھ نہیں۔ اور جب ان (منافقین) میں سے ایک گروہ نے کہا اے اہل یثرب یہ تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ تم اپنے گھروں کو واپس چلو۔

ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ شوال ۵ ہجری میں غزوۂ احزاب واقع ہوا۔ جس میں مشرکین مکہ اور عرب کے دیگر قبائل نے یہودیوں کے ساتھ مل کر بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ کیا تھا۔ یہ صورتحال اتنی بھیانک اور خطرناک تھی کہ دہشت کے مارے لشکر اسلام کی آنکھیں پتھرا گئیں اور خوف وہیبت کے مارے ان کے کلیجے منہ کو آرہے تھے۔ (خلاصہ آیت نمبر ۱۰ سورۂ احزاب)۔
اس امتحان و آزمائش کی بھٹی سے اہل ایمان تو کندن بن کر نکل رہے تھے لیکن جن لوگوں کے دلوں میں نفاق پوشیدہ تھا، وہ کھل کر سامنے آگئے۔ اور لشکر اسلام میں خوف وہراس پھیلاتے ہوئے انہیں مشورہ

دینے لگے کہ اے اہل یثرب یہ مقام ابتلاء و مصائب تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ تم جیسے بن پڑے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ۔

ان آیات میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس موقع پر اہل مدینہ کو اہل یثرب منافقوں کی زبانی کہا گیا ہے (یعنی منافقوں کے قول کو دہرایا گیا) ورنہ ذات باری تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دار ہجرت کا جہاں خود ذکر کیا ہے وہاں اس مقدس و متبرک شہر کے لیے قرآن کریم میں مدینہ کا لفظ آیا ہے۔ مثلاً :

۱۔ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ (سورۂ توبہ۔ آیت ۱۰۱)

ترجمہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے رسول!) آپ کے گرد و نواح میں رہنے والے دیہاتیوں میں سے کچھ منافق ہیں۔ اور کچھ مدینہ کے رہنے والے (یہودی) نفاق میں پختہ ہو چکے ہیں۔

۲۔ مَاكَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ .... عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ (سورۂ توبہ ۱۲۰)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اہل مدینہ اور ان کے اطراف میں (بسنے والے) دیہاتیوں کو یہ لائق نہ تھا کہ (جہاد کے وقت) اللہ کے رسول سے پیچھے بیٹھ رہیں۔

۳۔ وَالْمُرْجِفُوْنَ فِى الْمَدِيْنَةِ.......... اِلَّا قَلِيْلًا (سورۃ الاحزاب۔ ۶۰)

ترجمہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اگر باز نہ آئے (منافق) اور مدینہ میں افواہیں اڑانے والے تو (اے رسول) ہم ضرور تمہیں ان پر غلبہ دیں گے۔ پھر اس (مدینے) میں یہ لوگ سوائے کچھ روز کے تمہارے پاس نہیں رہیں گے۔

مندرجہ بالا قرآنی آیات میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دار ہجرت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے نام سے فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں کہیں بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس شہر کو یثرب کے نام سے موسوم نہیں کیا ہے۔ چونکہ منافق مدینہ منورہ کو یثرب کہتے تھے۔ لہٰذا قرآن کریم میں لفظ یثرب منافقین ہی کی زبانی آیا ہے۔ لہٰذا سنت الٰہیہ سے بھی یہی ثابت ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دار ہجرت کو مدینہ کہا جائے۔

اس بات کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ قرآن میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا تذکرہ آیات' بینات جیسے الفاظ سے فرمایا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا (سورۂ احزاب۔ ۱۰۱)

ترجمہ: پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں (معجزات) کے ساتھ بھیجا ای

طرح سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ربانی ہے۔

وَلَقَدْ آتَیْنَا مُوسٰی تِسْعَ آیَاتٍ بَیِّنٰتٍ (آیت ۱۰۱)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو نو روشن نشانیاں (معجزات) عطا کیں لیکن جب فرعون اور اس کے درباریوں نے ان میں سے چند معجزات دیکھے تو کہنے لگے۔

اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌ یعنی یہ تو ضرور کھلا جادو ہے۔ (سورۂ یونس ـ ۷۶) اسی طرح قرآن کریم میں ذات باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ نبی اور رسول کے الفاظ سے فرمایا ہے۔ لیکن فرعون اور اس کے درباریوں کے حوالے سے ان کے بارے میں آیا ہے اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ عَلِیْمٌ یعنی (موسیٰ علیہ السلام) یہ تو بڑے علم والے جادوگر ہیں (سورۃ الاعراف ـ ۱۰۹) تو کیا قرآن کریم کی ان آیات کو دلیل بناکر نعوذ باللہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم میں معجزات انبیاء (علیہم السلام) کے لیے آیات کا لفظ بھی آیا ہے اور ساحر (جادوگر) کے لیے بھی؟ ـ ہرگز نہیں۔ اسی طرح شہر نبی کو حق تعالیٰ کی جانب سے مدینہ کہا گیا ہے اور منافقوں کی زبانی یثرب ـ لہٰذا ان بناء پر یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ قرآن کریم میں دیارِ گنبد خضرا کا نام مدینہ بھی آیا ہے اور یثرب بھی۔

اس ضمن میں ایک اور مثال یہ بھی دی جاسکتی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام عبدالکعبہ تھا۔ آفتاب اسلام طلوع ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام تبدیل فرماکر عبداللہ رکھ دیا ـ (محمدؐ رسول اللہ ـ مطبوعہ تاج کمپنی)۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام عبدالشمس تھا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام تبدیل فرماکر عبدالرحمٰن رکھ دیا (مشکوۃ شریف۔ جلد سوئم)۔ تو جس طرح ان جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کے سابقہ اور متروک ناموں سے موسوم کرنا حکم رسولؐ کی خلاف ورزی اور ان صحابہ کرام کی شان میں سوء ادب ہے' اسی طرح مدینہ منورہ کو اس کے سابق اور متروک نام "یثرب" سے موسوم کرنا مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بڑی بے ادبی اور خدا و رسول کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ لہٰذا امت مسلمہ کے اہل قلم اور خصوصاً نعت گو شعرائے کرام اور سیرت نگاروں کو لازم ہے کہ وہ اپنی شعری اور نثری کاوشوں میں مدینۃ الرسولؐ کے لیے یثرب کا لفظ استعمال کرنے سے اجتناب کریں۔

احادیث میں لفظ یثرب:

اسرائیلی روایات کے حوالے سے بعض مبشرات میں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دار

ہجرت یثرب بیان ہوا ہے۔ اس کے علاوہ مکی دور کی ایک دو حدیثوں میں بھی دار ہجرت کے بیان میں یثرب کا لفظ آیا ہے۔ جیسے ابن کثیر نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ "مجھے خواب میں تمہاری جائے ہجرت دکھائی گئی ہے۔ جو دو سنگلاخ میدانوں کے درمیان ہے۔ پہلے تو میرا خیال ہوا تھا کہ یہ ہجر ہے۔ لیکن نہیں وہ جگہ یثرب ہے""اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ جگہ مدینہ طیبہ ہے"(تفسیر ابن کثیر۔ جلد چہارم)

اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کے بچپن کے زمانے میں علمائے یہود نے حضرت عبد المطلب اور حضرت ابو طالب کو اپنی کتاب کے حوالے سے آپؐ کے آئندہ حالات، منصب نبوت پر فائز ہونے اور ہجرت وغیرہ کے بارے میں جن امور سے آگاہ کیا تھا۔ ان آثار میں بھی لفظ یثرب بیان ہوا ہے۔ چنانچہ بعض علمائے کرام نے لکھا ہے کہ جن احادیث میں مدینہ منورہ کے لیے یثرب کا لفظ استعمال ہوا ہے، وہ ہجرت سے پہلے کی ہیں۔ راقم الحروف کے نزدیک اس میں ذرا تفصیل ہے۔ یعنی یہ تو ثابت ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ کے مدینہ منورہ میں ورودِ مسعود کے ساتھ ہی آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یثرب کا نام تبدیل فرما کر مدینۃ النبیؐ رکھ دیا تھا۔ لیکن کافی عرصہ تک یہاں کے یہودی اور منافقین اس شہر مقدس کو یثرب ہی کہتے رہے۔ جیسا کہ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں۔ "یثرب مدینہ منورہ کا سابق نام ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی ہجرت کے بعد اس کا نام مدینۃ النبیؐ اور پھر مدینہ ہو گیا۔ لیکن دیہاتوں کے لوگ بالخصوص مخالفین عرصہ دراز تک اس کو یثرب ہی کہتے رہے۔ یہ لوگ دیہاتی بھی تھے اور منافق بھی اس وجہ سے انہوں نے نئے نام کو قبول نہیں کیا تھا۔" (تدبر قرآن)۔ اس وجہ سے ہجرت کے بعد کی بعض احادیث میں بھی لفظ یثرب ملتا ہے۔ جس کی وضاحت پیش خدمت ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی مکہ مکرمہ سے ہجرت کے لیے روانگی یکم ربیع الاول بروز جمعرات مطابق ۱۶ جون ۶۲۲ء کو ہوئی۔ اور ۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ بوقت ظہر مطابق ۲۸ جون آپؐ قبا کے مقام پر قبیلہ اوس کی شاخ بنو عمرو بن عوف کے سردار کلثوم بن ہدم کے مکان پر فروکش ہوئے۔ اس کے پانچویں روز جمعہ کے دن آپ مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ہجرت کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک تحریر لکھ دی۔ جس میں یہود سے بھی معاہدہ تھا۔ اس معاہدے کے مطابق ان کے دین اور مال کی حفاظت کا یقین دلایا گیا تھا۔ ان کے حقوق بھی واضح کئے گئے تھے۔ اور ان پر شرطیں بھی عائد کی گئی تھیں۔ تاریخ اسلام میں اس معاہدے کو میثاق مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس معاہدے سے

پیشتر ہی یثرب کا نام تبدیل کر کے مدینۃ النبیؐ رکھا جا چکا تھا۔ لیکن معاہدے میں چونکہ یہود بھی ایک فریق تھے۔ جو مدینۃ منورہ کو یثرب ہی کہتے تھے (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کہ ہجرت کے پانچویں سال واقع ہونے والے غزوۂ احزاب کے موقع پر انہوں نے اہل مدینہ کو اہل یثرب ہی کہہ کر پکارا) لہٰذا معاہدے کے متن میں مدینۃ النبیؐ کے بجائے لفظ یثرب ہی تحریر کیا گیا تھا۔ اور معاہدے کے آغاز میں یہ عبارت تحریر کی گئی تھی بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ بَیْنَ الْمُؤمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قُرَیْشٍ وَیَثْرِبَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ..........

ترجمہ...... بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ نوشتہ محمد ﷺ کی جانب سے ہے۔ جو نبی ہیں۔ قریش اور یثرب کے رہنے والوں میں سے ایمانداروں اور اطاعت گزاروں اور ان لوگوں کے درمیان جو ان کے تابع ہوں۔ (سیرت ابن ہشام)۔ اس معاہدے کی ایک اور شق میں بھی لفظ یثرب ملتا ہے۔

وَاَنَّ یَثْرِبَ حَرَامٌ جَوْفُهَا لِاَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِیْفَةِ

ترجمہ:۔ یثرب کا میدان اس دستاویز کے ماننے والوں کے نزدیک مقدس و محترم ہوگا (سیرت ابن ہشام)

ابتک کی اس گفتگو سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جن احادیث میں مدینہ منورہ کے لیے یثرب آیا ہے وہ تین طرح کی ہیں۔

۱۔ ہجرت سے قبل کی احادیث و آثار۔

۲۔ ہجرت کے بعد یثرب کہنے کی ممانعت کی احادیث

۳۔ میثاق مدینہ کے بارے میں احادیث

غور کیا جائے تو ہجرت سے پہلے کی احادیث سے لفظ یثرب کی اباحت پر دلیل ہجرت کے بعد یثرب کہنے کی ممانعت والی احادیث سے خود ہی رد ہو جاتی ہے۔ رہا میثاق مدینہ میں لفظ یثرب کے استعمال کو دلیل بنانا۔ تو اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ ہمارے آقائے حلیم و کریم ﷺ نے محض اس مسئلے کو یہود سے وجہ تنازع بنانا پسند نہ فرمایا۔ لہٰذا آپ کے اس نرم رویہ کو آپ کی فراست' آپ کے مثالی حلم اور حسن سلوک پر ہی محمول سمجھنا چاہئے۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین مکہ اور مدینہ منورہ کے مسلمانوں کے مابین معاہدے کے آغاز میں حضور اکرم ﷺ کے حکم پر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم تحریر فرمایا تو مشرکین کے نمائندے سہیل بن عمرو نے کہا میں رحمان اور رحیم کو نہیں جانتا۔ اس کی بجائے باسمِكَ

اللھمؐ لکھئے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کے حکم پر آپ نے یہی لکھ دیا۔ پھر حضور اکرم نے فرمایا لکھو ھٰذَا مَا صَالحَ عَلَیْہِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ سُھَیْلَ بنَ عمرٍو

اس پر سہیل نے کہا اگر میں یہ گواہی دیتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو میں آپؐ سے کوئی جھگڑا کرتا نہ آپ کو بیت اللہ کی زیارت سے روکتا۔ اس لئے آپ اس کی بجائے اپنا اور اپنے والد کا نام لکھوائیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اپنے نام کے ساتھ لکھے ہوئے الفاظ "رسول اللہ" محو فرمادیئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم سے فرمایا لکھو۔

ھٰذَا مَا صَالحَ عَلَیْہِ مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰہِ...... (ابن ہشام۔ جلد دوم) تاکہ صلح کی راہ میں کوئی رخنہ اندازی پیدا نہ ہو۔ قرآن کریم میں اس صلح کو فتح مبین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (دیکھئے سورۂ فتح اور اس کی تفسیر)۔

ان روایات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ میثاق مدینہ میں لفظ یثرب اس معاہدے کے ایک اہم فریق یعنی یہودیوں کی دلجوئی کے لیے لکھا گیا تھا۔ تاکہ یہ معاملہ وجہ تنازع بن کر معاہدے کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ ورنہ مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی ممانعت خدا اور رسول کے حکم سے ثابت ہے۔

صحابہ کرامؓ کے اشعار میں یثرب:۔

واقعہ ہجرت کے بعد اہل مکہ اور مدینہ منورہ کے مسلمانوں کو باہمی میل جول کے مواقع کمیاب تھے۔ اہل مدینہ آزادانہ طور پر مکہ معظمہ میں داخل نہ ہو سکتے تھے اور مشرکین مکہ بھی مدینہ منورہ میں آنے سے ہچکچاتے تھے۔ باہمی روابط کی اس کمیابی اور اسلام سے دیرینہ رقابت و عناد کی وجہ سے اہل مکہ میں عرصہ دراز تک مدینۃ النبیؐ کا نام یثرب ہی مروج رہا۔ جس کی تائید غزوۂ بدر (۲ ہجری) میں شکست سے دوچار ہونے کے بعد مشرکین مکہ کے جوش انتقام میں کہے ہوئے اشعار سے بھی ہوتی ہے۔ جس کی ایک مثال فرار بن خطاب بن مرداس کا یہ شعر ہے۔

وَیَبْکِیھِمْ مِنْ اَھلِ یَثرِبَ نِسْوَۃٌ ...... لَھُنَّ بِھَا لَیْلٌ عَنِ النَّوْمِ سَاھِرٌ

ترجمہ:۔ اور یثرب کی عورتیں ان (بنو بخار) پر روتی ہونگی۔ ان عورتوں کو اس مقام پر ایسی رات ہوگی جو نیند سے بیدار رکھنے والی ہوگی۔ (سیرت ابن ہشام)

اسی طرح مختلف غزوات میں مشرکین مکہ کے بہت سے اشعار سے صرف نظر کرتے ہوئے ذیل میں صحابہ اکرام کے چند ایسے اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن میں مدینہ منورہ کے لیے یثرب کا لفظ

استعمال ہوا ہے۔

۱۔ غزوۂ احد (۳ ہجری) کے موقع پر عمرو بن العاص نے (حالت کفر میں) مسلمانوں کے خلاف جو اشعار کہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں

بِأَنَّا غَدَاةَ السَّفْحِ مِنْ يَثْرِبَ ...... صَبَرْنَا وَ رَايَاتُ الْمَنِيَّةِ تَخْفِقُ

ترجمہ: بطن یثرب کے دامن کوہ کے مقام پر ہم نے اس وقت صبر و استقامت سے کام لیا۔ جب موت کے پرچم لہرا رہے تھے۔(ابن ہشام)

۲۔ غزوۂ احزاب (۵ ہجری) کے موقع پر مشرکین کے سورما عمرو بن عبدود کے قتل پر اہل مکہ کے سامنے حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح اظہار فخر کرتے ہیں۔

بَقِيَّتُكُمْ عَمْرٌو وَبَحْنَاهُ بِالْقَنَا ...... بِيَثْرِبَ نَحْمِيْ وَ الْحُمَاةُ قَلِيْلُ

ترجمہ:۔ تمہارا بچا کچا (سورما) عمرو ہی رہ گیا تھا اور اسے بھی ہم نے اس وقت مباح بنا دیا جب ہم تھوڑی تعداد کے باوجود یثرب میں نیزوں سے اپنا تحفظ کر رہے تھے۔(ابن ہشام)

۳۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر ہبیرہ بن ابو وہب نے اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم کے ہاتھوں اپنے دیو پیکر جنگجو عمرو بن عبدود کے قتل پر واویلا کرتے ہوئے حضرت علیؓ کے خلاف جو اشعار کہے ان کا جواب دیتے ہوئے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

أَمْسَى الْفَتَى عَمْرُو بْنُ عَبْدٍ يَبْتَغِي ...... بِجُنُوبِ يَثْرِبَ ثَارَهُ لَمْ يُنْظَرِ

ترجمہ:۔ تمہارا بہادر عمرو بن عبدوُد یثرب میں (اپنے مقتولین بدر کا) بدلہ لینے آیا تھا مگر ذرا مہلت نہ دی گئی۔(یعنی اسے فوراً قتل کر دیا گیا) (ابن ہشام)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مندرجہ بالا اشعار کے مخاطب چونکہ مشرکین مکہ ہیں جو "مدینۃ النبیؐ" کے نام سے مانوس نہیں تھے۔ اس لیے ان کے اشعار کے جواب میں لفظ یثرب استعمال ہوا ہے۔ لیکن جہاں مدینہ منورہ کا تذکرہ اسلامی ریاست کے طور پر کیا گیا ہے وہاں صحابہ کرام نے لفظ مدینہ ہی استعمال کیا ہے مثلاً ضرار بن خطاب کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

عَبْدٌ وَ حُرٌّ كَرِيْمٌ مُوْثَقٌ قَنَصاً ...... شَطْرَ الْمَدِيْنَةِ مَأْسُوْرٌ وَ مَقْتُوْلُ

ترجمہ:۔ غلام ہو یا آزاد یا صاحب عزت شکار باندھنے والا ہو جب (برے ارادے سے) مدینہ کا رخ کرے گا تو (اسے قید کیا جائے گا یا وہ قتل ہو گا۔(ابن ہشام)

شعرائے متقدمین کی تقلید میں "یثرب" کا استعمال:

اردو شاعری کے اکثر اساتذۂ کرام چونکہ تفسیر، حدیث اور فقہ جیسے اسلامی علوم سے کماحقہ، واقف نہیں ہوے۔ جس کے نتیجے میں ان کی نعتیہ شاعری میں بعض شرعی سقوم کا صدور ہو جاتا ہے۔ ماضی میں ان اساتذہ کے نعتیہ کلام کا نہ تو شرعی نقطۂ نگاہ سے بھرپور جائزہ لیا گیا۔ اور نہ اس حوالے سے نقد و نظر کی کوئی ضرورت محسوس کی گئی ہمارے ہاں آج بھی بعض ایسے معروف اہل قلم موجود ہیں جو نعت گوئی کو محض اظہار عقیدت کا معاملہ سمجھتے ہیں۔ جو افصح العرب ﷺ کی اصلاح نعت کی سنت سے بے خبر رہتے ہوئے نعت نگاری کو فن شعر قرار دینے سے اتفاق نہیں کرتے۔ اس حوالے سے وہ یہ تاویل پیش کرتے ہیں کہ محبت و عقیدت فن نہیں ہوتے۔ بلاشبہ محبت و عقیدت فن نہیں ہوتے۔ لیکن جب اس کے اظہار کے لیے کسی فن مثلاً فن شاعری کو ذریعہ بنایا جائے گا اور خاص طور پر ذات ممدوح خدا سے محبت و عقیدت کو شعر کے قالب میں ڈھالا جائے گا، تو اسے کس طرح فن سے جدا سمجھا جا سکتا ہے۔ ایسا کلام لطافت معنوی کی بناء پر عام شاعری سے کہیں زیادہ صدق بیانی اور ندرت فن کا متقاضی ہے۔ بہر حال یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ ضروری ہوا تو اس موضوع پر انشاء اللہ تعالیٰ کسی مناسب موقع پر تفصیلی گفتگو ہو گی۔

اردو نعت میں کہنہ مشق اور معروف شعرائے کرام کی تقلید کے حوالے سے یہ واقعہ بھی دلچسپ ہے کہ فدوی نے ۱۹۸۲ء میں "اخبار جہاں" کے توسط سے، نعت نگاری میں مدینہ منورہ کے لیے یثرب کے استعمال کی ممانعت پر عامۃ المسلمین کی توجہ مبذول کرانی چاہی۔ تو بجائے اس مسئلہ پر کوئی ذمہ دارانہ رائے دینے کے صفحے کے انچارج صاحب (علیہ الرحمۃ) نے مراسلہ شائع کرتے ہوئے اس کے جواب میں اردو شعرا کے یہ مصرعے تحریر کر دیے:۔

خوب ہے تجھ کو شعار صاحب یثرب کا پاس (علامہ اقبال)

آہ یثرب دیس ہے مسلم کا تو ماوا ہے تو (علامہ اقبال)

ہائے یثرب دل میں لب پہ نعرۂ توحید تھا (علامہ اقبال)

ہجرت مدفون یثرب میں یہی پنہاں ہے راز (علامہ اقبال)

یثرب کو جانے والے میرا سلام لے جا (شمس بریلوی)

دیار یثرب کو جانے والے شکستہ دل کا سلام لے جا (رئیس امروہوی)

پہنچتے ہیں مسافر جن پہ چل کر کوئے یثرب میں (قتیل شفائی)

بعد کی اشاعت میں راولپنڈی کی محترمہ رفعت آسیہ نے اپنے مراسلے میں انچارج صاحب کے بہم جواب کی جانب توجہ دلائی توانہوں نے لکھ دیا مراسلہ نگار (رشید وارثی) "کو شریعت پر عبور نہیں"

مندرجہ بالا مثال سے اس حقیقت کی بھی ترجمانی ہوتی ہے کہ ہمارے ہاں اندھی تقلید کی صورتحال کیا ہے۔ جب قومی سطح پر شائع ہونے والے کسی ہفت روزہ کے اسلامی صفحے کے انچارج جیسے ذمہ دار فرد کی جانب سے معروف شعرائے کرام کے اشعار کو نقش شرعی جیسی اہمیت دیتی جاتی ہے تو پھر عام لوگوں کا تو ذکر ہی کیا۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ نعت نگاری کے تقدس کو مد نظر رکھتے ہوئے صحت مضامین کے حوالے سے معروف شعرائے کرام کی کورانہ تقلید کے بجائے شریعت اسلامیہ کے اصل مصادر یعنی قرآن و سنت کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور شرعی ماخذ ہی کو نعتیہ مضامین کی صحت کا معیار سمجھا جائے۔

ابتک کی اس گفتگو میں مدینہ منورہ کے لیے لفظ یثرب کے استعمال کی ممانعت شرعی نصوص کی روشنی میں ثابت کی جا چکی ہے۔ اور ان تمام اشکال کا حتی الامکان تسلی بخش جواب دیا جا چکا ہے جو نعت نگاری میں اس متروک نام کے استعمال کا سبب ہیں۔

نعت نگاری میں لفظ یثرب کے غلط استعمال کی مثالیں:

جاگ او یثرب کی میٹھی نیند کے ماتے کہ آج — الٹ رہا ہے آنکھوں میں تیری لٹ کا راج

دنیا میں رحمت دو جہاں اور کون ہے — اے تاجدار یثرب و بطحا تمہیں تو ہو

نگاہ عاشق کی ڈھونڈ لیتی ہے پردۂ میم کو ہٹا کر — وہ بزم یثرب میں جا کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر — مری دانش ہے افرنگی میرا ایماں ہے زناری

خاک یثرب کے ہر اک ذرے سے آتی ہے صدا — (تخلص) خاک نشین ناصیہ فرسائے حجاز

یارب مرے دل میں رہے یثرب کی تمنا — یارب مرے سر میں رہے سودائے مدینہ

مری جھولی میں ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں فخر سے پھر بھی حضورِ شہِ یثرب آیا

پہنچتے ہیں مسافر جن پہ چل کر کوئے یثرب میں گلابوں سے کہیں بڑھ کر ہیں وہ پتھر نوکیلے سے

ارض یثرب نے کہا اھلاً وسہلاً مرحبا دل سے میری قدر کی سینے سے لپٹایا مجھے

فراق ارض یثرب میں ہر آنسو تخمِ گریہ ہے یہ دریا جاں سے اُمڈے ہیں یہ طوفاں دل سے آئے ہیں

صبحِ یثرب مجھ پہ کب ہوگی طلوع کس قدر کاٹوں گا راتیں بھاریاں

الٰہی ملے مجھ کو یثرب کی صبح الٰہی ملے مجھ کو بطحا کی شام

تم جو دیار یثرب و بطحا سے آئے ہو اے زائرو بتاؤ وہ تحفہ بھی لائے ہو

فضائے وادیٔ یثرب کو جس نے مہکایا مرادِ رود تھا وہ زمزمہ ہواکا نہ تھا

بے دیدنی جو حال مری چشمِ تر کا ہے یثرب کا یہ سفر تو وسیلہ ظفر کا ہے

مدد فرما کہ ہم ایسے گنہ گاروں کے ہاتھوں سے حصارِ دشمناں میں ہے زمینِ یثرب و بطحا

یثرب سے اگر گھٹا نہ آتی خوشبوئے گل اُٹھا نہ آتی

میں خاک یثرب و بطحا کا ایک سجدہ گزار کہ میرے دلبر و دلدار دلربا ہیں نبیؐ

شاہِ مدینہ یثرب کے والی سارے نبی تیرے در کے سوالی

"یثرب" کے استعمال کی مستحسن صورتیں:۔

پہنچے ملنے خدا سے جو شاہِؐ اُمم نور کا عرش تک ایک زینہ بنا

آئے طیبہ میں جب وہ مبارک قدم شہر یثرب جو تھا وہ مدینہ بنا

حضرت ستار وارثی

زمین یثرب و بطحا ترے قدم چھوکر
فلک مقام ہوئی عرش احتشام ہوئی

عاصی کرنالی

یثرب کی زمیں فرش رہِ شوق ہے کب سے
محبوب خدا آئیں تو کہلائے مدینہ

(نعت رنگ نمبرا سے ماخوذ) قمر عباس وفا کانپوری

ارضِ یثرب کو ملا شہر نبی کا اعزاز
خاک اس دیس کی یوں کیمیا تاثیر ہوئی

ڈاکٹر سعید وارثیؔ

(سفرنامہ حج "می رقصم" سے ماخوذ)

یثرب کی سرزمیں کو مدینہ بنادیا
مکے میں انقلاب اک ایسا بپا ہوا

اعجاز رحمانی

آمدِ شافع محشر کا تھا سودا کیسا
خاک یثرب کو عطا ہوگئی تاثیر شفا

وقار قادری

الٰہی جس طرح یثرب کو طیبہ کردیا تونے
مرے دل میں بسادے اس طرح الفت محمدؐ کی

رئیس وارثی

ایک شبہ کا ازالہ: نعت رنگ کے گزشتہ شمارہ میں کسی صاحب نے ایک گمنام خط کے ذریعہ اس بندہ حقیر کے مضامین کے حوالے سے بعض اعتراضات اٹھائے ہیں۔ جس سے کم از کم یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ ہمارے قارئین کرام اس کتاب کا کس قدر توجہ وانہماک کے ساتھ مطالعہ فرماتے ہیں۔ اور ہماری اصلاح کے کس قدر خواہاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

موصوف نے پہلے اعتراض میں "شعر کے خالق" جیسے الفاظ پر گرفت کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے (لفظ) "خالق" اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں ہے۔ کیا کسی عام مسلمان کے لوپر اس کا اطلاق درست ہوگا" اس کے بعد گمنام قاری صاحب تحریر فرماتے ہیں "اردو کی مشہور لغت" لغات کشوری ص ۱۶۴ پر لفظ خالق کے معنی پروردگار لکھے ہیں' اور اسی لغت میں پروردگار کے معنی ص ۸۳ پر اس طرح لکھے ہیں "خدا تعالیٰ پالنے والا" اب ان معانی کی وجہ سے کسی شخص کے لیے لفظ خالق کے استعمال کو فاضل تنقید نگار درست قرار دیں گے ؟"

اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ "خالق" "خلق" سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے "خلق" بمعنی ابداع ذات باری تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے۔ البتہ دوسرے معنی جس میں ابداع نہیں بلکہ استحالہ ہوتا ہے بعض آیات میں اس سے انسان کو بھی موصوف فرمایا گیا ہے سورۃ المومنون (آیت ۱۴) میں ارشاد ہوتا ہے۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ

ترجمہ:۔ تو بڑی برکت والا ہے اللہ (جو) سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں لفظ اَحسن اسم تفضیل ہے لور الخالقین اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر ہے جس کے معنی ہیں بنانے والے یا پیدا کرنے والے۔ لہٰذا یہاں خلق کا استعمال اندازہ کرنے لور صورت گری کے معنی میں ہوا ہے۔ ابداع وایجاد کے معنی میں نہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ خلق کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ایک یہ کہ کسی چیز کو کسی موجود مادے لور سابقہ مثال کے بغیر پیدا کرنا۔ اس معنی میں یہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ہے جو کسی مخلوق میں نہیں پائی جاسکتی۔ اس کا دوسرا معنی سابقہ مادہ سے کسی چیز کو کسی موجودہ مثال کے مطابق بنالینا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں میں بھی پایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں یہ لفظ اپنے دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے لور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کی تخلیق صلاحیت کا ظہور ہوتا ہے

سطور بالا کی روشنی میں ہمیں الفاظ کے حقیقی لور مجازی استعمال کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے مثلاً سورۃ الحشر کی آخری آیات میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے خالق' باری' مصور' عزیز لور حکیم آئے ہیں۔ ان میں سے خالق کے مجازاً استعمال کے ساتھ مصور' عزیز لور حکیم ایسے اسماء ہیں جو مجازاً عام انسانوں کے لیے بھی استعمال کئے جاتے ہیں مثلاً یہ جملہ دیکھیے۔

"عزیز من! صادقین ایک یگانہ روزگار مصور تھے جو حکیم اجمل خاں سے بہت متاثر تھے۔" مکتوب نگار دوست شاید یہ بھی جانتے ہوں کہ "رب" کے معنی پروردگار' مالک لور پالنہار کے ہیں۔ قرآنی دعاؤں

میں باری تعالیٰ کے اسم ذات کے بعد سب سے زیادہ یہی اسم صفت استعمال ہوا ہے۔ اس کے ساتھ سورۂ یوسف میں تین جگہ رَبّ کا لفظ عزیز مصر کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی بیان ہوا ہے مثلاً اِرجِع اِلیٰ رَبِّکَ (واپس جا اپنے مالک (بادشاہ) کے پاس (آیت ۵۰) یااذکرنی عند ربک (یعنی اپنے بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا) وغیرہ۔ مزید یہ کہ عربی فارسی اور اردو میں رَبّ کی جمع "ارباب" کثرت سے مستعمل ہے مثلاً ارباب علم و دانش ارباب فہم و فراست 'ارباب حل و کشاد' ارباب شعر و سخن' اور ارباب ذوق وغیرہ۔

اس ضمن میں مندرجہ اسمائے باری تعالیٰ کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۱......(وَاللّٰهُ) خير الرّازقين

۲......(وَاللّٰهُ) خير الحافظين

۳......(وَاللّٰهُ) خير الوارثين

٤......(وَاللّٰهُ) خيرُ الناصرين

۵......(وَ اَنتَ) اَرحَمُ الراحمين. وغیرہ

ابتک کی اس گفتگو سے محترم مکتوب نگار یہ رائے قائم کر چکے ہوں گے کہ عام انسانوں کے لیے لفظ خالق کا مجازاً استعمال درست ہے یا نہیں۔ ان کے دیگر اعتراضات کی نوعیت پر اسی طرح قیاس کیا جاسکتا ہے۔ تاکہ یہ مقالہ غیر ضروری طوالت سے محفوظ رہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے۔ اور اپنے کرم سے اس بندۂ حقیر کی اس کوشش کو اپنی بارگاہ کبریائی میں شرف قبولیت عطا فرما کر جوہر تاثیر سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین۔

اردو نعت اور شاعرانہ رویّہ

عزیز احسن

کسی خیال کو نظم کرنا ایک محنت طلب عمل تو ہے لیکن خالی نظم کر دینا اس بات کی ضمانت قطعی نہیں ہے کہ اس VERSIFICATION کے عمل سے جو نظم وجود میں آئی ہے اس میں شاعرانہ اپیل بھی ہو۔ شاعرانہ اپیل شاعرانہ رویئے (-POETICAL TREATMENT/POETICAL AP PROACH) کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔ کسی شعری تخلیق میں شاعرانہ رویّہ تخلیقی قوت' جذبے کی صداقت اور زندگی کی حرارت کے ساتھ صورت اظہار پاتا ہے۔ شاعرانہ رویّے کی کار فرمائی ہی سے کوئی نظم بحیثیت شاعری قابل قبول یا لائق توجہ بن سکتی ہے بصورت دیگر سپاٹ 'کھر درا اور ادھورا تجربہ ناپختہ فن کی چغلی کھائے گا اور ایسی شاعری اپنے موضوع (content) کی اہمیت بھی کم کر دے گی اور بڑے موضوع کا تقدس بھی پامال ہو جائے گا۔

اردو کی نعتیہ شاعری میں شاعرانہ رویّے کا شروع ہی سے فقدان ہے یہی وجہ ہے کہ اس میدان میں بڑی شاعری اب تک صرف ایک خواب ہے جو شرمندۂ تعبیر ہونے کے لیے شعرا کو مسلسل دعوت دے رہا ہے۔

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق؟

اب تک اردو نعت کے سرمائے میں اچھی اور مقبول شاعری کے نمونے تو سامنے آئے ہیں لیکن بڑی شاعری کا نمونہ دیکھنے کے لیے بہت تحقیق و تلاش اور گہرے تنقیدی شعور کے ساتھ کڑے انتخاب کی ضرورت ہے۔

مذہبی شاعری میں شاعرانہ رویئے کا فقدان اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ

۱۔ جو طبقہ اس شاعری کی طرف مائل ہوتا ہے وہ شعری نزاکتوں اور فنی ضرورتوں سے کماحقہ' آگاہ نہیں ہوتا۔ اور جان بوجھ کر اس پہلو کو نظر انداز بھی کرتا ہے۔

۲۔ ایسے شعرا جو فنی نزاکتوں کا لحاظ کرتے ہوئے شاعری کرتے ہیں وہ بھی مذہبی شاعری کرتے وقت اپنی قلبی واردات کو جزو ہنر نہیں بناپاتے۔

۳۔ مذہبی شاعری کی تحسین اس شاعری کے موضوع کی تقدیس کے حوالے سے ہوتی ہے فن کی قدر

افزائی کے طور پر نہیں ہوتی کیونکہ اس شاعری کو سراہنے والا طبقہ شعری عظمتوں کی نہیں محض جذبوں کی تحسین (Appreciation) کر سکتا ہے۔ لہٰذا اچھے خاصے شعرا نعت کہتے وقت اپنے سامعین یا قارئین کی فکری سطح پر پورا اترنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے ہنر کا خون ہو جاتا ہے۔

ان حالات میں ضروری ہے کہ نعت گو شعرا کی توجہ بار بار شعر کی عظمتوں اور ہنر کی نزاکتوں کی طرف دلائی جائے۔ سو آج پھر

سوئے قطاری کشتم ناقۂ بے زمام را

کولرج (۱۷۷۲ء تا ۱۸۳۴ء) نے لکھا تھا

شاعری کیا ہے؟ قریب قریب ایک ویسا ہی سوال ہے جیسا کہ یہ سوال کہ شاعر کیا ہے؟ ایک کا جواب دوسرے کا جواب ہے، کیونکہ یہ ایک ایسا فرق ہے جو خود شاعرانہ فطرت (جینیئس) کا نتیجہ ہے۔ شاعرانہ فطرت خود شاعر کے ذہن کے خیالات' جذبات اور تمثالوں کو سہارا دیتی ہے اور انھیں تبدیل کرتی رہتی ہے۔"(۱)

اس لیے ضروری ہے کہ ہر شاعر' شعر کہتے وقت اپنی شاعرانہ فطرت (جینیئس) کو پورے طور پر بروئے کار لائے۔ موضوع خواہ کچھ ہو شاعرانہ جینیئس کا اظہار ضروری سمجھا جائے تب کچھ ڈھنگ کی شاعری ہونے کے امکانات پیدا ہوں گے۔

فرانسیسی نقاد چارلس آگسٹن سانت بیو (۱۸۰۴ء۔ ۱۸۶۹ء) نے جو بات کلاسیک کے بارے میں کہی ہے وہ اعلیٰ شاعری پر بھی صادق آتی ہے اس لیے اس کی تحریر بھی بڑی شاعری کے خدوخال کا راست تصور قائم کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے:۔

"صحیح معنوں میں وہ مصنف حقیقی کلاسیک کے ذیل میں آتا ہے جس نے ذہن انسانی کو ترقی دے کر آگے بڑھایا ہو۔ اسے مالا مال کیا ہو۔ جس نے فکری سرمائے میں بیش بہا اضافہ کیا ہو۔ جس نے واضح طور پر اخلاقی صداقت دریافت کی ہو۔ جس نے انسان کے اندر دائمی جوش و جذبہ پیدا کیا ہو۔ جس نے اپنی فکر مشاہدہ یا ایجاد کے ذریعے ذہن انسانی کو وسعت اور عظمت عطا کر کے حسن اور لطافت کی تہذیب کی ہو۔ جو اپنے مخصوص انداز میں "سب کے لیے" ہو اور "سب سے" مخاطب ہو۔ جس کا طرز ادا ایسا ہو جو ساری دنیا کو اپیل کرے۔ جس کا انداز ایسا ہو جو جدّت کی بدعت کے بغیر بھی نیا ہو۔ جس میں نیا اور پرانا مل کر ایک ہو گئے ہوں۔ جس کے طرز ادا میں یہ خصوصیت ہو کہ ہر دور اسے اپنا طرز ادا سمجھے اور جس کی تخلیقی صفات دائمی اور آفاقی ہوں۔"(۲)

سانت بیو کی اس تحریر سے نو نکات ایسے نکلتے ہیں جن کو پیش نظر رکھ کر کی جانے والی شاعری میں شاعرانہ اپیل پیدا ہونے کے امکانات بدرجہ اتم موجود ہونگے۔ وہ نکات یہ ہیں(۱) اخلاقی صداقت کی دریافت (۲) دائمی جوش و جذبہ پیدا کرنا(۳) ذہن انسانی کو وسعت اور عظمت عطا کرنا۔ (۴) حسن اور لطافت کی تہذیب کرنا۔(۵) سب کے لیے ہونا اور سب سے مخاطب ہونا۔(۶) طرز ادا کا ساری دنیا کو اپیل کرنا۔(۷) پرانے اور نئے کا ایک ہو جانا۔(۸) طرز ادا کا ہر دور کے لیے ہونا اور (۹) تخلیقی صفات کا دائمی اور آفاقی ہونا۔

یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ہر سطح کا شاعر ان نکات کو پیش نظر رکھ کر اعلیٰ معیار ہی کی تخلیقات پیش کرنے کے قابل ہو جائے گا لیکن اتنا ضرور ہے کہ اعلیٰ شاعری کا نقشہ ذہن میں رکھ کر شاعری کرنے سے کبھی نہ کبھی کوئی شعری کارنامہ بھی سرزرد ہو سکتا ہے۔

غالب نے اپنا نظریہ فن اس شعر کے ذریعے پیش کیا تھا

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر

یعنی جب ترسیل خیال کے لیے شاعری کو ذریعہ بنایا جائے گا تو تمثال آفرینی (IMAGERY) کے عمل سے مجرد خیال کو مرئی وجود بخشنا ہوگا۔ موزونی طبع کے زور پر کسی موضوع کے کچھ نکات کو شعری جامہ پہنا دینے سے اچھی شاعری وجود میں نہیں آتی اس کے لیے بھرپور شاعرانہ رویّہ درکار ہے۔

شاعری میں آفاقی کشش (universal appeal) پیدا کرنے کے لیے بلا لحاظ موضوع' شعر کو شعر بنانا ہوگا کیونکہ شاعری کا کوئی قاری یا سامع موضوع کی معلومات حاصل کرنے کے لیے شاعری کی طرف مائل نہیں ہوتا وہ تو شاعری پڑھنے اور سننے کا خوگر ہوتا ہے۔ اسی طرح نعت کا قاری یا سامع بھی اپنے شعری ذوق کی تسکین کے لیے نعت پڑھے گا مجرد معلومات کے لیے تو وہ تاریخ و سیر کی کتب بھی دیکھ سکتا ہے۔

ایسی شاعری جو نعت کے بھی جملہ تقاضے پوری کرتی ہو اور شاعرانہ اپیل بھی رکھتی ہو اردو میں بہت کم ہوئی ہے۔ عصر حاضر میں چونکہ شعرا اس صنف شریف پر خصوصی توجہ دے رہے ہیں اس لیے اس عہد کی اردو نعت میں البتہ اچھی شاعری کے کچھ نمونے سامنے آئے ہیں۔

مشہور و معروف جرمن شاعر' ڈراما نگار اور فلسفی جون وولف گنگ گوئٹے (پ ۲۸ راگست ۱۷۴۹ء وفات ۲۲ مارچ ۱۸۳۲ء) نے اسلامی ڈراما لکھنے کا ڈول ڈالا لیکن وہ اس کام کو پایہء تکمیل تک نہ پہنچا سکا۔ البتہ

ایک نظم(MAHOMET'S SONG) اس نے پورے ادبی شعور اور اعلیٰ شاعرانہ اپروچ کے ساتھ لکھی جو اپنی علامتی زبان اور پرکشش اندازِ نگارش کے باعث قابل صد تحسین کارنامہ ہے۔ علامہ اقبال کی کتاب پیام مشرق (نقش اول ۱۹۲۳ء) میں ایک نظم بعنوان "جوئے آب" اسی نظم کا نہایت آزاد ترجمہ ہے۔ گوئٹے نے نظم کے متن میں کہیں کوئی ایسا اشارہ نہیں کیا ہے جس سے نظم کو نعت سمجھا جا سکے لیکن اس نے عنوان کے ذریعے اس کی تفہیم کی راہ ہموار کر دی ہے۔ علامہ اقبال نے فوٹ نوٹ کے ذریعے وضاحت فرمائی ہے۔ جس کو پڑھ کر نظم کی قرات سے تحریک اسلامی کے خدوخال آپ ہی آپ ابھرنے لگتے ہیں۔ انگریزی ترجمہ بھی "MAHOMET'S SONG" کے عنوان سے ہوا ہے اس لیے نظم کی استعاراتی زبان سمجھنے کے لیے ابتدا ہی میں کلید مہیا ہو گئی ہے۔

معروف شاعر اور محقق جناب ڈاکٹر شان الحق حقی نے گوئٹے کی مذکورہ نظم کا ترجمہ "نغمہ محمدی" کے عنوان سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ نظم آزاد کی شکل میں ہے انگریزی ترجمے کی روشنی میں دیکھیں تو یہ ترجمہ اصل سے قریب تر لگتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نظم پر گفتگو سے قبل مکمل نظم نقل کر دی جائے۔

"نغمۂ محمدی"

وہ پاکیزہ چشمہ
جو اوجِ فلک سے چٹانوں پہ اترا
درخشاں ستارے کی تھی جوت جس کے بدن میں
سحابوں سے اوپر بلند آسماں میں پرافشاں ملائک
کی چشم نگہداشت کے سائے سائے
چٹانوں کی آغوش میں عہد برنائی تک جوئے جولاں بنا
چٹانوں سے نیچے اترتے اترتے
وہ کتنے رنگارنگ انگھڑ خزف ریزے
دامانِ شفقت میں اپنے سمیٹے
بہت سے سسکتے ہوئے رینگتے، سست کم مایہ سوتوں کو
چونکاتا للکارتا ساتھ لیتا ہوا خوش خراماں چلا
بے نمو وادیاں جاگ اٹھیں لہلہانے لگیں
جس طرف اس کا رخ پھر گیا

اس کے فیضِ قدم سے بہار آگئی
اس کے آگے ابھی اور صحرا بھی تھے
خشک نہریں بھی تھیں اترے دریا بھی تھے
سب اسی سیلِ جاں بخش کے منتظر
جوق در جوق پاس اس کے آنے لگے
شور آمد کا اس کی اٹھانے لگے
راہبر ساتھ ہم کو بھی لیتے چلو
کب سے تھیں پستیاں ہم کو جکڑے ہوئے
راہ روکے ہوئے پاؤں پکڑے ہوئے
یاد آتا ہے مسکن پرانا ہمیں
آسمانوں کی جانب ہے جانا ہمیں
ورنہ یونہی نشیبوں میں دھنس جائیں گے
جال میں ان زمینوں کے پھنس جائیں گے
اپنے خالق کی آواز کانوں میں ہے
اپنی منزل وہیں آسمانوں میں ہے
گرد آلود ہیں پاک کر دے ہمیں
آہم آغوشِ افلاک کر دے ہمیں
وہ رواں ہے رواں ہے رواں اب بھی ہے
ساتھ ساتھ اس کے اک کارواں اب بھی ہے
شہر آتے رہے شہر جاتے رہے
اس کے دم سے سبھی فیض پاتے رہے
اس کے ہر موڑ پر ایک دنیا نئی
ہر قدم پر طلوع ایک فردا نئی
قصر ابھرا کئے خواب ہوتے گئے
کتنے منظر تہِ آب ہوتے گئے

شاہ اور شاہیاں خواب ہوتی گئیں
عظمتیں کتنی نایاب ہوتی گئیں
بے دور حمت کا دھارا مسلسل رواں
از فلک تا زمیں
از زمیں تا فلک
از ازل تا ابد جاوداں بے کراں
دشت و در گلشن و گل سے بے واسطہ
فیض یاب اس سے کل
اور خود کل سے بے واسطہ

انگریزی میں ROCK-BORN STREAM استعمال ہوا ہے جس کو علامہ اقبال نے "جوئے آب" اور حقی صاحب نے پاکیزہ چشمہ کہا ہے۔ جوئے آب ہو یا چشمہ دونوں زندگی اور وقت کے مسلسل آگے بڑھنے کی علامتیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو ایک جوئے آب یا چشمے سے تعبیر کرنے میں جو خوبی ہے اس کا بیان لفظوں میں ممکن نہیں ہے۔ پانی سے زندگی وجود میں آئی ہے اور اس کے سیل میں ایک زندگی بخش قوت موجود ہوتی ہے۔ حضور انور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات میں انسانیت کی نفع رسانی کے جو جوہر ہیں اور آپ کے پیغام میں جو قوت ہے اس کا اظہار ROCK BORN STREAM سے بھی بڑی عمدگی سے ہوتا ہے۔ اوجِ فلک سے مراد وہ تمام رفعتیں ہیں جو آپؐ کی ذات کے حوالے سے تصور میں لائی جاسکتی ہیں اور جو ماورائے ادراک ہیں۔ یہ الفاظ آسمانی پیغام کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں حقی صاحب نے "اوج فلک سے چٹانوں پہ اترا" کہہ کر بلندی سے خلق کی نفع رسانی کے لیے نیچے آنے کا احوال بیان کیا ہے۔ اس میں کہانی کا پہلا اور آخری سرا آگیا ہے بات تو مکمل ہوگئی ہے لیکن علامہ نے اپنے آزاد ترجمے میں یہاں بڑی محکم شاعرانہ فطرت (جینیئس) کا ثبوت دیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

در خواب ناز بود بہ گہوارۂ سحاب
واکرد چشم شوق بآغوش کوہسار

وہ (جوئے آب) بادل کے جھولے میں خواب استراحت کے مزے لے رہی تھی پھر اس نے پہاڑوں کی گود میں آنکھ کھولی۔ گویا پہلے وہ پانی کی صورت میں بادلوں میں پوشیدہ تھی پھر بارش بن کر چٹانوں پر برس

گئی یا اتر گئی۔ چٹان سختی اور جمود کی علامت بھی ہے مخالف قوتوں کا استعارہ بھی اور مکہ مکرمہ کے جغرافیائی محل وقوع اور ماحول کا منظر نامہ بھی۔ حقی صاحب نے "چٹانوں پہ اترا" کہہ کر پورا ماحول عکس بند کر دیا ہے۔

"چٹانوں کی آغوش میں عہد برنائی تک جوئے جولاں بنا"

اس ایک لائن میں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے عہد طفولیت سے عہد جوانی اور پھر اعلانِ نبوت تک کا احوال بڑی خوبی سے بیان ہو گیا ہے۔

چٹانوں سے نیچے اترتے......اس کے فیض قدم سے بہار آگئی

پھر شاعر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تمام جدو جہد کا متحرک منظر دکھایا ہے جو آپ نے تبلیغ دین متین کے سلسلے میں فرمائی۔ ان لائنوں میں کار رسالت کی معاونت کرنے والوں کا احوال بھی قلبند ہو گیا ہے۔ مفلس، مسکین، کمزور اور ضعیف لوگوں کی کاروانِ اسلام میں شمولیت کا پورا نقشہ بھی کھینچ گیا ہے اور چمن زار حیات میں زندگی آمیز حرکت پیدا ہونے سے جو بہار آئی ہے اس کی تصویر کشی بھی ہو گئی ہے۔

اس کے آگے ابھی اور صحرا......آہم آغوش افلاک کر دے ہمیں

ان لائنوں میں ان تمام وحشی قبائل اور بے یار و مددگار انسانوں کا ذکر ہے جو تہذیب و تمدن سے ناآشنا تھے اور جنگل کے قانون کے تحت جرم ضعیفی کی سزا بھگت رہے تھے۔ وہ آسمانی ہدایت کے محتاج تھے لہذا اسلام کا سرمدی پیغام پا کر انھیں اپنی حقیقت سے آشنائی ہوئی تو انھیں بلندیاں چھونے کا خیال آیا۔ دین کی روشنی پا کر انھیں یہ شعور بھی مل گیا کہ اب تک وہ پستیوں کا شکار تھے۔ جہالت اور نظامِ کہن کی پستیوں نے ان کی راہیں روک رکھی تھیں۔ اب انھیں اپنے مقصد حیات سے آگاہی نصیب ہوئی ہے اور اس کے ساتھ ہی اس ہستی کی عظمتوں کا ادراک بھی ہوا جس کے توسط سے وہ ظلمتوں سے نکل کر روشنی میں آگئے۔ انہوں نے جان لیا کہ صرف اسی ایک ہستی کے دامن سے لپٹ کر وہ دین و دنیا کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہو سکتے ہیں سو وہ اپنے رہبر و رہنما آقا و مولا رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کرتے ہیں کہ اے تزکیہ کرنے والے ہمارے نفوس کو پاک کر دے اور ہمیں افلاک کی بلندیوں سے ہمکنار کر دے۔

پھر شاعر کہتا ہے کہ اسی پاکیزہ سیل رواں کو دوام اور ہمیشگی حاصل ہے وہ آج بھی مکمل آب و تاب اور شان و شوکت کے ساتھ رواں دواں ہے یعنی اس سرمدی پیغام کا سفر اب بھی جاری ہے۔ اب بھی اس حیات بخش پیغام کو قبول کرنے کے لیے جوق در جوق لوگ اسکی طرف آرہے ہیں۔ مختلف تہذیبوں کے دھارے۔ مختلف رنگ و نسل کے قافلے اور مختلف زبانیں بولنے والے گروہ اس سیل رواں میں آ آکے مل رہے ہیں اور یوں اس کی قوت میں روز افزوں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ شہر بستے اور اجڑتے جا رہے ہیں لیکن اس

دریائے رحمت کی روانی میں کوئی فرق نہیں آرہا ہے جو جاری ہے اور اس کی جاودانی یقینی ہے۔ اس چشمۂ فیض رسالت سے ہر قریہ اور ہر زمانے کے لوگ سیراب ہوتے ہیں۔ اس کی فیض رسانی سے ہر ہر موڑ پر نئی دنیائیں آباد ہو گئی ہیں اور سفر کی ہر اگلی منزل اس کے تابناک مستقبل کی روشن دلیل فراہم کرتی رہتی ہے عالمی منظر نامے پر بے شمار قلعے ابھرے اور محل تعمیر ہوتے گئے لیکن وہ جلد مٹ گئے اور خواب کی طرح ایک مرتبہ نظر آنے کے بعد ہمیشہ کے لیے نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ بہت سے منظر اس طرح فضاؤں میں تحلیل ہو گئے جس طرح پانی میں مل گئے ہوں۔ بادشاہ اور بادشاہتیں اسی طرح خواب و خیال ہو گئیں سلطانی قوت کے بل بوتے پر قائم ہونے والی عظمتیں مٹ گئیں۔ لیکن وہ رحمت کا دھارا۔۔۔ وہ فیض نبوت 'وہ چشمۂ نور و نکہت وہ سیل رافت اب بھی اسی جوش و خروش اور قوت کے ساتھ رواں ہے۔ اس کے استمرار میں کوئی فرق نہیں آیا ہے پیام رسالت حرکی ہے اس پیغام میں جمود قابل قبول شے نہیں ہے اس لیے یہ حرکی نظام اگلی منزلوں کی طرف اب بھی پیش قدمی کر رہا ہے اس پیغامِ عمل کا سفر آسمان سے زمین اور زمین سے آسمان کی جانب مسلسل جاری ہے۔ سفر کی یہ کیفیت جاودانی ہے کیونکہ وہ نور رسالت بیکراں ہے۔ اس کی بارش کرم دشت و در باغ اور پھول سب کے لیے ہے لیکن اسے اس فیض رسانی کے صلے میں کسی سے کچھ نہیں چاہیے اس لیے وہ اپنی ذات میں تمام تر فیض رسانی کے سامان لیے آگے ہی آگے کی طرف رواں ہے اور سب سے بے نیاز ہے۔ اس کے پیغام سے پوری انسانیت فائدہ اٹھا رہی ہے لیکن وہ کل عالم سے بے واسطہ ہے یعنی اس کے لب پر یہی ہے کہ مجھے انسانوں سے کچھ اجر نہیں چاہیے۔

واقعاتی صداقتوں تاریخی حقیقتوں اور دینی سچائیوں کی اس قدر خوبصورت شعری عمل کے ذریعے صورت گری کی گئی ہے کہ شاعر کی شعری دانش پر حیرت ہوتی ہے۔ سچ ہے کوئی بھی نابغہ اور پیدائشی شاعر جب کسی موضوع کو چھوتا ہے تو اس کا حق ادا کر دیتا ہے۔ گوئٹے یقیناً ایک عبقری تھا اس نے جب کائنات کے سب سے بڑے انسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوچا تو اسے اپنے مجرد تاثرات کو تجسیم کے عمل سے گزارنے کے لیے عرب کے جغرافیائی ماحول نے از خود علامتیں فراہم کر دیں جنھیں اس نے اپنے ہنر کا جزو بنانے کے لیے اپنی تمام تر تخلیقی صلاحتیں صرف کر دیں اور اس طرح وہ ایک لافانی نظم لکھنے میں کامیاب ہو گیا۔

پیغمبر اسلام اور پیام اسلام کا اس قدر جامع ذکر مکمل شاعرانہ رویے کے ساتھ شاید ہی کسی اور شاعر نے کیا ہو۔ اردو میں شعری رویے کی پختگی۔ خیال کی پاکیزگی اور ابلاغ کے بھرپور امکانات رکھنے والی کوئی اور نظم اس قدر ہنر مندی سے نہیں لکھی گئی جتنی خوبصورت شکل میں ترجمہ ہو کر گوئٹے کی یہ نعت آئی ہے۔ حق

صاحب کا یہ ترجمہ بلا شبہ ہزاروں طبع زاد نعتیہ نظموں پر بھاری ہے۔

گوئٹے کی اس نظم میں اعلیٰ شاعری کی کم و بیش تمام خصوصیات جمع ہو گئی ہیں اسی لیے اس نظم کا اسلوب ہر عہد کے قاری کے لیے لائق کشش ہے۔ یہی شاعری ہے جس میں شاعر سب سے مخاطب ہے اور جو سب کے لیے ہے۔

اقبال سے قبل ہماری اردو شاعری میں نظم بحیثیت صنفِ سخن داخل تو ہو چکی تھی لیکن نظیر اکبر آبادی سے محمد حسین آزاد حالیؔ اور اسمٰعیل میرٹھی تک شعرا نظموں کے عنوانات کی مختلف جہتوں کو نظمانے کے عمل سے آگے نہ بڑھ سکے تھے اور بیشتر نظمانے کا عمل (VERSIFICATION PROESS) شاعرانہ رویے سے عاری تھا خود علامہ اقبال کی بانگ درا میں شامل نظمیں اپنے عنوانات کے مختلف زاویوں پر تبصرے کی مثال ہیں۔ شکوہ جواب شکوہ اپنی مقبولیت کے باوجود شاعری کے اعلیٰ نمونوں میں شامل کیے جانے کے لائق نہیں ہیں لیکن ''مسجد قرطبہ'' شاعرانہ رویے کے باعث ایک تخلیقی شاہکار کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ اس نظم میں فلسفیانہ گہرائی اور شاعرانہ بلند خیالی کے باعث تخلیقی عمل کو وہ قوت میسر آئی ہے کہ شعری عمل نے آفاقی قدروں کو بھرپور طریقے سے اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

اقبال کے بعد نظم میں گیرائی اور گہرائی کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ ن۔ م۔ راشد۔ میراجی اور فیض احمد فیض کے اثر سے اب اردو نظم فلسفیانہ فکر کے جمالیاتی اظہار میں کامیاب دکھائی دیتی ہے۔ لیکن نعتیہ شاعری میں ابھی وہ شاعرانہ رویہ کم کم دکھائی دیتا ہے کہ یہ شاعری شعری دلکشی کے حوالے سے بھی لائق توجہ ہو سکے۔

موضوع کی پاکیزگی 'تقدس اور ارنعیت کے باعث نعتیہ شاعری کو لائق احترام جاننے والے شعرا اور نقادانِ فن اپنے تمام تر اخلاص کے باوجود تربیت ذوق کے معاملے میں دنیا کی کچھ رہنمائی نہیں کر سکتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ شعر کی آفاقی قدروں کو دیانتداری سے سمجھا جائے اور اپنے ہنر کا جزو بنانے کی پُر خلوص کوشش کی جائے۔ اور جہاں یہ کوشش اپنی تمام تر سچائی کے ساتھ نظر آئے اسے سراہا جائے تاکہ نعت کو عقیدت مندی کے محدود دائرے سے نکال کر تحسین فن کے آفاق سے ہم کنار کیا جا سکے۔ نعت میں تو فن کی آفاقی قدروں کو سمیٹنے کی صلاحیت ابتدا ہی سے موجود رہی ہے۔ ذرا بنی نجار کی بچیوں کے وہ نعتیہ اشعار یاد کیجیے جن میں بھرپور استعاراتی زبان استعمال کی گئی ہے۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

(ہم پر وداعی ٹیلوں کے پیچھے سے چاند طلوع ہو گیا۔ اللہ کے لیے پکارنے والے کی دعوت پر ہمارے لیے شکر ادا کرنا ضروری ہے) یہ استعاراتی زبان راست بیان صداقت سے زیادہ خوبصورت بھی ہے اور شاعرانہ اپیل بھی رکھتی ہے۔ علامتیں اپنی خوبصورتی کے باعث شاعری میں نہ صرف اچھی لگتی ہیں بلکہ اپنی تفہیم کے لیے قاری میں ایک تجسس بھی پیدا کر دیتی ہیں درج بالا اشعار میں بدر کا استعارہ یقیناً اپنے ابلاغ کے لیے ہر عہد کے قاری کا تجسس ابھارتا رہے گا اور حضور اکرم کے چہرۂ انور کی تابانی کے تصور سے اذہان منور ہوتے رہیں گے۔

ذوق شعری کی تربیت ہی سے تو غالب کے درج ذیل اشعار میں نعت کے پہلو تلاش کر لیے گئے ورنہ اپنے شاعرانہ رویّے کے باعث تو ان اشعار کا سیاق مبنی بر تعمیم (GENERALIZATION) تھا۔

زباں پہ بار خدایا! یہ کس کا نام آیا؟
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
رتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں

کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لیے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

آج کا شاعر بھی استعاروں اور علامتوں کو اپنی تمثال آفرینی کے باعث اپنی نعتیہ شاعری کا جزو بناتا ہے اور کامیاب رہتا ہے۔ لیکن دنیائے نعت میں اس شاعری کی تحسین کا مذاق رکھنے والے لوگ کم ہیں میرے نزدیک سلیم گیلانی کی یہ نظم شاعرانہ رویّے کے اظہار اور تمثال آفرینی (IMAGERY) کی عمدہ مثال ہے۔

جب وہ چاند نہ ابھرا تھا — کتنا گھور اندھیرا تھا
پورن ماشی کا چندا — پہلی رات کا لگتا تھا
صبح کے چڑھتے سورج پر — شام کا دھوکا ہوتا تھا
راہیں کتنی ویراں تھیں — جیون کتنا سونا تھا
آنکھیں جاگتی رہتی تھیں — پر دل سویا سویا تھا
دریا طوفاں طوفاں تھے — ساحل دریا دریا تھا

پنچھی گاتے تھے لیکن شاخوں پر سناٹا تھا

رم جھم برکھا ہوتی تھی پھر بھی انساں پیاسا تھا

اِس نظم میں عہدِ جاہلیت کے حوالے سے ساری بد صورتیوں کا احوال بڑی شاعرانہ اپیل کے ساتھ نظم ہو گیا ہے اور اس نظم کی ردیف "تھا" کے ذریعے حال یعنی اس چاند کے ابھرنے کے بعد (بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد) ان تمام بد صورتیوں کے خاتمے کا اعلان بھی کر دیا ہے۔

شاعرانہ رویے کی آب و تاب جس نعتیہ نظم میں بھی ہو اور وہ جس شاعر نے بھی لکھی ہو وہ میرے اس مضمون کا ایک حصہ تصور کی جا سکتی ہے۔ میں بھی اپنی بات کی وضاحت اور ذوق نعت کی تربیت کے لیے اعلیٰ شعری نمونوں کی تلاش جاری رکھوں گا......نا تمام۔

کتابیات

۱......ارسطو سے ایلیٹ تک۔ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ طبع سوم ۱۹۸۵ء نیشنل بک فاؤنڈیشن۔ اسلام آباد۔

۲......پیام مشرق۔ اقبال۔ طبع ہشت دہم ۱۹۸۶ء شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور۔

۳......بہر زماں بہر زباں۔ نور احمد میر ٹھی۔ طبع اول ۱۹۹۶ء ادارۂ فکر نو' کراچی۔

۴......نعت رنگ کتابی سلسلہ نمبر ۲۔ اقلیم نعت۔ ۱۹۹۶ء کراچی۔

نوٹ:۔ شان الحق حقی صاحب کا ترجمہ سب سے پہلے "جواہر النعت" (۱۹۸۱ء) مرتبہ عزیز (صابری) احسن۔ میں صفحات نمبر ۲۴۲ تا ۲۴۴ پر چھپا تھا۔ شان الحق حقی صاحب کی کتاب درپن درپن مکتبہ اسلوب کراچی کے زیر اہتمام ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ راقم الحروف نے اس مضمون میں یہ نظم نور احمد میرٹھی کی کتاب بہر زماں بہر زباں سے نقل کی ہے اس نظم میں کچھ لائنیں یا مصرعے بدلے ہوئے ہیں اور چونکہ میر ٹھی صاحب نے درپن درپن کا حوالہ دیا ہے اس لیے میرے نزدیک زیادہ مستند متن یہی ہے۔

ع۔ ا

دکن کے چند نعت گو شعرا

سید ابراہیم ندوی

نعت گوئی کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابو طالب نے اس فن کو ایجاد کیا۔ اس کے بعد صحابہ کرام نے اس صنف کو ترقی دی کیونکہ صحابہ کرام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی والہانہ محبت اور عقیدت تھی جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ اس کی جھلک عروہ بن مسعود الثقفی کے اس بیان سے ملتی ہے۔

"لوگو! میں نے کسریٰ' قیصر اور نجاشی کا دربار دیکھا مگر اصحاب محمدؐ جو تعظیم محمدؐ کی کرتے ہیں وہ تو کسی بادشاہ کو خود اس کے دربار اور ملک میں حاصل نہیں۔"

صحابہ کرام حضور اکرم کو اپنی جان' اپنی اولاد اور والدین سے زیادہ عزیز تصور کرتے تھے اس وجہ سے انہوں نے نعت گوئی میں اپنے جوہر دکھائے۔ صحابہ کرام میں نعت گو شعرا بہت سے ہیں لیکن حضرت حسان بن ثابتؓ' حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت کعب بن مالکؓ کو نعت گوئی میں بلند مقام حاصل ہے۔ صحابہ کے بعد تابعین نے اس فن کو برقرار رکھا اور اس کے بعد ہر دور میں عرب شعرا نے اس موضوع کو اختیار کیا ہے۔

متاخرین میں امام بوصیریؒ نے اس فن کو اوج کمال تک پہنچا دیا۔ بلاشبہ ان کا قصیدہ بردہ تمام قصائد میں ممتاز ہے۔ ہندوستان کے علماء و فضلاء نے علوم اسلامیہ کے ہر موضوع پر طبع آزمائی کی اور ان کی ترقی میں اہم رول ادا کیا۔ ہندوستان کے شعرا نے نعتیہ کلام کو بھی موضوع سخن بنایا اس طرح اردو زبان میں نعتیہ کلام کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ عربی زبان میں بہت سے ہندوستانی شعرا نے نعتیہ کلام کہا ہے اور انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت میں وہ کسی دوسری قوم سے کم نہیں ہیں۔ یہاں بھی ہر دور میں شعرا نے نعت گوئی کو ترقی دی۔ دکن میں جہاں ایک عرصہ تک اسلامی حکومت قائم رہی وہاں کے فرمانرواں نے تمام ہندوستان سے ممتاز علماء اور شعرا کو حیدرآباد بلایا اور حیدرآباد کو علم و ادب کا گہوارہ بنا دیا۔ یہاں کے شعرا نے بھی نعتیہ کلام کو اپنا موضوع سخن بنایا۔ عربی زبان میں بھی انہوں نے نعتیہ قصائد کہے جو سوز و گداز' تاثیر و عقیدت کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ ان شعرا میں مولانا آزاد بلگرامی' وحید الدین العالی' مولانا سید ابراہیم' آغا شوشتری' مولانا اشرف شمسی اور مولانا سید نبی حیدرآبادی قابل ذکر ہیں۔

زیرِ نظر تحریر میں انہیں کے کلام کا گلدستہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ توقع ہے کہ ان کے کلام کی خوشبو سے محفل معطر ہو جائے گی اور ایمان میں تازگی پیدا ہوگی۔

ان تمام شعرا کے کلام کو پیش کرنا مشکل ہے اس لیے صرف دو ممتاز شعرا کے کلام کو آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

دکن کے شعرا میں مولانا وحید الدین العالی کا نام قابل ذکر ہے۔ یہ طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ ادب عربی کا اچھا ذوق رکھتے تھے ان کی شاعری میں عربیت پوری طرح جلوہ گر ہے۔ ان کے کلام میں عجمیت کا شائبہ نہیں پایا جاتا۔ انہوں نے اپنے نعتیہ قصیدہ میں امام بوصیریؒ کی تقلید کی ہے اور اپنے قصیدہ کا آغاز تشبیب سے کیا ہے۔ وہ اس طرح اپنا قصیدہ شروع کرتے ہیں۔

هل من يبلغ من اهوى واعشقه

عنى تحية شوق حين يرمقه

هل من يجئنى بانباء الاحبة من

ارض لها ارج يذكو فانشقه

هل من بيبا وجدى من شغفت به

حاسطاً بفئوادى كاد يزهقه

لما وقفت به ابكى لفرقتها

قال العشيره كادا لدمع يغرقه

کون ہے جو میری طرف سے تحیۂ شوق پہونچادے جس کو میں دل و جان سے چاہتا ہوں، جبکہ وہ نظر التفات کریں۔ کون ہے جو میرے دوست کی خبریں میرے پاس لائے اس سرزمین سے جو خوشبو سے معطر ہے، تاکہ میں اس خوشبو کو سونگھوں۔ شاعری اپنی تمہید میں کہتا ہے کہ کوئی انسان ایسا مل جائے جو اس کے سلام کو آنحضور ﷺ تک پہنچادے۔ جن کو وہ بہت چاہتا ہے اور سرزمینِ مدینہ کی خبر لائے جو حضور ﷺ کی ذات کی وجہ سے خوشبودار ہے، تاکہ شاعر اس کی خوشبو سے اپنے ایمان کو تازہ کرے۔ اس کے بعد وہ اپنے خیالات کی دنیا میں آگے بڑھتا ہے اور کہنے کی جرأت کرتا ہے کہ کون ہے جو میری داستانِ غم کو اس ذات کو پہنچادے، جس کی محبت کا میں شکار ہوں، ایسی محبت جو دل پر غالب آگئی اور قریب ہے کہ وہ اس کو نکال دے، جب میں ان کی فرقت میں رونے لگا تو اہل خاندان کہنے لگے کہ آنسو تو اس کو غرق کردیں گے، یعنی وہ اتنا آنسو بہا رہا ہے کہ کہیں وہ اس کی وجہ سے ہلاک نہ ہو جائے۔ تشبیب کے بعد عالی مرحوم گریز کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وشافع الناس فی الاخری و ملجاھم
ومطلع الخیر فی الدنیا و مشرقہ
نور تضئی بہ الدنیا و خرتھا
کالبرق فی الافق الاعلی تالقہ

آپ آخرت میں لوگوں کی شفاعت کرنے والے ہیں اور ان کے لیے ملجا ثابت ہوں گے یعنی لوگ آپ کی پناہ حاصل کریں گے۔ دوسرے مصرع میں شاعر نے جامع اور مانع الفاظ میں آپ کی تعریف کی ہے۔ دنیا میں خیر کے آپ مطلع ہیں۔ تمام خیر کے سرچشمہ آپ ہی ہیں۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ بلاشبہ اس مادی دور میں بھی آپ ہی کی تعلیمات میں انسانیت کی فلاح ہے۔ اسی طرح حالی مرحوم کہتے ہیں۔ آپ ایسی روشنی کے مینار ہیں جس سے دنیا اور آخرت دونوں روشن ہیں۔ جیسے کہ بجلی بلند افق پر چمکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کا تذکرہ اکثر نعت گو شعرا نے کیا ہے لیکن مولانا حالی نے نعل مبارک کو ایک نئے انداز میں بیان کیا۔

فشمع نعل رسول اللہ اضوء من
بدر یکون لہ نور یفرقہ

سول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کا تسمہ بدر سے زیادہ منور ہے کیونکہ چاند کی روشنی عارضی ہوتی ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی تا قیامت برقرار رہے گی۔

آپ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے مولانا حالی کہتے ہیں۔

خیر النبیّن لا تحصی فضائلہ
فیحتوبھا بلیغ القول مغلقہ

معراج کا تذکرہ تمام شعرا نے پُرزور الفاظ میں کیا ہے۔ کیونکہ یہ ایک عظیم معجزہ تھا تاریخ کا سنہرا باب ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ترین بندہ کو فرش سے اٹھا کر عرش تک پہونچا دیا۔ آپ کی اس فضیلت اور بلندی میں کوئی نبی آپ کا ہمسر نہیں۔ مولانا حالی کا شعر ملاحظہ کیجئے۔

اذاسری للقاء اللہ مرتقیا
الی السماء بمقام کان یانقہ
وکیف یصحبہ من لو سری معہ
لشاھدت عینہ نورا یبھقہ

ایک دوسرے قصیدے میں حضرت حالی کہتے ہیں۔

ولم یدرك حقیقته سوی من
بداء من عنده حق صراح
واقصیٰ ماعلمنا انه من
عبادالله خیر لابراج

آخر میں فرماتے ہیں۔

فعطفا یا رسول الله عطفا
علی برحمته فیها نجاح
علیك اولٰئك الشرفاء فضلا
سلام الله ماانبلج الصباح

دکن کے ایک دوسرے شاعر جن کے نعتیہ کلام کو آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں وہ علامہ سید ابراہیم ہیں۔ موصوف جامع عثمانیہ کے شعبۂ عربی سے ایک زمانہ تک بحیثیت استاد وابستہ رہے۔ وہ عربی زبان پر قدرت کاملہ رکھتے تھے۔ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک جلیل القدر عالم اور صوفی بھی تھے۔ جس کی وجہ سے ان کی شاعری میں عالمانہ بصیرت، اعتدال اور سادگی پائی جاتی ہے۔

علامہ ابراہیم نے اپنے قصیدہ کا نام "لامیة الدکن صمصمة الزمن" رکھا ہے کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ لامیة العرب للشنفری کی شرح لکھنے کے بعد خیال آیا کہ کیوں نہ لامیة الدکن کے نام سے قصیدہ کہا جائے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے علاوہ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی منقبت شامل ہو۔ چنانچہ انہوں نے قافیہ الدال پر ایک قصیدہ منظوم کیا۔

علامہ موصوف نے اپنے قصیدہ کا آغاز قدیم شاعری کے روایتی انداز سے نہیں کیا۔ انہوں نے تشبیب اور غزل کے بجائے حمد باری کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نعتیہ کلام کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس طرح انہوں نے جدت پسندی سے کام لیا اس دور میں جبکہ دور جاہلیت کی تشبیب کو پسند نہیں کیا جا رہا ہے اور حقیقت نگاری کو جو اسلامی تعلیم سے زیادہ قریب ہے مستحسن تصور کیا جاتا ہے اس لیے اسلامی شاعر کو تقلید کے بجائے اسی نہج کو اختیار کرنا چاہیے۔

علامہ موصوف نے حقیقت نگاری کو ترجیح دی اور مبالغہ آمیزی سے گریز کیا۔ انہوں نے اپنے مدحیہ قصیدہ کا ماخذ قرآن و حدیث کو بتایا۔ میں ان کے بعض اشعار کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔

وماهو الاالمصطفیٰ سیدالوریٰ

محمد الهادی النبی المجل
تقدم قبل الکائنات وجوده
المسبح للّٰہ العلی المحمدل
وکان نبیاحین آدم لم یکن
لہ فی عروق الطین والماء ھیکل

ان اشعار میں علامہ ابراہیم نے بہت سادگی کے ساتھ یہ بیان کیا ہے۔ محمد مصطفےؐ تمام کائنات کے سردار ہیں۔ رہنما اور قابل احترام ہیں اور دوسرے شعر میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے قبل آپ کو پیدا کیا' اور آپ اللہ کی حمد و تسبیح بیان کرنے والے ہیں' اس کے بعد کہتے ہیں کہ آپ روز اول سے نبی تھے جبکہ حضرت آدم آب و گل کے درمیان خلقت کے مراحل طے کر رہے تھے۔

علامہ موصوف کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے۔

کنت نبیا و آدم بین الماء والطین

علامہ ابن حجر العسقلانی نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے۔

نبی خص بالتقدیم قدما
و آدم بعد فی طین وماء

علامہ ابراہیم نے وحید الدین عالی کی طرح لیلۃ الاسراء کا تذکرہ اس انداز میں کیا ہے۔

بلیل سری نحو العلی یسری بھا
فوائد آیات مالیس یعقل
وصلے بجمع الانبیاء لیعرفوا
اذاً انھم اتباعہ حین ارسلوا
ان منھم الاومن بحر علمہ
علی ما اقتصادہ منتھل اومعلل

قرآنی آیتوں کی روشنی میں علامہ موصوف نے حضور اکرم ﷺ کے اسراء کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

فلم یکن الاقاب قوسین منہ بل
کما جاء او ادنیٰ یخبر منزل

واذا القرب منه لم ینل قبل مرسل
ولاملك ممن یجل و ینیل

علامہ ابراہیم نعتیہ کلام کے بعد صحابہ کرام کے اعلیٰ اوصاف اور اخلاق حسنہ کو قرآنی آیتوں کی روشنی میں اس طرح پیش کرتے ہیں۔

شداد علی الکفار ولینون بینهم
وهینون فیهم بالمکارم جملوا
تراهم رکوعا سجدا یبتغون ما
لهم فیه رضوان من الله یبذل
لقد مثلوا بالزرع اخرج شطاه
فاعجب زرّاعاله حیث یحقل

اس شعر میں قرآن مجید کی آیت "محمد رسول الله والذین معه' اشد آء علی الکفار رحماء بینهم" کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

نعتیہ شاعری میں اعتدال پسندی اور حقیقت نگاری ایک مشکل امر ہے۔ سب سے بلند شاعر وہ ہے جو نعتیہ کلام میں خالق کائنات اور مخلوق اعلیٰ کے درمیان فرق کرے اور شریعت کی حدود سے تجاوز نہ کرے، ورنہ نعت کے بجائے وہ گمراہی کا سبب بن جاتا ہے۔ ان دونوں شعرا نے اعتدال پسندی سے کام لیا اور خاص طور سے علامہ ابراہیم نے قرآن وحدیث کو اپنا سرچشمۂ علم بنایا۔

تقسیمِ ہند کے بعد مغربی بنگال میں نعت گوئی

تحریر:
ترتیب:

مغربی بنگال (بھارت) میں تقسیم ہند کے بعد بھی مسلمان اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں اور اسلامی شعائر، اسلامی تہذیب اور اپنی روایات کو بر قرار رکھے ہوئے ہیں۔ یہ سر زمین کبھی صوفیوں اور ولیوں کی سر زمین رہی ہے اور آج بھی علماء و مشائخ کے قافلے یہاں اُترا کرتے ہیں۔ کلکتہ، ہوڑا، ہوگلی، ۲۴ پر گنہ، مرشد آباد، مدناپور اور دیناجپور اضلاع میں اسلامی مدارس اور خانقاہیں بھی آباد ہیں۔

بنگالہ کی سرزمین خصوصیت کے ساتھ عالم اسلام کے دو اولیائے کاملین حضرت شاہ علماءالحق پنڈوی قدس سرہٗ العزیز (حضرت مخدوم اشرف سمنانی علیہ الرحمہ کے پیر و مرشد) اور غوث بنگالہ حضرت شمس الدین (رانی گنج) نور اللہ مرقدہٗ کے سبب روحانیت کی خوشبو سے معمور ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے والد بزرگوار حضرت مولانا خیر الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے علمی و روحانی فیوض و برکات کے سبب اس دھرتی کو بہت ہی شہرت و عظمت نصیب ہوئی۔

بنگال میں نعت گوئی کی روایت خانقاہوں سے نکل کر عام شاہراہوں میں عید میلادالنبی کے جلسوں اور نعتیہ مشاعروں کے ذریعہ پہنچی۔ آج بھی جس قدر مذہبی جلسے بنگال میں ہوتے ہیں پورے بھارت کے کسی صوبہ میں اتنے جلسوں کا انعقاد نہیں ہوتا اور ان جلسوں میں نعت گوئی اور نعت خوانی کا خصوصیت کے ساتھ اہتمام کیا جاتا ہے۔

یوں تو نعت گوئی سے متعلق تاریخی کتب اور تذکروں میں بنگال کے نعت نگاروں کا ذکر نہیں ملتا ہے لیکن ایسا بھی نہیں کہ اس دھرتی نے مداحان مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثناء) کو جنم ہی نہیں دیا۔ تقسیم ہند کے بعد اس سرزمین پر کئی نعت گو شعراا بھر کر سامنے آئے اور ان میں اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ بھارت میں ادبی حلقوں میں نعتیہ شاعری اور نعت گویوں کو در خور اعتنا نہیں سمجھا گیا اور آج بھی نعتیہ شاعری اور نعت نگاروں کو اُن کا جو جائز مقام ملنا چاہیے تھا وہ حاصل نہیں ہو سکا۔ تاہم کچھ درد مند اور مخلص حضرات اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

پاکستان میں نعت کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور نعت نگاران پاک نے نعت کو نئی اردو شاعری کے مقابل جس انداز میں لا کھڑا کیا ہے اس نے ہند کے نعت سے شغف رکھنے والے ادباؤ شعراؔ کو بھی حوصلہ دیا ہے اور

بدلیاں کافی حد تک چھٹ چکی ہیں۔

مغربی بنگال میں اب نعتیہ مشاعروں کے انعقاد اور نعت گوئی کے رجحان میں کافی تیزی آئی ہے۔ شعراً کے نعتیہ مجموعے بھی چھپ کر منظر عام پر آرہے ہیں۔ چند کے اسماحسب ذیل ہیں۔

۱۔ طلوع سحر از نواب دہلوی
۲۔ ایمان کی خوشبو از ضمیر یوسف
۳۔ مرکز نور از حلیم حاذق
۴۔ نغمات یوسنی از مولانا شیم الزماں
۵۔ انمول ہیرا از شکیل بنی نگری
۶۔ مجموعۂ نعت از حافظ کرامت الرحمٰن
۷۔ گلدستۂ عقیدت از شیم آنولوی
۸۔ ظہور قدسی از پنڈت سادھورام آرزو سہانپوری

عصر حاضر کے چند نعت گویانِ بنگال

۱۹۴۷ء کے بعد مغربی بنگال کے جن شعراً نے نعت کے فروغ وار تقامیں اہم کردار ادا کیا ہے اور آج بھی اس راہ پر رواں دواں ہیں، ان کے اسماحسب ذیل ہیں۔

۱۔ حاذق انصاری (مرحوم)

نام۔ محمد یونس، ولادت۔ ۱۹۳۰ء بمقام ہوڑہ (مغربی بنگال) تخلص۔ حاذق، شعری سفر کا آغاز۔ ۱۹۴۵ء۔ انتقال۔ ۱۹۷۶ء۔ آپ نے غزلیں، نظمیں، قطعات ورباعیات بھی خوب کہی ہیں۔ آپ کے فن اور شخصیت پر ایک تحقیقی و تنقیدی کتاب زیر ترتیب ہے۔

آپ نے نعتیں محض رسمی طور پر نہیں کہی ہیں بلکہ اس میں عشق وایمان کی حدت کے ساتھ ساتھ ادبی وفنی تب و تاب بھی ہے۔

چند اشعار

صدقے میں مصطفیٰ کے پروردگار سن لے
سن لے مری دعائیں بس ایک بار سن لے

دربار مصطفیٰ میں اک بار حاضری ہو
بے روح زندگی کے دل کی پکار سن لے

محمد کے جلوے کا یہ معجزہ ہے
منور منور جہاں لگ رہا ہے

ہے نعت رسالت کا اعجاز یارو
یہ دل ساز وحدت پہ نغمہ سرا ہے

نقشِ پائے نبی دیکھنا
خلد کی زندگی دیکھنا

کعبۂ دل منور ہوا عکسِ شہر نبی دیکھنا

۲۔ شکیل بنی نگری

نام۔ ملک ابو محمد، قلمی نام۔ شکیل۔ ولادت ۱۹۱۸ء مونگیر ۱۹۴۴ء میں ہوڑہ مغربی بنگال آئے۔ ابرار حسنی گنوری کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ وفات۔ ۱۹۹۱ء ہوڑہ (مغربی بنگال)

آپ کے نام سے ایک ادبی ادارہ "گلزار شکیل" ہوڑہ میں قائم ہے۔

نمونۂ اشعار

جو چیز خدا کی ہے، ہے وہی محمد کی
عرش بھی محمد کا، خلد بھی محمد کی

ترجمہ ہے قرآں کا زندگی محمد کی — صاف ہے عیاں اس سے برتری محمد کی
لے سبق ذرا اس سے تو اے منصف دوراں — درسِ عدل دیتی ہے منصفی محمد کی
خالق دو عالم کو ہر ادا پسند آئی — گفتگو محمد کی خامشی محمد کی

۳۔ حامیؔ گورکھپوری

نام۔ عبدالحیّ انصاری، تخلص۔ حامیؔ، شعری سفر کا آغاز ۱۹۵۲ء سے شاعری کی ابتداً نعت سے کی۔

نمونۂ اشعار

اللہ کے محبوب کا جلوہ نظر آیا — کعبے میں مجھے عرش معلّٰی نظر آیا
آئے جو نبی کفر کا پردہ ہوا صد چاک — ہر سمت زمانے میں اجالا نظر آیا
پیدا ہوئے مکّے میں وہ اسلام کے ہادی — لرزیدہ مجھے کفر کا پایا نظر آیا
جب حشر میں سورج تھا سوا نیزے پر حامیؔ — سر پہ مرے بے سایہ کا سایہ نظر آیا

۴۔ نورؔ قریشی

نام۔ نور محمد، تخلص۔ نورؔ، ولادت۔ ۱۹۴۱ء، شب پور ہوڑہ (بنگال) آغازِ سخن۔ ۱۹۶۴ء سے۔ آپ بیک وقت غزل گو اور نعت نگار دونوں ہیں۔ حج و زیارت سے شرف یاب ہو چکے ہیں۔ بنگال کے ممتاز شعراً میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

نمونۂ اشعار

ساری دنیا سے الگ میرا قرینہ کردے
حبِ سرکار سے معمور یہ سینہ کردے
ساری دنیا کو میں مار دوں ٹھوکر یارب
میری قسمت میں اگر خاک مدینہ کردے

۵۔ ضمیر یوسف

ضمیر یوسف ایک جواں سال، خوش فکر شاعر ہیں۔ مذہبی انسان ہیں۔ نعت گوئی کی طرف رجحان زیادہ ہے۔ ایمان کی خوشبو، آپ کی نعتوں کا مجموعہ کلکتہ سے شائع ہو کر مقبول خاص و عام ہو چکا ہے۔ کلام میں ندرتِ فکر، نفاستِ بیان اور حسنِ عقیدت کی دل کشی بدرجہ اُتم پائی جاتی ہے۔

نمونۂ کلام

اللہ اللہ مقامِ نبی
عرش پر ہے قیامِ نبی
امن عالم اگر چاہیے
عام کردو پیامِ نبی
ہر طرف خوار ہو جاؤ گے
بھول کر احترامِ نبی
قول ان کا ہے قولِ خدا
گفتنی ہے کلامِ نبی
تیرگی میں وہ روشن دیا بن گیا
ذکرِ سرکارِ غم کی دوا بن گیا
کھو ئی جب اندھیروں میں منزل مری
آپ کا نقش پا رہنما بن گیا
حشر کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں
سائباں دامنِ مصطفیٰ بن گیا
ایک میں ہی نہیں کل جہاں کے لیے
نقش پائے نبی آئینہ بن گیا

۶۔ مخدوم راشد

نئی نسل کے ایک ابھرتے ہوئے نعت نگار ہیں۔ ان پر مستقل نعت گو شاعر کا اطلاق درست ہے۔

نمونۂ کلام

زاھد مرا شعور محبت بلند ہے
فردوس تجھ کو، مجھ کو مدینہ پسند ہے
سبز گنبد شامیانہ ہے
عاصیوں کا جہاں ٹھکانہ ہے
حُسن ہوگا لحد میں بے پردہ
موت دیدار کا بہانہ ہے

۷۔ حبیب ہاشمی

آپ کا شمار نہ صرف بنگال بلکہ بھارت کے مشاہیر شعرائیں ہوتا ہے۔ آپ کی شہرت ہند کی سرحدے نکل کر پاک، ممالک عرب۔ دوبئی، شارجہ، کویت وغیرہ میں بھی پہنچ چکی ہے۔ آپ جہاں جدید اسلوب کے نمائندہ غزل گو ہیں۔ وہیں نعتیہ شاعری کو نئے رنگ و آہنگ سے روشناس کرانے میں بھی ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے کلام میں شاعری کے جملہ محاسن موجود ہیں۔ شگفتہ ؟، مترنم بحروں، دل نشین ترکیبوں اور حسنِ اضافت کا دلکش التزام ملتا ہے۔ نعتیہ شاعری کو آپ نے ایک نیا لب ولہجہ اور نکھار دو قار دیا ہے۔

نمونۂ کلام

لختِ الماس و گہر ریزہ گل ماہ و نجوم
ناخنِ پاک کی کترن کے مقابل نہ ہوئے

اللہ اللہ یہ محبت یہ عنایت یہ کرم
عرش پہ جا کے زمیں والوں سے غافل نہ ہوئے

سرخروئی ہمیں مل جائے گی داور کے قریب
دم نکل جائے اگر روضۂ اطہر کے قریب

عظمت سرور کونین گھٹانے والو
کون سا چہرہ لے جاؤگے کوثر کے قریب

وادئ دل میں مرے کیف کا عالم گزرے
روضۂ شاہ امم آنکھ سے جس دم گزرے

جل اٹھے شب زدہ ماحول میں ایماں کے چراغ
جس گزرگاہ سے وہ نور مجسم گزرے

آپ کے طرز تکلم کا یہ اندازِ خرام
جس طرح پھولوں کو چھوتی ہوئی شبنم گزرے

ہم گنہگار جو ایماں کی ڈگر تک پہنچے
کملی والے کا کرم تھا کہ سحر تک پہنچے

ان کی معراج پہ حیرت کی ضرورت کیا ہے
سر بسر نور تھے وہ نور کے گھر تک پہنچے

زندگانی کے لیے زیست سے بیزار یہ دھوپ
نازش خندہ لبی اس دل بیمار پہ دھوپ

چہرہ طہٰ ہے تحریر تبسم کی لکیر
جس طرح ہو گل فردوس کے اشجار پہ دھوپ

صدقۂ الفت سرکارِ دو عالم سے حبیبؔ
ہے مرے خانۂ افکار کے رخسار پہ دھوپ

۸۔ کلیم حاذقؔ

بنگال کے شعرائے جدید میں کلیم حاذقؔ ایک نمایاں نام ہے۔ آپ غزلیں اور جدید نظمیں زیادہ کہتے ہیں مگر نعت بھی انتہائی احترام و عقیدت سے کہتے ہیں۔ ماہنامہ انکشاف کے مدیر ہیں۔ نقاد بھی ہیں۔ جدید نظموں کی صورت میں انتہائی کامیاب نعتیں رقم کرتے ہیں۔ نعتیہ رباعیات کے لیے شہرت رکھتے ہیں۔

چند رباعیاں

پھر رشکِ چمن دامن صحرا ہوجائے
اس نام پہ ہو صل علیٰ کی تسبیح
بت خانے میں ہنگام سا برپا ہوجائے
آتش کدہ جس نام سے ٹھنڈا ہوجائے

جو جان لٹاتے ہیں جزا دیتے ہیں
بوبکر سے پوچھو کہ شہِ دیں کے لعاب
دُشمن کو بھی تکریم وَفا دیتے ہیں
زہر آب کو تریاق بنادیتے ہیں

۹۔ عنبر شمیم

آپ جدید غزل کے نمائندہ شاعر ہیں۔ مغربی بنگال کے روزنامہ آبشار سے منسلک ہیں۔ آپ کی نعتوں کا رنگ و آہنگ جدید اسلوب کا مظہر ہے۔

نمونۂ کلام

بھٹکے گی کب تلک لئے دنیا کی تیرگی مجھے
اپنے جلو میں لے بھی لے ایماں کی روشنی مجھے
ناکامیوں کی دھند میں لپٹی ہے منزل حیات
آقا ہو اِک نظر ادھر، ڈس لے نہ تیرگی مجھے
کوثر کا جام لا کے دے خاک حرم ملا کے دے
ساقی تجھے خبر ہے، نہیں آتی ہے مے کشی مجھے

۱۰۔ مولانا آرزو اشرفی

آپ ایک عالم دین اور صاحب قلم ہیں۔ خالص نعت گو شاعر ہیں۔ نعت کو عبادت کا درجہ دیتے ہیں۔

نمونۂ کلام

ضرور یہ حبّ نبی کا جلوہ ہے
جو موج مارے ہے رگ رگ میں کیمیا کی طرح
تمہارا تلوا تصور میں کیا ذرا چمکا
نظر سے حشر کا مہر اُڑ گیا ہوا کی طرح

رسولِ پاک نے چمکایا یوں آئینہ سیرت کا
نظر آ ہی گیا اہلِ نظر کو رخ مشیت کا
مدینہ جلوہ فرما ہے ابھی بزم تصور میں
سنائے اس گھڑی قصہ نہ کوئی مجھ کو جنت کا

کافی ہے سمجھ لینے کو قرآن مکمل
پڑھ کر ذرا دیکھے تو کوئی روئے محمد
دنیا کی نظر خالق عالم کی طرف ہے
ہے خالق عالم کی نظر سوئے محمد

۱۱۔ محامد حلیم حاذق

نام۔ محامد اصغر علی انصاری، تخلص۔ حلیم حاذق، ولادت۔ ہوڑہ بنگال میں ۱۹۶۶ء۔ بنگال کے مشہور

شاعر حضرت حاذق انصاری مرحوم کے فرزند ہیں۔ شاعری ورثہ میں ملی ہے۔ طالب علمی سے ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ آپ بیک وقت ادیب، خطیب اور نقاد بھی ہیں۔

ایک نعتیہ مجموعہ "مرکزِ نور" ۱۹۵۸ء میں شائع ہو کر شرفِ مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ دوسرا مجموعہ "لوحِ افکار" زیرِ ترتیب ہے۔ جدید لب و لہجہ میں نعت کہتے ہیں۔ ہائیکو اور سن رائی یو میں بھی کامیاب نعتیں کہی ہیں۔

نمونۂ کلام

دلوں میں موجِ تقدس اُچھال دے اللہ — مری حیات کو عشقِ بلال دے اللہ
میں خواب خواب سفر کر رہا ہوں مدت سے — اسی سفر میں مدینہ نکال دے اللہ
سروں پہ کفر کا سورج جلال آمادہ — قدم قدم پہ تو رحمت کی شال دے اللہ
میں لفظ لفظ سا جیسے صدا بھرا ہوں — تو حرف حرف سخن کا کمال دے اللہ
جو راستہ تری چاہت کی سمت جاتا ہو — وہ راستہ مری جانب نکال دے اللہ

نعتیہ اشعار

راہ کا پتھر نہیں میں وقت کا الماس ہوں — ذرۂ طیبہ ہوں خورشید کرم کے پاس ہوں
شامیانہ ہو کھجوروں کا مرے سر پر حلیم — میں خزاں کی زد میں آقا دو دھیا اِک گھاس ہوں

تمہاری یاد سے رنگوں کا سلسلہ روشن — زمینِ دل پہ ہوا جب سے نقشِ پا روشن
مسیحِ جانِ تمنا حیاتِ نو کے امیں — تمہارے در پہ جو آجائے وہ قضا روشن
خیال بنے وہ آئے ہیں کعبۂ دل میں — حلیم ذہن کا غار حرا ہو روشن

شعور جاگ اٹھا فکر و آگہی اتری — رسول پاک کے صدقے میں زندگی اتری
خیال آیا تھا ماہ عرب کے جلووں کا — تمام رات مرے گھر میں چاندنی اتری

پھر تصور کی سنہری دھوپ میں طیبہ چلا — فکر کی جنت پہ رحمت کی گہر باری ہوئی
جاگ اٹھی انسانیت کے دوش پہ تہذیب نو — محسن اعظم کے صدقے عام بیداری ہوئی
ایک مدت تک جہاں تھا بشر غم پر مریض — اس مسیح جاں کے صدقے دور بیماری ہوئی
غسل کرتی ہے فضا رو پہلی کرنوں میں حلیم — انکی رحمت کی ندی طیبہ سے جب جاری ہوئی

فقیر شہر مدینہ پہ طنز مت کرنا — یہ شاہ دولتِ ایماں نواز دیتا ہے

ہائیکو

حدیثِ دل

نہ کچھ سودو زیاں کرتے
اڑا کر طائر تخیل لے چلتا مدینہ تو
حدیثِ دل بیاں کرتے

زندگی

مجھے جینے نہیں دیں گے
زمانے والوں کے تیور، مگر نور مجسم بھی
مجھے مرنے نہیں دیں گے

سفر

سفر یوں مختصر کب تھا
مگر چلتا رہا ہے کارواں در کارواں ان کے اشارے پر
سفر یوں مختصر جب تھا

سن دائی یو

وہ انگشت رسالت ہے
قمر دو نیم ہو جائے
یہ اعجاز نبوت ہے

اگر طیبہ کی بارش ہو
کبھی صحرائے ہستی پر
تو روح بندگی آئے

آزاد نظمیں

تین سوال

بتا تیرا رب
تیرا مذہب کیا ہے
بتا ان کے بارے میں کیا جانتا ہے

تین جواب

مرا رب زمانے کا رب
مرا دین ہے دینِ خیر الانام
مرے مصطفیٰ کا زمانہ غلام

عشقِ نبی کا معجزہ

ہے مری روح کے جزدان میں جو عشقِ حرم
اسی کی سمت نگاہِ غضب جمائے ہوئے
بزعم اٹھی ہے بدستِ جہل کی آندھی
چلے ہیں وقت کے کچھ ابرہہ مری جانب
نئے خیال کے ہاتھی کی پشت پر بیٹھے

بس ایک راہ تھی مری
جو میں نے کام لیا
کہ دل نے کعبۂ جاں کا غلاف تھام لیا تو دیکھا
عشقِ نبی کا یہ معجزہ میں نے
اڑان بھرنے لگیں ذہن کی ابابیلیں
شعور و فکر کی منقار میں لیے کنکر
مرے وجود کے آفاق کی فضاؤں میں

۱۰۔ نازاںؔ فیضی

نام۔ محمد زین العابدین، تخلص۔ نازاںؔ، ولادت۔ ۱۹۴۲ء
بیکلؔ اتساھی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔
دو شعری مجموعے۔ (۱) انوارِ آگہی (۲) صہبائے مدینہ شائع ہو چکے ہیں۔

نمونۂ کلام

چاند تاروں نے ترے رخ سے ضیأ پائی ہے
تیری زلفوں سے شبِ نور کی رعنائی ہے
نگہ لطف و کرم سے ہے دو عالم کا نصیب
اک ترا دیکھنا کونین کی پہنائی ہے

مری ہتھیلی کی قسمت جگائیے آقا — مرے نصیب کی سیدھی لکیر کر دیجیے

آگہی سے کام لے لیا — مصطفیٰ کا نام لے لیا
مسکراہٹوں کے پھول نے — آنسوؤں کا جام لے لیا

○

گنگا سہائے تمیز لکھنوی کی چند نایاب نعتیں

شفقت رضوی

گنگا سہائے تمیز لکھنوی کے احوال و کوائف سے تمام تذکرے خالی ہیں۔ ان کی ذات رسول کریمؐ سے حسنِ عقیدت اور نعت گوئی سے شغف کا حال گلدستہ "وسیلۂ نجات" سے معلوم ہوا اس گلدستہ کے مالک و مہتمم منشی محمد ناصر حسین تھے جو ناصرؔ اور افقرؔ تخلص کرتے تھے ان کے شریک کار عبدالعزیز ناطقؔ و فائقؔ تھے۔ اس نعتیہ طرحی گلدستہ کا اجرا ماہ جمادی الاول ۱۳۰۶ھ م جنوری ۱۸۸۹ء کو ہوا۔ جو "کومٹ گلی، بمبئی" سے شائع ہوتا تھا اس کے ابتدائی ۱۳ شمارے ہماری نظر سے گزرے ہیں ان میں آخری شمارہ جمادی الاول ۱۳۰۷ھ کا ہے۔ گلدستوں پر لکھی گئی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ہے اس لیے کسی ذریعہ سے معلوم نہ ہو سکا کہ گلدستہ کب تک جاری رہا۔

گلدستہ وسیلۂ نجات میں گنگا سہائے تمیز لکھنوی کا نعتیہ کلام رجب ۱۳۰۶ھ سے مسلسل ہر ماہ شائع ہوتا رہا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں حضور کی ذات اقدس سے والہانہ محبت اور عقیدت تھی اور وہ نعت گوئی کسی وقتی ضرورت کے تحت نہیں بلکہ اظہار جذبات کے لیے کرتے تھے۔ اس زمانے کے دیگر گلدستوں میں نہ تو ان کی غزلیں اور نہ ہی نعتیہ کلام ہماری نظر سے گزرا ہے۔

مصرع طرح:۔ وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم

نعتِ نبی میں جب بھی قلم کو اٹھائیں ہم
نقشِ مراد کو سر کرسی بٹھائیں ہم
گر خواب میں جمالِ مقدس نظر پڑے
جا کر مدینہ والوں کو صورت دکھائیں ہم
پہونچیں مزار پاک پہ تقدیر سے اگر
اپنی غزل یہ نعتیہ پڑھ کر سنائیں ہم
اپنی یہی دعا ہے کہ اے شاہِ دوسرا
چشمِ کرم سے گوہر مقصود پائیں ہم
روضہ کی خاکِ پاک اٹھائیں ادب سے ہم
آنکھوں سے مثلِ کحلِ جواہر لگائیں ہم

گلدستۂ نجات جو نادر وسیلہ ہے
اپنی غزل کو بھیج کے اوسی میں چھپوائیں ہم

(گلدستہ وسیلۂ نجات:۔ رجب المرجب ۱۳۰۶ھ)

☆☆☆☆☆☆

مصرع طرح:۔ یارب حصولِ عشقِ رسالت مآبؐ ہو

ہر دم تصورِ شہِ والا جناب ہو
لب پر ہمیشہ ذکرِ رسالت مآبؐ ہو

جھٹ پٹ کہیں دعائے سحر مستجاب ہو
یارب حصولِ عشقِ رسالت مآبؐ ہو

ثانی تمہارا دونوں جہاں میں نہیں کوئی
آپ اپنی ہی نظیر ہو خود ہی جواب ہو

رویت جو ان کی عالم رویا میں ہو نصیب
بیداری سے بڑھا ہوا اپنا وہ خواب ہو

فضل و کرم سے آپ کے یا شاہِ دوسرا
مضمونِ نعت عمدہ ہو اور لاجواب ہو

صدقہ سے آپ کے در رضواں کے یارسولؐ
موتی سے بڑھ کے گوہر مضمون میں آب ہو

چشمِ فلک دوات ہو جبرئیل کلک
شنجرف ہو شفق تو ورق آفتاب ہو

مطلع غزل کا مطلعِ انوارِ حق بنے
ہر بیت اس کی بیتِ خدا کا جواب ہو

حامی ہو جس کا روزِ ازل سے حبیبِ حق
کیا خوف پھر تمیز اوسے روزِ حساب ہو

(شعبان ۱۳۰۶ھ)

مصرع طرح:۔ سجدہ گاہِ قدسیاں ہے آستانِ مصطفٰےؐ

قبلہ آزاد گان ہے آستان مصطفٰےؐ
کعبۂ ایزد پرستاں ہے امعان مصطفٰےؐ

لا مکاں کا ہے جو ہم پایہ مکان مصطفٰےؐ
سجدہ گاہِ قدسیاں ہے آستانِ مصطفٰےؐ

تابع فرماں ہے اوس کے کافر و دیندار سب
کم حق سے کم نہیں حکم روان مصطفٰےؐ

یوسف و یعقوب و موسیٰ و خضر و الیاس مسیح
نوح و ابراہیم ہیں سب مدح خوان مصطفٰےؐ

(رمضان:۔ ۱۳۰۶ھ)

مصرع طرح:۔ ہر بن مو سے مرے نام پیمبر نکلے

ہر گھڑی حمدِ خدا نعت پیمبر نکلے
نکلے جب منہ سے تو یا ہادی و رہبر نکلے

خواب میں جب کبھی ہوتی ہے زیارت حاصل
چونک اٹھتا ہوں بس یہ کہہ کے وہ سرور نکلے

جس کے ہو ورد زباں نامِ محمد ہر دم
دونوں عالم میں نہ اس کا کوئی ہمسر نکلے

اے تمیز اس کا بھلا کون ہو محشر میں شفیع
جس کے منہ سے نہ کبھی نامِ پیمبر نکلے

(شوال ۱۳۰۶ھ)

مصرع طرح:۔ ہم کو حاصل ہے مدینہ میں فضائے جنت

جس نے دیکھی ہو کبھی سیر گلستانِ رسولؐ
اس آنکھوں میں بھلا خاک سمائے جنت

ایسا دلچسپ مکاں چھوڑ کے وہ جائے کہاں
جس کو حاصل ہو مدینہ میں فضائے جنت

روضۂ پاک ہے روضہ رضوانِ محبوب
کیا ہے منہ سامنے جو آنکھ ملائے جنت

(ذی قعدہ:۔۱۳۰٦ھ)

○

غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری۔ کچھ نئے آفاق

نور احمد میرٹھی

غیر مسلم نعت گو شعرا کا عالمی تذکرہ "بہر زماں بہر زباں ﷺ" جب منظر عام پر آیا تو حسب توقع علمی، ادبی اور مذہبی حلقوں نے ہی نہیں بلکہ عوام الناس نے بھی اس کا خیر مقدم کیا۔ اس کتاب پر برصغیر کے ممتاز ناقدین ادب اور محققین نعت کی آراء، تبصرے اور مضامین نعت کی ہمہ گیریت کے عکاس ہیں اور دوسری طرف رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے ایمان میں تازگی محسوس کرنے والے مسلمانوں کے لیے طمانیت کا باعث ہیں۔ غیر مسلم شعرا کی نعت گوئی کے محرکات، تاریخ، محاسن اور اثرات پر تجزیہ قارئین گذشتہ شمارے میں پڑھ چکے ہوں گے۔ "نعت رنگ" کے مدیر محترم صبیح رحمانی کی خواہش تھی کہ اس موضوع پر تلاش و تحقیق جاری رہنی چاہیے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد جن غیر مسلم شعرا کا نعتیہ کلام حاصل ہو سکا وہ زیر نظر تحریر میں شعرا کے مختصر تعارف کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

ذرّہ، بالاجی ترمیک:۔

۱۱۵۰ھ سے ۱۲۰۰ھ تک ذرّہ کے موجود رہنے کا پتا چلتا ہے۔ سلطنت آصفیہ کے دور کے شاعر اور مرزا جان رسا کے شاگرد اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ کتب خانہ آصفیہ میں خود ان کا قلمی دیوان موجود ہے۔ انھوں نے دو مثنویاں "مظہر نامہ" اور "لطیف" بھی لکھی تھیں۔ ادارۂ ادبیات نے ان کا کلام شائع کر دیا ہے۔ ذرّہ کا دیوان جس غزل سے شروع ہوتا ہے، اس کے دو شعر ہیں:۔

لے نام خدا کا جو میں دیوان کہوں گا
لاشک ہے کہ موصوفۂ انسان کہوں گا
کیا خوب سعادت ہے کہوں نعت نبیؐ کی
ہر حرف ثنا بیچ جو ریحانؔ کہوں گا

عاجزؔ، نول سنگھ:۔

راجہ بھوانی پرشاد کے سررشتہ میں ملازم تھے۔ راجہ چندو لال کے دربار میں رسائی رکھتے تھے۔ عاجز نے اپنے کمال فن کا اظہار ایک مثنوی "جگت روپ" میں کیا ہے جو ۱۲۴۲ھ میں مرتب ہوئی۔ اس مثنوی میں حمد کے بعد نعت کے یہ دو اشعار ہیں:۔

گنہ گار عاصی ہوں بدکار ہوں
ترے در پہ آیا ہوں میں سرنگوں
عنایت سے اپنے خدا کے رسولؐ
نہ کر مجھ کو دنیا میں ہرگز ملول

تمکینؔ، رائے بچو لعل:۔

فارسی زبان پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ طبابت پیشہ تھا۔ اپنے وقت کے ماہر طبیب بھی تھے اور اچھے خوش نویس بھی۔ شاعری میں میر شمس الدین فیضؔ سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ "مواعظِ نادر" آپ کی تالیف کردہ کتاب ہے جس میں آصف جاہ اول کے نصائح کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں جا بجا ان کا کلام بھی درج ہے۔ نعت کا یہ شعر آپ ہی کا ہے:۔

خوشا نعت رسولؐ ایزد پاک
کہ جس کی شان میں نازل ہے لولاک

عاشقؔ، مہاراجہ کلیان سنگھ:۔

مہاراجہ کلیان سنگھ ممتاز الملک مہاراجہ شتاب رائے بہادر منصور جنگ کے بیٹے تھے۔ دہلی میں ولادت ہوئی مگر کم عمری میں پٹنہ چلے آئے۔ عاشقؔ تخلص کرتے تھے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کی جگہ پر نائب دیوان صوبۂ بہار مقرر ہوئے۔ ۱۷۸۸ء میں عظیم آباد چھوڑ کر کلکتہ چلے گئے جہاں چوبیس سال گذارے۔ پھر پٹنہ آئے اور لوگوں میں پہلا سا خلوص نہ پا کر کلکتہ واپس چلے گئے۔ وہیں ۱۸۶۱ء میں انتقال کیا۔ اپنے والد کی طرح مہاراجہ کلیان سنگھ شعرا و ادباء کے قدر دان تھے اور خود بھی ادب 'تاریخ اور شاعری میں معقول دستگاہ رکھتے تھے۔ ان کی فارسی کتب مثنوی زیبا' حبیب امیر' مدح آئمہ اظہار' خلاصۃ التواریخ اور واردات قاسمی یادگار ہیں۔ خلاصۃ التواریخ کا انگریزی ترجمہ نواب سرفراز حسین خان نے کیا ہے۔ اردو میں انہوں نے ایک مثنوی لکھی ہے جو ماہنامہ "معاصر" پٹنہ میں اس کے مدیر عظیم الدین احمد نے ۱۹۴۱ء سے قسط وار شائع کی۔ اس مثنوی کی ابتدا نعتیہ اشعار سے ہوئی ہے۔

محمدؐ سزاوار دیدار ہے
کہ تیرا وہ یار وفادار ہے

دہاں کو کریں پاک کوثر سے ہم
معطر کریں مشک از فرسے ہم

کہ لکھتے ہیں نعتِ رسولِؐ خدا
مغیث الوریٰ خواجۂ دوسرا

محمدؐ ہے محبوب پروردگار
محمدؐ ہے مطلوب پروردگار

محمدؐ کو حق نے دیا تخت و تاج
ملا اس کو شہر مدینہ کا راج
محمدؐ کو حق نے خلیفہ کیا
محمدؐ کو اورنگ و افسر کیا
محمدؐ ہے شاہ ملائک سپاہ
محمدؐ ہے ماہِ فلک بارگاہ
محمدؐ ہے سلطانِ دنیا و دیں
حبیبِ خدا سید المرسلیں
پھرے جو کوئی اس سے کافر ہے وہ
خدا کی خدائی کا منکر ہے وہ
محمدؐ کے در پر جھکائیں ہیں سر
ادب سے شب و روز شمس و قمر

درود و تحیت ہو شام و سحر
محمدؐ پر اور اس کی سب آل پر

فرحتؔ، رائے بالا پرشاد:۔

حیدر آباد رائے بالا پرشاد فرحتؔ کا وطن تھا۔ شاعری کا بچپن سے شوق رکھتے تھے۔ پہلے مہدیؔ سے تلمذ تھا بعد میں داغؔ کے شاگردوں میں شامل ہوئے۔ ان کا نعت کا شعر ہے:۔

اللہ سے غرض ہے محمدؐ سے کام ہے
میری زباں پر انہیں دونوں کا نام ہے٥

مسرورؔ، رائے بھکراج:۔

رائے بھکراج مسرورؔ کو میر خیرات علی خان تحیؔ سے تلمذ حاصل تھا۔ اپنے دور کے مشہور شاعر فیض کے بڑے معتقد تھے۔ حیدر آباد میں دفتر صدر محاسبی میں خدمات انجام دیتے تھے۔ اکثر مشاعروں میں شرکت کرتے تھے:۔

مدینہ میں بلالو مجھ کو بس اب شاہِ دیں جلدی
بجائے حق پرستی ہند میں اب بت پرستی ہے
جو مقبول خدا ہوتا ہے دیتی ہے اسے راحت
جو معتوب خدا ہوتا ہے اس کو گور رکھتی ہے
سدا ابر کرم چھایا ہوا مسرورؔ رہتا ہے
نبیؐ کی قبر پر اللہ کی رحمت برستی ہے

نظرؔ گردھاری پرشاد:۔

نظرؔ بھی میر خیرات علی خاں تحیؔ کے شاگرد تھے۔ حضرت شادؔ کے شاعروں میں اپنا کلام سناتے تھے۔ ان کا شعر ہے (بلا تبصرہ)

الٰہی تخت آصف رکھ تو قائم
دعا یہ مانگتا ہوں شادؔ دیں سے

عارفؔ کشن سنگھ:۔

۱۸۳۶ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ بازار مائی سیواں میں ان کی کتابوں کی دوکان تھی۔ آپ گلاب داسی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ محمد سلیم چودھری کے مطابق درویشی اور فقیری ان کی طبیعت میں پائی جاتی ہے۔ ہیر رانجھا' راجہ رسالو' دلا بھٹی' شیریں فرہاد' پورن بھگت' کشن کتارا' راج نی ممانیا جو سیلیا' کوڑے' کنڈلیاں' قصیدہ کشن سنگھ' دیوان کتارہ کشن سنگھ' راجہ بھرتری' بارہ ماہ' سدھری کشن سنگھ اور بیک بان یہ تمام تصانیف شائع ہو چکی ہے۔ عارفؔ پنجابی زبان کے بھی بہت بڑے شاعر تھے۔ ۱۹۰۰ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ نعت:۔

زبان تابودد روہان جاپگیر — ثنای محمدؐ بود دلپذیر
حبیبِ خدا اشرفِ انبیاء — کہ عرشِ مجیدش بود متکا
سوار جہانگیر یکران براق — کہ بگذشت از قصر نیلی رواق

نازؔ کرشن کمار:۔

مراد آباد کے رہنے والے ہیں۔ ان کی یہ نعتیں "شہنشہ کونین" میں شامل ہیں:۔

جس کی خاطر یہ دنیا بنی آپؐ ہیں — مالک دو جہاں اے نبیؐ آپؐ ہیں
جن کا قرآن پہ ایماں ہے ان کے لیے — راہ کوئی بھی ہو' روشنی آپؐ ہیں
اب تو جس سمت اٹھتی ہے میری نظر — آپؐ ہی آپؐ ہیں' آپؐ ہی آپ ہیں
جس کا جی چاہے دھولے وہ داغِ گنہ — ایسی رحمت کی بہتی ندی آپؐ ہیں
آپؐ کے در سے اٹھ کر میں جاؤں کہاں — جب زمانے کے داتا نبیؐ آپؐ ہیں

....

کتنی بے نوری لگنے لگی دنیا مجھ کو — جب سے خوابوں میں نظر آیا مدینہ مجھ کو
جب بھی نام آپ کا لے کر میں اٹھاتا ہوں قدم — راہ دے دیتا ہے بہتا ہوا دریا مجھ کو

ذہن کیا چیز ہے سانسیں بھی مہک جاتی ہیں یاد جب آتا ہے گلزارِ مدینہ مجھ کو
روشنی کچھ تو نگاہوں کو عطا فرما دیں جاگتے سوتے دکھا دیجئے جلوہ مجھ کو
ناؔز ہونٹوں پہ نہیں یوں ہی محمدؐ کا نام
چاہئے تھا کوئی مضبوط سہارا مجھ کو

ناداںؔ، اندر سروپ:۔

اندر سروپ ناداںؔ کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ ان کی یہ نعت "شہنشہ کونین" میں شامل ہے۔

نہ ہم دنیا نہ عقبیٰ مانگتے ہیں فقط تیرا سہارا مانگتے ہیں
ہمارے نام لکھ یہ سرفرازی ترے قدموں کا صدقہ مانگتے ہیں
ہے جن کے سر پہ تیرا دستِ رحمت وہ کب سایا ہما کا مانگتے ہیں
جو مستحکم ہیں مانند ہمالہ سہارا وہ بھی تیرا مانگتے ہیں
کرم کر ہم پہ اے شاہِ مدینہ اندھیرا ہے اجالا مانگتے ہیں
ہمیں جانا ہے سوئے کعبہ دل ترا نقشِ کفِ پا مانگتے ہیں
زمانہ تجھ سے جو چاہے سو مانگے ہم ادراک زمانہ مانگتے ہیں
انھیں ہی اپنے ہونے کی خبر دے
یزیدوں سے جو بھکشا مانگتے ہیں

راہیؔ، رام پرکاش کھورانہ:۔

آپ ۱۹۲۴ء میں ضلع جھنگ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج سے انگریزی میں آنرز کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد دہلی میں سکونت اختیار کر لی۔ سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔

ہر سوچ اک گریز ہے اس آگہی کے بعد کوئی نہیں نبی سا ہمارے نبیؐ کے بعد
نورِ خدا کا عکس تھا کردارِ مصطفیٰ دنیا پہ چھا گیا جو بڑی تیرگی کے بعد
قرآن کا حرف حرف ہے تفسیر کائنات کیا حرف آخری ہو پھر اس آخری کے بعد
سالارِ وقت، روحِ امم، مخزنِ صفات سرتاجِ سروری تھا وہی سروری کے بعد

توحید لب پہ، دل میں اخوت، قدم میں جوش درسِ عمل اسی نے دیا، رہبری کے بعد

راہی اسی کے فیض فراواں کی دین ہیں
یہ سرفرازیاں جو ملیں بندگی کے بعد

گویا، کرتار سنگھ گیانی:۔

کرتار سنگھ گیانی ۷ ۲ اپریل ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد بھارت چلے گئے اور یوپی کے شہر کانپور میں رہائش اختیار کی۔ ادبی، ثقافتی اور تجارتی سرگرمیوں میں پوری دلچسپی لیتے ہیں۔ مختلف اداروں کے رکن ہیں جن میں آل انڈیا قومی ایکتا کمیٹی اور روٹری کلب شامل ہیں۔ سینما اسٹڈی سرکل لاہور اور انٹرنیشنل میڈیا اینڈ نیوز سروس کانپور کے بانی ہیں۔ اردو، ہندی اور پنجابی میں طبع آزمائی فرماتے ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں گویا صاحب کا مجموعہ کلام "پگھلتے پتھر" شائع ہو چکا ہے۔ ہندی مجموعہ شعری "بولتے پتھر" اور پنجابی مجموعہ اشعار "بنجے پتھرن دے" زیرِ طبع ہیں۔ آپ کا کلام بھارت کے اخبارات و رسائل میں شائع ہوتا ہے۔ ٹی وی اور ریڈیو کے مشاعروں میں بھی شرکت کرتے ہیں۔ ان کا نعتیہ کلام میں نے براہِ راست حاصل کیا ہے:۔

سارے نبیوں میں ایک نام اُن کا میرے لب پہ ہے صبح و شام اُن کا
میرے آقا ہیں رحمتِ عالم فرش سے عرش تک قیام اُن کا
ان سے جنگل پہاڑ روشن ہیں آسماں پر مہِ تمام اُن کا
کوئی دستِ طلب بڑھائے تو کب سے جاری ہے فیضِ عام اُن کا
ختم ہے اُن کے در پہ آقائی خسروِ دو جہاں غلام اُن کا
غنچے غنچے میں خوشبوئیں اُن کی سبزہ سبزہ لکھا ہے نام اُن کا
اپنا جیسا انہیں جو کہتے ہیں ہے یقیناً خیال خام اُن کا
دل میں اک روشنی سی پھیل گئی میں نے لکھا تھا صرف نام اُن کا

بے حدو بے حساب اے گویا
میرے دل میں ہے احترام اُن کا

"دو عالم کے آقا خوشی چاہتا ہوں خوشی ہی نہیں زندگی چاہتا ہوں
عطا کیجئے مجھ کو نورِ ہدایت اندھیرے میں ہوں روشنی چاہتا ہوں

نہ رستہ ہے کوئی نہ منزل ہی کوئی — کرم مجھ پر ہو رہبری چاہتا ہوں
ہوں بے کیف ایسا کہ جینا ہے مشکل — مئے عشق کی بے خودی چاہتا ہوں
کرم کیجئے ساقیٔ غیب مجھ پر — کہ لبریز جامِ تہی چاہتا ہوں
کرم کیجئے اپنے گویا پہ آقا
میں ہوش و خرد، آگہی چاہتا ہوں

ممتاز محقق ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط نے سنت تکارام اور سنت تکڑوجی مہاراج کے نعتیہ کلام کا سراغ لگایا ہے۔ یہ دونوں مراٹھی زبان کے ممتاز شاعر ہیں۔

سنت تکارام:۔

مراٹھی ادب کے نامور سنت شاعر ہوئے ہیں۔ ۱۶۰۸ء میں پیدا ہوئے اور ۱۶۴۹ء میں ان کا انتقال ہوا۔ "وارکری" فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ عشق، عبادت اور فرائض سے آگاہی ان کے "ابھنگوں" کے خاص موضوعات ہیں۔ انسانیت کی اصلاح، بنی نوع انسان کی فلاح اور سماجی برائیوں کا سدِباب ان کی شاعری کے محور ہیں۔ عام بول چال کی زبان، سیدھا سپاٹ انداز، مؤثر اظہار خیال ان کی شاعری کے وصف ہیں۔ وہ اگرچہ خالص مراٹھی سنت شاعر ہیں لیکن انسانی جذبات کی قدر کرتے تھے اس لیے انہوں نے بعض ہندی اشعار بھی کہے ہیں جن میں اسلامی اقدار کی چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ ان کے اشعار میں اسلامی رجحان دیکھئے

اول نام اللہ بڑا لیتے بھول نہ جائے
علم تیا کلمہ، پرتا ہی تنبو بجائے

پرتا = کافی ہونا
تنبو = ایک تارہ

اللہ ایک توں، نبیؐ ایک توں
کاٹے سر پاؤں ہاتھ نہیں جیو اڑائے۔

جیو = جان / روح
اڑائے = ختم کرنا

سنت تکڑوجی مہاراج:۔

مانک بنڈوجی برہم بھٹ پورا نام تھا۔ ۱۹۰۹ء میں ضلع امراؤتی برار کے ایک دیہات میں پیدا ہوئے۔ سلائی کا کام خاندانی پیشہ تھا، اسی کو اختیار کیا۔ بعد میں قومی فلاح اور سماجی اصلاح کے کام بھجن / کیرتن کے ذریعہ کرنے لگے۔ "گرام گیتا" ان کی مشہور تصنیف ہے۔ مورتی پوجا کے مخالف تھے۔ انہوں نے ہاتھوں سے بنائے ہوئے دیوتا کی مورتیوں پر گہرے طنز کیے ہیں۔ ان کے نعتیہ اشعار جو مراٹھی میں ہیں، ان کی تصنیف سے ماخوذ ہیں:۔

مراٹھی	اردو ترجمہ
محمدؐ نے کیلی پرار تھنا	منتشر شیرازہ اسلام منظم کرنے
وکھورلا اسلام کرایا شانا	کی محمدؐ نے دعا کی
سنگھٹت کیلے تیانے سوجنا	متحد کر دیئے سب نیک جواں سالوں کو
تیاکاڑی	جبکہ تھا وقت کڑا
لوک پرتما پوجک نساوے	لوگ مشترک نہ رہیں کفر سے بیزار رہیں
تیانی ایکا ایشوراسی پرارتھاوے	سجدے ہیں بس ایک الٰہ
ہا محمدؐ چا اُپدیش نوھے	یہ محمدؐ کی نصیحت نہیں محدود عرب
ایکاچ دیشا ساٹھی	یہ تو ہے عام صلا

"بہر زماں بہر زباں صلی اللہ علیہ وسلم" میں شامل چند شعرا کا مزید نعتیہ کلام ملا ہے۔ یہ کلام حسن عقیدت کا بہترین نمونہ ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ ان شعرا کا تعارف درج بالا کتاب میں موجود ہے۔

گلزؔار دہلوی، ڈاکٹر آنند موہن زتشی:۔

آنکھوں میں بس رہا ہے سراپا رسولؐ کا — دل پہ ہوا ہے نقش وہ نقشہ رسولؐ کا

دارِ فنا کو عظمتِ باقی عطا ہوئی — لاریب اس جہان میں آنا رسولؐ کا

جلتے ہیں جس مقام پہ پرِ جبرئیل کے — معمول ہے وہاں سے گزرنا رسولؐ کا

لولاک میں ملا ہے وہ درجہ رسولؐ کو — ٹھہرے نہ جس مقام پر سایا رسولؐ کا

ہیبت سے کانپتے ہیں جہاں پر ملائکہ — آتا ہے کام ان کو سہارا رسولؐ کا

مست مئے الست ازل ہیں گلزؔار دہلوی — بخشش کے واسطے ہے سہارا رسولؐ کا

لا سے لا اللہ کی بڑھ کر صدا دیتا ہے کون — قل ھو اللہ احد ہم کو سنا دیتا ہے کون

ہر طرف جب پتھروں میں ڈھونڈتے ہیں ہم خدا — کفر اور الحاد کے پردے اٹھا دیتا ہے کون

گالیاں اور سر پہ کوڑا جب یہودن سے ملے — اس کی بیماری میں بھی جا کر دوا دیتا ہے کون

کل شجر، سارے سمندر جس کی مدحت میں غریب — ماسوا اللہ کے اس کو ثنا دیتا ہے کون

اہل کعبہ زر، جواہر اور حسیں حاضر کریں — واحد و لاشرک کی شمعیں جلا دیتا ہے کون

عرشِ اعلیٰ پہ ہے نعلین کس کا ہے گزر دو کمانوں سے بھی کم وصلت دکھا دیتا ہے

جس نے گلزار ارم خاکِ مدینہ کو کیا
اس سے نسبت اور تعشق کی جزا دیتا ہے کون

نورؔ لکھنوی، کرشن بہاری:۔

بہہ رہے ہیں اشک آنکھوں کی طہارت کے لیے دل چلا ہے سبز گنبد کی زیارت کے لیے
کوئی گوشہ ہی نہیں چھوڑا شکایت کے لیے آپ کو بھیجا گیا سب کی شفاعت کے لیے
یہ رسولؐ اللہ پر ایمان۔ اللہ پر یقین لازم و ملزوم ہیں اے دل عبادت کے لیے
آپؐ محبوبِ خدا ہیں، دوسرا کوئی نہیں آپ کی قربت ہے لازم اس کی قربت کے لیے
نظریں دیکھ آئیں مدینے کی گلی کوچے تمام اب کہاں دل میں تڑپ اے نورؔ جنت کے لیے

کمار پاشی:۔

سہل ہے راستہ محمدؐ کا جل رہا ہے دیا محمدؐ کا
بے یقینی کے ان اندھیروں میں سب کو ہے آسرا محمدؐ کا
نعرۂ حق کی گونج ہے ہر سو دور پھر آ گیا محمدؐ کا
شب کی تاریک راہ میں اب بھی نور ہے جابجا محمدؐ کا
جس طرف سے بھی ہو چلے آؤ ہے ہر اک راستہ محمدؐ کا
ہے ہواؤں کے ہاتھ پر دیکھو نام لکھا ہوا محمدؐ کا

کفر کی رات ڈھل گئی پاشیؔ
دیکھ پھر دن ہوا محمدؐ کا

طرزؔ لکھنوی، گنیش بہاری:۔

اب کیا ڈبوئیں گے مجھے موجِ بلا کے ہاتھ سایہ فگن ہیں مجھ پہ شہِ انبیاء کے ہاتھ
آئے ہیں بن کے رحمتِ عالم رسولؐ حق دونوں جہاں کے سر پہ ہیں خیرالوریٰؐ کے ہاتھ
دیکھے تو کوئی عظمتِ آدم کی منزلیں جھک جھک کے چومتے ہیں ملک مصطفےٰؐ کے ہاتھ
مشغولِ گفتگو ہے خدا سے خدا کا نور ٹھہرا ہوا ہے وقت ادب سے اٹھا کے ہاتھ

سویا ہوں طرزؔ اوڑھ کے بردِ رسولِ پاکؐ
دیکھے کوئی ذرا بھی مجھے اب لگا کے ہاتھ

ساحرؔ ہوشیار پوری، اوم پرکاش (م ۱۹۹۶ء)

دہر میں شمس الضحیٰ، بدر الدجیٰ حضرتؐ بنے
قلبِ انساں کے لیے سرمایۂ راحت بنے

منبع الفت بنے، سرچشمۂ شفقت بنے
سارے عالم کے لیے مظہر رحمت بنے

سایۂ ذاتِ احد اور مظہر نورِ صمد
جہل کی تاریکیوں میں شافعِ امت بنے

کافروں کو درس وحدت دے کے مومن کر دیا
مومنوں کے واسطے خضر رہِ جنت بنے

نیرِ اعظم، ضیائے حق نما، نور الہدیٰ
سرورِ عالمؐ، عروسِ دہر کی زینت بنے

میں یہ سمجھوں دولت کونین اس کو مل گئی
تیرے ساحرؔ کی مدینے میں اگر تربت بنے

مہ ذرے کو کیا، قطرے کو دریا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

مشعلِ ایماں سے روشن کر دیا کافر کا دل
دشت ظلمت میں گلِ تنویر پیدا کر دیا

درسِ وحدت سے کیا حق آشنا انسان کو
تیرے قرآں نے جہاں سے جہل عنقا کر دیا

یاد ہے اب تک شبِ معراج کو تیرا عروج
جب خدا کو تو نے تصویرِ تمنا کر دیا

اس کی عظمت کے مقابل عرش بھی ہے سرنگوں
مصطفیٰؐ نے رتبۂ بطحا کو اونچا کر دیا

یہ وہی تو ہیں شہِ لولاک، جن کی مدح میں
آج ساحرؔ نے زبانِ قلب کو وا کر دیا

آتشؔ، ڈاکٹر رمیش پرشاد گرگ:۔

فخرِ خلیل

اہل ایماں کے لیے دو بھر بنی تھی جب حیات
کفر کی تاریکیوں میں گھر چکی تھی کائنات

ذہن انسانی پہ تھے چھائے ہوئے لات و منات
رب نے بھیجا رہنمائی کے لیے وہ پاک ذات

جس کے آتے ہی دو عالم میں اجالا ہو گیا
اہل حق کا کل جہاں میں بول بالا ہو گیا

آپؐ فخرِ نوحؑ ہیں اور آپؐ ہیں فخرِ خلیلؑ
آپؐ کو بھیجا بنا کر رب نے ہے اپنا وکیل

جو بھی الجھا آپؐ سے حق نے کیا اس کو ذلیل
آپؐ کو اللہ نے بخشا ہے وہ حسن جمیل

حضرتِ یوسفؑ بھی لا سکتے نہیں جس کا جواب
آپؐ نے باطل کے چہرے کو کیا ہے بے نقاب

آپؐ کے اعجاز سے ٹھنڈا ہوا آتش کدہ
ماہِ روشن اک اشارے میں نبیؐ کے شق ہوا
حکم پا کر آپؐ کا خورشید واپس آ گیا
حق پرستوں کا ہوا دنیا میں اونچا مرتبہ

ہر طرف ایمان کی دنیا میں پھیلی روشنی
اہلِ ایماں کو ملی آتے ہی اُنؐ کے زندگی

اے مسلماں دہر پر چھانے کی پھر تدبیر کر
کامیابی کی طرف بڑھ کر جا سمندر چیر کر
الفتِ احمدؐ کی روشن دل میں پھر تنویر کر
گاڑ حق کا علم دنیا میں، یہ تحریر کر

نام لیوا مصطفٰےؐ کا موت سے ڈرتا نہیں
زندۂ جاوید ہو جاتا ہے وہ مرتا نہیں

عہدِ نو کا ابرہہ ڈھانے چلا ہے تیرا گھر
اس کی سرکوبی کو نازل پھر ابابیلوں کو کر
دفن ہو جائے ہمیشہ کے لیے دشمن شر
اس طرح اونچا ہو تیرے پیروِ احمدؐ کا سر

ہر طرف لہرائے پرچم شان سے پھر دین کا
نام مٹ جائے ہمیشہ کے لیے لعین کا

پنجۂ اغیار میں ہے بیتِ المقدس کی زمیں
پھر لگے ہیں سر اٹھانے دشمنِ دینِ مبیں
پھر شریعت کو بدلنے پر تلے ہیں کچھ لعیں
دشمنِ مسجد بنے ہیں گوڈ کے یہ جانشیں

اے خدا منصوبۂ دشمن پہ پانی پھیر دے
بابری مسجد مسلمانوں کو پھر واپس ملے

ختم مرسلؐ اور ان کے جاں نثاروں کو سلام
مذہبِ اسلام کے کُل شاہکاروں کو سلام
فاطمہؓ کو اور ان کے ماہ پاروں کو سلام
آتش اس دنیا کے سارے حق شعاروں کو سلام

مصطفٰےؐ پر اور ان کے جانشینوں پر درود
کیوں نہ آخر ہم پڑھیں حق کے نگینوں پر درود

۱۔ مہاتما گاندھی کے قاتل کا نام گوڈ

جوشؔ بدایونی ' ڈاکٹر رادھا رمن:۔

سرورِ روح ' کیفِ زندگی ' آسودگی دل کی
خدا شاہد ' مدینے کی میں شام و سحر میں ہے
زباں قاصر کہ اوصافِ پیمبرؐ کیا بیاں کیجئے
نظر اپنی جگہ محدود مقدور نظر میں ہے

ہادیِ جادۂ حق ' رہبرِ دین و دنیا
اُن کو اتنا ہی جو سمجھا ہے ' وہ سمجھا گیا ہے
ایک انوارِ مجسم تھے حضورؐ والا
نور ہی نورِ جہاں ہو وہاں سایا گیا ہے

○

اقبال کی نظم "ذوق و شوق" حمد ہے یا نعت؟

پروفیسر افضال احمد انور

شاعرِ مشرق حکیم الامت حضرتِ علامہ محمد اقبالؒ کے کلام کا نقطۂ ارتکاز عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اُن کی فکری عظمت کی اساس بھی یہی جذبہ ہے۔ اس دلکش جذبے کا اظہار اُن کے کلام میں جگہ جگہ ہوا ہے۔ "بالِ جبریل" میں یہ جذبہ اور بھی نمایاں ہے اور بالِ جبریل میں بھی اُن کی نظم "ذوق و شوق" اس والہانہ جذبے کا سب سے بڑا مظہر ہے۔

اِقبال کے اکثر محققین، ناقدین اور شارحین کا خیال ہے کہ اس نظم "ذوق و شوق" میں جذبۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم برنگِ نعت ظاہر ہے خصوصاً اس کے تیسرے بند......

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب

میں سراسر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف ہی بیان ہوئی ہے، لیکن بعض ماہرین اقبالیات کی رائے ہے کہ ذوق و شوق (خصوصاً اس کے مذکورہ بند) میں نعت کے بجائے حمدِ خداوندی بیان ہوئی ہے۔ ان کی یہ ذاتی رائے اشاعت پذیر ہوئی تو بعض ذہنوں کو جھٹکا سا لگا کہ وہ تو ان اشعار کو اب تک نعتیہ کلام ہی سمجھتے رہے۔ یہ "جدت" تعلیمی اداروں میں مسابقہ ہائے نعت خوانی کی محافل تک پہنچی تو بعض مواقع پر نعت خوانوں پر واضح کر دیا جاتا کہ چونکہ یہ اشعار جدید تحقیق کی رُو سے حمدیہ ہیں لہٰذا نعت خوانی کی مسابقت میں انہیں نہ پڑھا جائے۔ بعض مواقع پر نعت خواں کو ٹوک بھی دیا جاتا۔ لہٰذا یہ ضرورت پیش آئی کہ اس ضمن میں دونوں نقطہ ہائے نظر کا تحقیقی جائزہ لیا جائے اور طے کیا جائے کہ "ذوق و شوق" میں کلام حمدیہ ہے یا نعتیہ؟

اس ضمن میں سب سے پہلے بعض محققین و ناقدین کی یہ رائے پیش کی جاتی ہے کہ ذوق و شوق (خصوصاً اس کے چوتھے بند) میں نعتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بیان ہوئی ہے۔

ا۔ پروفیسر ڈاکٹر عبادت بریلوی کے نزدیک

"عشقِ رسول ﷺ اس نظم کا بنیادی موضوع ہے"......(۱)

ب۔ پروفیسر مرزا منور ذوق و شوق کو اقبال کی مشہور "نعتیہ نظم" کہتے ہیں۔......(۲)

ج۔ نسیم امروہوی کے نزدیک "ذوق و شوق...... دراصل سرورِ کونین کی نعت ہے۔"......(۳)

د۔ یوسف سلیم چشتی کے مطابق: "یہ نظم دراصل نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس کا ہر شعر عشقِ رسولؐ میں ڈوبا ہوا ہے۔" (۴)

ہ۔ مولانا غلام رسول مہر کے نزدیک۔ "یہ نظم دراصل حضرت رسولِ اکرم ﷺ کے عشق میں لکھی گئی ہے۔" (۵)

اب اس کے برعکس ایک دوسری رائے پیش کی جاتی ہے۔ بھارت کے مشہور ادیب اور معروف ماہر اقبالیات ڈاکٹر عبدالمغنی کا خیال ہے کہ اس نظم "ذوق و شوق" میں نعت کے بجائے حمد بیان ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنا یہ نظریہ بڑے تواتر و تسلسل کے ساتھ اپنی مختلف تصانیف میں پیش کیا ہے۔

اپنی کتاب "اقبال اور عالمی ادب" (پاکستان میں ۱۹۸۲ء میں پہلی بار اشاعت) میں موصوف تحریر کرتے ہیں۔

"تیسرے بند کے آخر میں خطاب براہ راست معشوقِ ازل سے ہے اور اس کے عشق کی آگ شاعر کے دل میں فروزاں ہے۔ لہٰذا فطری طور پر چوتھا بند اس کی بارگاہ میں نذرانۂ حمد پیش کرتا ہے۔" (۶)

دوسری کتاب اقبال کا نظامِ فن (مطبوعہ ۱۹۸۵ء) میں رقم طراز ہیں:۔

(تیسرے بند میں) خطاب براہِ راست حسنِ ازل، محبوب حقیقی سے ہے۔" (۷) "چوتھا بند خالص حمد کا بند ہے۔" (۸) "اس نظم میں محبوب حقیقی کے حضور شکوہ و جواب شکوہ کا ملا جلا مناجاتی انداز پایا جاتا ہے"

(۹) تیسری کتاب "اقبال کا ذہنی و فنی ارتقا" (مطبوعہ ۱۹۹۱ء) میں مزید کھُل کر بات کی ہے۔ لکھتے ہیں: "ذوق و شوق" جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے شاعر کے اس تعلق خاطر اور جذبۂ دل کا بیان ہے جو وہ ذات باری تعالیٰ کے لیے اپنی روح کی گہرائیوں میں رکھتا ہے۔" (۱۰) "تیسرا بند، پورا کا پورا حمدِ باری تعالیٰ میں ہے۔" (۱۱) "اس تلمیح (کو واضم، نواح کاظمہ) کے سبب بعض شارحین نے پوری نظم کو نعتِ رسول کی شکل دے دی ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ پہلے ہی بند میں شاعر "حسن ازل" کی بات کرتا ہے، جو ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا...... یہ صریحاً نعت کے بجائے حمد کا موضوع ہے۔" (۱۲)

مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہے کہ انہوں نے اپنا نقطۂ نظر کس تواتر و تسلسل کے ساتھ دہرایا ہے۔

مندرجہ بالا دونوں آرا کے پیش نظر ضروری ہے کہ اب یہ طے کر لیا جائے کہ کونسا نقطہ درست ہے۔ فاضل نقاد، ڈاکٹر عبدالمغنی نے اپنی کتاب "اقبال کا ذہنی و فنی ارتقا" میں اپنے نظریے کی تائید و توثیق میں جو دلائل دیے ہیں ان پر ایک غیر جانبدارانہ نظر ڈالنا ضروری ہے۔

پہلی دلیل ــــ "ذوق و شوق' جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے' شاعر کے اس تعلق خاطر اور جذبۂ دل کا بیان ہے' جو وہ ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے اپنی روح کی گہرائیوں میں رکھتا ہے۔" (۱۳)

اس سے انکار ممکن نہیں کہ علامہ اقبال اپنے دل اور روح کی گہرائیوں میں ذات باری کے لیے یقیناً جذبۂ ذوق و شوق رکھتے تھے۔ لیکن اس جگہ محض "عنوان" پر ایک نظر ڈالنے سے یہ کیسے طے کر لیا گیا کہ یہاں ذوق و شوق کا مشارٌالیہ اللہ کریم ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ یہاں عنوان ہی سے حضورؐ کی طرف اشارہ ملتا ہے تو دلیل کے لیے اسی نظم میں محض چند صفحات پیچھے "مسجد قرطبہ کا یہ شعر' درج کرنا مفید مطلب ہوگا۔

کافر ہندی ہوں میں' دیکھ مرا ذوق و شوق
دل میں صلوٰۃ و درود لب پہ صلوٰۃ و درود

لہٰذا یہ کہنا کہ محض عنوان کے الفاظ ہی سے کلام کا حمدیہ ہونا ظاہر ہوتا ہے' درست نہیں۔

دوسری دلیل ...... (چوتھے بند کے آخر میں) خدا سے ایسا لطیف شکوہ ہے۔

تیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے
طبعِ زمانہ تازہ کر' جلوۂ بے حجاب سے

دیدار الٰہی کی یہی شدید تمنا آخری بند میں عشق کا ایک ایسا منشور مرتب کرتی ہے جس کی مرضی وصال کے بجائے فراق ہے۔" (۱۴)

اگرچہ اقبال بانگ درا کی ایک غزل میں کہہ چکے ہیں

کبھی اے حقیقت منتظر' نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

لیکن وہاں "اے حقیقتِ منتظر" کا واضح اشارہ موجود تھا۔ یہاں واضح اشارہ موجود نہیں۔ مجبوراً ہمیں اس شعر کے مشارٌالیہ کی تلاش میں اس شعر سے پہلے آنے والے (یعنی بند نمبر ۴ کے تمام) اشعار کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ یہ وہی بند ہے ع۔ لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب...... سے شروع ہوتا ہے' جو نعتیہ ہے مگر جناب مغنی صاحب اسے حمدیہ قرار دیتے ہیں۔

بال جبریل تک پہنچتے ہوئے اقبال کا فکر وصال کے بجائے فرق پر زور دیتا ہے کیونکہ اسمیں سوز و ساز باقی رہتا ہے۔ اگر اقبال "دیدار الٰہی کی یہی شدید تمنا" رکھتے تھے (جس کی طرف مغنی صاحب اشارہ کرتے ہیں) تو پھر بال جبریل ہی کی اس رباعی (دوبیتی) کا کیا مطلب لیا جائے گا۔

خودی کی خلوتوں میں گم رہا میں
خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں
نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر جلوۂ دوست
قیامت میں تماشا بن گیا میں

حقیقت یہ ہے کہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ و تار جہاں کو طبع تازہ دی تھی۔ اسی طرح

تازہ کی اقبال دربار رسالتؐ میں پھر طلب کر رہے ہیں۔ حضورؐ کی چشم سر سے زیارت کا شوق ہر عاشق نبیؐ کے ایمان کا اساسی نقطہ ہے۔ اکثر شعرا نے زیارت کی خواہش پر بہترین مضمون باندھے ہیں۔ جامیؒ کا ایک شعر بہت مشہور ہے۔

زمہجوری برآمد جان عالم ترحم یا رسول اللہ ترحم

تیسری دلیل .... ''نظم کے آغاز میں...... کوہِ اضم اور نواحِ کاظمہ (کی)...... تلمیح کے سبب بعض شارحین نے پوری نظم کو نعتِ رسولؐ کی شکل دے دی ہے لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ پہلے ہی بند میں شاعر ''حسنِ ازل'' کی بات کرتا ہے جو ظاہر ہے کہ ذات باری تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔''(۱۵)

کوہِ اضم اور نواحِ کاظمہ 'مدینہ منورہ کی تلمیحات ہیں' خانہ کعبہ کی نہیں' لہٰذا ان سے شارحین کا نظم کو نعت قرار دینے کا عمل مبنی بر حقیقت ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ جناب مفتی صاحب کو ان تلمیحات کی اہمیت' جاذبیت اور ضرورت کی پروا نہیں۔ اسی لیے وہ رقم طراز ہیں۔

...... ''کوہِ اضم یا نواحِ کاظمہ کے متعلق کسی جغرافیائی الجھن میں پڑنے کی ضرورت نہیں...... شام سے حجاز تک اور فلسطین سے مکہ و مدینہ تک ایک ہی زمین و آسمان اور اس کی جغرافیائی تاریخ ہے۔''(۱۶)

شام سے حجاز اور فلسطین سے مکہ و مدینہ تک زمین و آسمان کی جغرافیائی تاریخ ''ایک ہی'' ہے یا نہیں' یہ سوال کسی جغرافیہ دان پر چھوڑتے ہوئے' اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ عرب شعرا نے کوہِ اضم اور نواحِ کاظمہ کی تلمیحات اپنے کلام میں استعمال کی ہیں۔ صاحب قصیدہ بردہ' امام بوصیریؒ کا یہ شعر مشہور عالم ہے۔

اَمْ هَبَّتِ الرِّيحُ مِنْ تِلْقَاءِ كَاظِمَةٍ وَاَوْمَضَ الْبَرْقُ فِي الظَّلْمَاءِ مِنْ اِضَمِ

(ایسا تو نہیں کہ کاظمہ کی جانب سے ہوا کا جھونکا آیا ہو' یا یہ کہ اضم کے پہاڑ کی بجلی تاریکیوں میں چمکتی ہو)

اضم' مدینہ منورہ کے نواح میں ایک پہاڑی کا نام ہے جبکہ کاظمہ مدینہ شریف کا پرانا نام ہے۔ یہ تلمیحات کلامِ اقبال میں یونہی نہیں آ گئیں بلکہ ان کا ایک پس منظر ہے جسے جاننے کے لیے ''جغرافیائی الجھن میں پڑنے کی ضرورت'' ہے۔ وہ یہ کہ اقبال شروع ہی سے روضۂ رسولؐ کی زیارت کا شوق رکھتے تھے۔ دوسری گول میز کانفرنس سے فارغ ہو کر وہ ۶ دسمبر ۱۹۳۱ء کو بیت المقدس (فلسطین) پہنچے جہاں موتمر اسلامی کے اجلاس میں شرکت مقصود تھی۔ اقبال کے ساتھ مولانا غلام رسول مہر بھی تھے۔ اقبال نے موتمر اسلامی کے اجلاسوں میں شرکت کے علاوہ مسجد اقصیٰ' جبل زیتون' بستانِ جسمانیہ اور مختلف

مزارات کی زیارت کی اور فلسطین میں ۵ دسمبر ۱۹۳۱ء کی صبح تک قیام پذیر رہے (۱۷) ہندوستان کی نسبت مسجد اقصیٰ سے مدینہ منورہ کی مکانی نزدیکی نے اس سچے عاشقِ رسولؐ پر دراقدس کی حاضری کے لیے کیا کیا بے تابیاں نہ پیدا کی ہوں گی۔ سید نذیر نیازی لکھتے ہیں۔

"اُن (اقبال) کی ایک دیرینہ آرزو تھی...... حرمِ پاک نبوی کی زیارت ۱۹۳۳ء میں انگلستان سے واپس آتے ہوئے جب وہ موتمر اسلامیہ کی شرکت کے لیے بیت المقدس تشریف لے گئے ہیں تو اس وقت سفر حجاز کا سامان تقریباً مکمل ہو چکا تھا لیکن پھر جیسا کہ انہوں نے خود مجھ سے فرمایا" اس بات سے شرم آتی تھی کہ گویا میں ضمناً دربار رسول ﷺ میں حاضر ہوں۔ خیر اس وقت تک یہ ارادہ پورا ہونے سے رہ گیا مگر ان کے تاثرات دب نہ سکے اور ان کا اظہار اس نظم میں ہوا جو" ذوق و شوق" کے عنوان سے بالِ جبریل میں موجود ہے۔ (۱۸)

اَب اِقبال کی صحبت کے فیض یافتہ ،فخرِ اقبال کے مترجم کی زبانی اقبال کی اس وضاحت وشہادت کے بعد محترم نقاد اِس سب کچھ کو کس طرح "غلط" قرار دے سکتے ہیں۔ "علامہ کو اپنی کوتاہی کا احساس ہے اور افسوس بھی کہ مدینہ منورہ کے قریب ہوتے ہوئے بھی وہ روضہء مطہرہ کی زیارت سے شرف یاب نہ ہو سکے 'ارمان اور حرمان کے یہی تاثرات نظم میں منعکس ہوئے ہیں (۱۹) پروفیسر منور مرزا نے اقبال کی کیفیت کا نقشہ اپنے انداز میں یوں کھینچا ہے۔ "اقبال نے ذوق و شوق کے بیشتر اشعار فلسطین میں کہے تھے مگر وہ عالم خیال میں نواحِ مدینہ منورہ کی سیر وزیارت کر رہے تھے۔ دردِ ہجراں مضطرب کر رہا تھا' دل میں دیارِ حبیب کے دیدار کا ذوق' شوق انگیز تھا' ارمان مچل رہے تھے' روحانی کرب اور جسمانی بُعد۔ عجیب بے سکون لذّت اور بڑی لذیذ بے سکونی کا عالم تھا۔" (۲۰) سید نذیر نیازی کے ایک بیان سے واضح ہوتا ہے کہ سفر انگلستان و فلسطین کے پروگرام میں حرم پاک اور روضہء رسول ﷺ کی حاضری شامل تھی۔ یہ آرزو پوری نہ ہو سکی تو اس کا اظہار "ذوق و شوق" ایسی نظم میں ہوا (۲۱) اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ "ذوق و شوق" کو نعت قرار دینا "بعض شارحین" کا کام نہیں۔ دراصل یہ نظم اقبال نے لکھی ہی نعت کے طور پر ہے۔ باقی عبدالمغنی صاحب کا یہ کہنا کہ چونکہ پہلے بند میں "حسن ازل" کی بات ہے لہٰذا حسن ازل سے صرف خدا ہی کی ذات مراد ہے' اس لیے درست نہیں کہ مصرعے میں "حسن ازل" کی نہیں "حسنِ ازل کی نمود" کی بات ہو رہی ہے۔ اور حسن ازل کی نمود اگر نواحِ مدینہ میں ہے تو اس پر حیرت کی کیا بات ہے؟ کیا فاضل نقاد بھول جاتے ہیں کہ اقبال نے بانگ درا کے پہلے حصے کی نظم "جگنو" میں کہا تھا

حسنِ ازل کی پیدا' ہر چیز میں جھلک ہے ۔۔۔ انساں میں وہ سخن ہے' غنچے میں وہ چٹک ہے

مظاہر و مناظر فطرت میں حسنِ ازل کی نمود دیکھنا عام شاعرانہ مضمون و اسلوب ہے اور اقبال نے اپنے کلام میں متعدد جگہ اس نمود کا ذکر بھی کیا ہے لیکن یہی نمود جب کوہ اضم اور نواح کاظمہ میں ہوتی ہے تو معنوی تخصیص کا کونسا جواز نکلتا ہے؟

چوتھی دلیل .... اقبال نے کہا ہے ع۔ عشقِ تمام مصطفےٰؐ، عقلِ تمام بولہب

"اگر نظم کا موضوع عشقِ رسولؐ فرض کر لیا جائے تو سوال ہو گا کہ خود مصطفیٰؐ کو کس سے عشق تھا؟" (۲۲)

یہ وہ سوال ہے جس کی کوئی منطقی توجیہہ نہیں بنتی۔ جیسا کہ ہم نے اوپر اقبال کا مصرع درج کیا ہے اسے پڑھ کر کسی سے پوچھا جائے کہ خود مصطفےٰؐ کو کس سے عشق تھا اور خود ابولہب کے پاس کس کی عقل تھی؟ تو بات نہیں بنے گی۔ اقبال حضورؐ ہی کو "عشق" قرار دے رہے ہیں اور "عشق" سے کیا مراد ہے، یہ عبدالغنی صاحب اچھی طرح جانتے ہیں۔ عشق صرف جسمانی محبت ہی کو نہیں کہتے۔ عشق کی فلسفیانہ توضیح و تشریح کا یہ مقام نہیں بہر حال اتنا اشارہ کیا جا سکتا ہے کہ "عشق ہی کا دوسرا نام اسلام ہے۔" (۲۳) اور "اقبال کے نزدیک عشق کی بہترین مثال رسولِ کریمؐ کی زندگی ہے۔" (۲۴) اقبال نے عشقِ تمام مصطفےٰؐ ہی نہیں کہا اور بھی بہت کچھ کہا ہے: مثلاً

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفےٰؐ   عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
(مسجد قرطبہ)

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق   عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی
(غزل، بانگِ درا حصہ سوم)

کبھی سرمایۂ محراب و منبر   کبھی مولا علیؓ خیبر شکن عشق
(رباعی، بالِ جبریل)

پانچویں دلیل .... "سنجر و سلیم اور جنیدؒ و بایزیدؒ کی سیرتوں میں سوا خدا کے کسی اور کے جلال و جمال کی نمود کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" (۲۵)

...... خدا کا جلال و جمال کس نے دیکھا ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ فلاں کی سیرت میں صرف خدا ہی کا جلال و جمال نمود پذیر ہے۔ حق یہ ہے کہ مشہور حدیث "من رانی فقد رای الحق" کے مصداق خدا کے جلال و جمال کا اظہار صرف حضور نبی کریمؐ کی ذاتِ مبارکہ میں ہوا ہے۔ آگے جسے بھی جلال و جمال سے کچھ حصہ ملا ہے وہ حضورؐ ہی کے جلال و جمال کے طفیل ملا ہے۔ اقبال اس حقیقت کو کئی بار بیان کر چکے ہیں۔ محض ایک مثال کافی ہے۔

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغِ سکندری

چھٹی دلیل ...... "آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب "وجود باری کے سوا کوئی اور نہیں۔" (۲۷)

...... آیت سے مراد قرآنِ مجید کا ایک فقرہ بھی ہے اور نشانی بھی۔ "معنی" کا معنی "حقیقت اور مفہوم ہے۔ آیۂ کائنات یعنی آیت جیسی کائنات۔ معنیٔ دیریاب یعنی "وہ مفہوم جو دیر میں سمجھ آئے۔ اس ٹکڑے کا مطلب ہے کہ تو کائنات کی آیت (یا نشانی) کا وہ معنی ہے جو بہت دیر بعد سمجھ آئے۔ (۲۸) اب اگر اس سے مراد خدا کی ذات لی جائے تو لامحالہ یہ مطلب نکلے گا کہ خدا کی حقیقت سمجھ تو آجاتی ہے لیکن بہت دیر بعد۔ سوال یہ ہے کہ وہ خدا جو ابتدا میں انسانی سمجھ میں نہیں سماتا وہ بعد میں سمجھ آسکتا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اس سے مراد وہی ہے جو شمس الرحمان نے بیان کیا ہے۔

"آیۂ کائنات کا دیریاب معنی (یعنی رسولِ مقبولؐ) اس معنی میں دیریاب ہے کہ بزم کائنات تو کبھی تھی لیکن آپ کا ورودِ مسعود نسبۃً حال میں ہوا۔ (۲۹)

ڈاکٹر صدیق جاوید، رفیع الدین ہاشمی، یوسف سلیم چشتی، پروفیسر محمد فرمان اور ڈاکٹر محمد ریاض کے نزدیک بھی یہ نعت ہے۔ (۳۰)

عبدالمغنی صاحب "آیۂ کائنات کا معنی دیریاب ہے تو" کا ترجمہ کیا کرتے ہیں؟ قابل ملاحظہ ہے" خطاب براہِ راست حسنِ ازل، محبوب حقیقی سے ہے، جو کائنات میں وجود باری تعالیٰ کی چاروں طرف پھیلی ہوئی آیات کا معنی و مطلب ہے مگر بآسانی سمجھ میں نہیں آتا۔ مظاہر کی دلفریبی پردہ بنی ہوئی ہے" (۳۱)

یہاں فاضل نقاد "مظاہر کی دلفریبی" کا سہارا لینے کے باوجود، جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اُسے علامہ اقبال نے بدرجہاں بہتر انداز میں پہلے ہی سے کہہ رکھا ہے لیکن ہے وہ بھی نعت ہی۔

هر کجا بینی جهانِ رنگ و بو آنکه از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰؐ او را بهاست یا هنوز اندر تلاشِ مصطفیٰؐ ست

(جاوید نامہ)

آخری دلیل ...... "سب سے بڑھ کر حسب ذیل شعر کا مرجع اگر خدا کے سوا کوئی بھی ہو تو صریح شرک لازم آئے گا۔

شوق ترا اگر نہ ہو مری نماز کا امام میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب" (۳۲)

...... یہاں جوشِ استدلالیت میں عبدالمغنی صاحب مفتی صاحب بھی بن گئے ہیں۔ حالانکہ اس شعر میں محض یہ کہا گیا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور شوقِ اتباع، عبادت کا اصلی محرک نہ ہو

تو وہ عبادت محض حجاب ہے اور مقبول بارگاہ خداوندی نہیں ہو سکتی۔ اس مفہوم میں شرک کہاں سے لازم آتا ہے؟ جناب عبدالمغنی صاحب تو حضورؐ کے شوق (عشق و محبت) کو نماز کا امام تسلیم کرتے ہوئے تکفیر پر اتر آتے ہیں لیکن علامہ اقبال نے تو اس سے بھی بڑی بات ارشاد فرما رکھی ہے۔

اے تو ما بے چارگاں را ساز و برگ وا رہاں ایں قوم را از ترسِ مرگ
در جہانِ ذکر و فکرِ انس و جاں تو صلوٰۃِ صبح' تو بانگِ اذاں

(پس چہ باید کرد)

اس میں تو حضور ﷺ کے شوق کو نماز کا امام نہیں بلکہ خود حضور ﷺ کو اذان و صلوٰۃ کہا گیا ہے۔ اگر اس شعر کے حوالے سے اقبال کے نزدیک حضور ﷺ ہی "عین صلوٰۃ" ہیں تو عین صلوٰۃ کا شوق "امام نماز ہو کر کیسے کفر بن سکتا ہے؟ اس شعر کے اگر ظاہری معانی بھی مراد لیے جائیں تو حضور ﷺ کا شوق یہاں امام صلوٰۃ ہے نہ کہ مسجود مصلیٰ' پس تکفیر کیسے ثابت ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہم حضورؐ کے ارشاد فرمائے ہوئے طریقے کے مطابق نماز پڑھتے ہیں تو گویا اُن کی اتباع 'امام بن کر ہماری نماز کا حصہ بنتی ہے بلکہ اصلِ نماز ٹھہرتی ہے۔ ہر عبادت کی اصل بنیاد حبِ رسولؐ ہے۔

مغزِ قرآں' روحِ ایماں' جانِ دیں ہست حبِ رحمۃ للعالمینؐ

مندرجہ بالا تنقیحات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا عینِ حقیقت ہے کہ نظم "ذوق و شوق" اقبال کا ترانہ حمد نہیں بلکہ عشقِ رسولؐ کا نغمۂ سرمدی ہے۔ راقم الحروف عبدالمغنی صاحب سے اس استفسار کا حق رکھتا ہے کہ اگر ان کی تعبیر صحیح ہے تو۔ لوح بھی تو' قلم بھی تو' تیرا وجود الکتاب...... میں "تیرا وجود الکتاب" نعت کے بجائے حمد کا بیان کیسے ٹھہرے گا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس بند کی فکری و فنی خوبیوں کے ایک ایک جزو کو بیان کرتے ہوئے (اقبال کا نظامِ فن ص ۳۵۶ تا ۳۵۸) نقاد موصوف اس مصرعے ہی کو گول کر گئے ہیں 'اور اس بارے میں ایک اشارہ تک نہیں دیا۔ چونکہ اس سے محض نعتِ محبوب کبریاؐ ہی ثابت ہوتی ہے لہٰذا اس سے صرفِ نظر کرنا اور ذوق و شوق کی نعتیہ حقیقت کو تسلیم نہ کرنا ادبی و تحقیقی دیانت کے موافق نہیں۔ حضورؐ کے لئے "لوح بھی تو قلم بھی" کے الفاظ فقط اقبال ہی نے استعمال نہیں کیے اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ علامہ 'یوسف نبہانیؒ' رقم طراز ہیں:۔

"اِنَّ جَسَدَہٗ الشَّرِیْفَ لَا یَخْلُوْ مِنْہُ زَمَانٌ وَّلَا مَکَانٌ وَ لَا مَحَلٌّ وَلَا اِمْکَانٌ وَلَا عَرْشٌ وَّ لَا کُرْسِیٌّ وَلَا قَلَمٌ وَ لَا بَرٌّ بَحْرٌ وَلَا سَہْلٌ وَ لَا وَعْرٌ وَ لَا بَرْزَخٌ وَ لَا قَبْرٌ (۴۳)

ترجمہ:۔ بیشک حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم مبارک سے نہ کوئی زمانہ خالی ہے نہ کوئی جگہ' نہ کوئی محل

اور نہ کوئی امکان اور نہ عرش نہ کوئی قلم اور نہ کوئی. بحر و بر اور نہ کوئی نرم زمین نہ سخت زمین اور نہ برزخ اور نہ قبر۔

ڈاکٹر عبدالمغنی کی کتاب "اقبال کا ذہنی و فنی ارتقا دہلی سے ۱۹۹۱ء میں شائع ہوئی تو پاکستان کے معروف ماہر اقبالیات جناب ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اس کتاب پر تبصرہ لکھا جو "سیارہ" لاہور کے خاص نمبر ۳۱ (سالنامہ) جلد ۶۱' شمارہ نمبر ۴ بابت دسمبر ۱۹۹۱ء کے صفحہ نمبر ۴۸۸ اور ۴۸۹ پر شائع ہوا۔ اس تبصرہ میں ہاشمی صاحب نے "ذوق و شوق" کی بابت جناب عبدالمغنی صاحب کی رائے کی ایک لحاظ سے تائید کی ہے۔

"ذوق و شوق" کے دوسرے اور تیسرے بند (آیہ کائنات کا معنی دیریاب تو" اور "لوح بھی تو قلم بھی تو) کو اقبال کے شارحین کے برعکس عبدالمغنی صاحب حمد یہ قرار دیتے ہیں (نہ کہ نعتیہ) ہمارے خیال میں یہ تعبیر و تشریح زیادہ بہتر اور قابل قبول ہے۔ (۱)

ڈاکٹر ہاشمی صاحب کی میدانِ اقبالیات میں بہترین خدمات' واضح اندازِ تحقیق اور حق گوئی میں شہرت کے باعث ان کی ہر رائے ایک خاص اہمیت رکھتی ہے اور راقم الحروف کو اس کا بہت پاس بھی ہے۔ لیکن عبدالمغنی صاحب کی اس رائے کی تائید و توثیق میں وہ کئی امور مد نظر نہیں رکھ سکے۔

ا...... خود ڈاکٹر ہاشمی صاحب اپنی کتاب "اقبال کی طویل نظمیں" میں ذوق و شوق کو نعتیہ قرار دے چکے ہیں اور اب ڈاکٹر عبدالمغنی صاحب کو رائے کی نسبتہً زیادہ قابل قبول اور بہتر قرار دے کر گویا وہ اپنے پہلے قول سے رجوع کر رہے ہیں۔ حالانکہ اُن کا پہلا قول ہی درست تھا۔

ب...... ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب نے اپنی پی ایچ ڈی کی تحقیق کے دوران میں بالِ جبریل کا متروک کلام تلاش کر کے شائع کرایا تھا۔ اُنہوں نے لکھا تھا "(بالِ جبریل کے یہ متروک اشعار) باقیات کے کسی مجموعے میں نہیں ملتے...... یہ نوادر بجائے خود اہم ہیں...... راقم نے انہیں براہ راست اقبال کی قلمی بیاضوں اور مسوّدوں سے اخذ کیا...... خالص تحقیقی اعتبار سے بلکہ فنی اور شعری محاسن کے نقطۂ نظر سے بھی ان اشعار کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔" ۲۔ راقم الحروف ڈاکٹر صاحب موصوف کے اسی مضمون سے اُن کی اپنی تحقیق سے دریافت شدہ اسی نظم ذوق و شوق کے چند متروک اشعار درج کر رہا ہے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ علامہ اقبال کے یہ اشعار "ذوق و شوق" کی صحیح تعبیر میں بہتر طور پر معاون ہوں گے۔

منزلِ یار سامنے اور یہ کیفیت مری　　　خونِ دل و جگر میں ہے ڈوبی ہوئی مری فغاں

(اس شعر سے صاف ظاہر ہے کہ فلسطین میں مدینہ شریف سے مکانی قربت کا ذکر ہو رہا ہے)

وارث علم انبیاء لیتے ہیں دہریوں سے درس
اب ہے خدا کے ہاتھ میں اہل حرم کی آبرو

صاحب اختیار ہے میرے معاملے میں تو اس کا گنہگار ہوں، تجھ سے بھی شرمسار ہوں

(یہاں اُس اور تجھ سے کون مراد لیا جائے گا؟ صاف ظاہر ہے کہ اُس سے مراد "خدا" ہے جس کا ذکر پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں ہوا (اب ہے خدا کے ہاتھ میں) اور تجھ سے مرادِ تخاطب حضورؐ ہیں۔ اگر یہاں بھی حمدیہ مناجات ہے تو خود خدا سے یہ کہنا کہ اب ہے خدا کے ہاتھ میں...... کیا معنی رکھتا ہے؟ اس سے آگے شعر ہے؟

راز و نیازِ مارَمیت ' سوز و گدازِ عبدہٗ تو ہے تجلیٔ وجود ' تو ہے تجلیٔ شہود

(کیا مارمیت...... آیۂ شریفہ صرف حضور نبی کریم کی شان ہی میں نہیں نازل ہوئی؟ کیا اس کے مشارٌ الیہ یعنی حضور نبی اکرمؐ کے مشارٌالیہ نہ ہونے کا انکار قرآنی تعلیم کے خلاف نہیں۔ کیا یہ آیت بھی ہمارے ذہن کو حمد کی طرف لیجاتی ہے اور عبدہٗ۔ سے مراد کون ہے؟ کیا (نعوذ باللہ) خدا کو عبدہٗ کہا جا سکتا ہے۔ اگر "عبدہٗ" صرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے تو پھر اس نعتیہ قصیدے سے حمد کیسے مراد لی جا سکتی ہے۔ اسی نظم کا ایک اور متروک شعر ہے۔

میر عسا کرِ اُمَم اپنی سپاہ ساز کر ارض و سما کی طاقتیں، تیرے جنود ہیں تمام

(کیا میر عساکر اُمم کا اشارہ بھی حضورؐ ہی کی طرف نہیں جاتا؟ اور علامہ اقبالؔ نے اپنے کلام میں حضورؐ کو میرِ اُمَم نہیں کہا؟ راقم الحروف کے خیال میں اگر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی خود اپنی کاوش سے تلاش کیے ہوئے مندرجہ بالا متروک اشعار پر از سر نو غور کر لیں تو یقیناً عبدالمغنی صاحب کی رائے کی تائید سے ہاتھ کھینچ لیں۔

جہاں تک اس نظم کے فکری جائزے کا تعلق ہے۔ یہ نظم ایک سچے عاشق رسولؐ کے جذبات فراق کی آئینہ دار ہے۔ سرزمین فلسطین سے قربِ مکانی کے باوصف گنبدِ خضرا کی زیارت سے محرومی "ذوق و شوق" کا شعری تخلیق کا باعث ہوئی ہے۔

شاعر تصوراتی طور پر روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گامزن ہے۔ دشتِ عرب میں جب وہ مدینہ منورہ کے نزدیک کوہِ اضم کے مقام پر پہنچتا ہے تو گزرگاہِ محبوب کی فطرتی حسن سے بے پناہ متاثر ہوتا ہے۔ صبح کا سماں، چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں دواں ہیں۔ رات کا بادل نیلے اور سرخ بادل چھوڑ گیا ہے۔ رات کی بارش سے ہوا گرد و غبار سے صاف ہو گئی ہے۔ درختوں کے پتے بھی دُھل کر نکھر گئے ہیں۔ ان مناظر میں وہی حسن جلوہ نما ہے جو تخلیقِ کائنات کے وقت ظاہر ہوا تھا۔ جس سے پردۂ وجود چاک ہو

جاتا ہے لیکن اس حسنِ ازل کو دیکھنے کے لیے ظاہری آنکھ بند کرنی پڑتی ہے۔ ایسے میں شاعر کو ایک مقام نظر آتا ہے جہاں بجھی ہوئی آگ اور ٹوٹی ہوئی طناب اس بات کی غماز ہے کہ اور قافلے بھی اسی راستے سے مدینہ منورہ کی طرف گئے ہیں۔ اتنے میں شاعر کو صدائے جبرئیل سنائی دیتی ہے۔

اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی "

شاعر' جس نے دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہو کر اپنا دردِ دل بیان کرنا تھا' صدائے جبرئیل سُن کر وہیں رُک جاتا ہے لیکن اس کی دلی کیفیات زبانِ حال سے ظاہر ہوتی ہے۔

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات کہنہ ہے بزمِ کائنات' تازہ ہیں میرے واردات

شاعر ملتِ اسلامیہ کے انحطاط' بے عملی' بے علمی اور جذبۂ جہاد سے محرومی کا گلہ کرتا ہے۔

قافلۂ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں گرچہ ہے تابدار ابھی' گیسوئے دجلہ و فرات

یہاں شاعر' حضرت امام حسینؓ کو انقلاب و جہاد کا استعارہ بنا کر پیش کرتا ہے۔ اس کے نزدیک ملّت کے مندرجہ بالا اجتماعی امراض کا سبب "عشق سے محرومی" ہے۔ ع۔

عشق نہ ہو تو شرع ودیں بت کدۂ تصورات۔ یہ معشوق مختلف مظاہر میں جلوہ گر ہوتا ہے چنانچہ معرکۂ روح و بدن میں صدقِ خلیلؑ بھی عشق ہے صبر حسینؓ بھی اور جہادِ بدر و حنین بھی عشق ہی کی جلوہ گری ہے۔

بدر و حنین سے وہ خواجۂ بدر و حنین صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور ﷺ آپ بعثت میں تمام انبیاء کے بعد تشریف لائے ہیں حالانکہ آپ ﷺ کو سب سے پہلے خلق کیا گیا تھا۔ گویا آپ آیۂ کائنات کا معنیٰ دیریاب ہیں۔ چونکہ یہ کائنات آپ ﷺ ہی کے لیے خلق کی گئی ہے لہٰذا ازل سے ابد تک' رنگ و بو کا ہر قافلہ آپ ﷺ ہی کا متلاشی ہے۔ پھر شاعر علماء و صوفیاء کی کور نظری' مردہ ذوقی اور روحانی فقدان کی شکایت کرتا ہے۔ وہ ان خامیوں کے علاج کے لیے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کی تلقین کرتا ہے اور "کھوئے ہوؤں کی جستجو" کو اپنی شاعری کا نصب العین قرار دیتا ہے۔ اس بند کی ٹیپ کا شعر ہے۔

فرصت کشمکش مدہ ایں دلِ بے قرار را یک دو شکن زیادہ کُن گیسوئے تابدار را

یہ زبورِ عجم کی ایک غزل کا مطلع ہے۔ جسکے بارے میں پروفیسر۔ یوسف سلیم چشتی رقم طراز ہیں۔ "یہ مطلع ہے اُس غزل کا' جو اُنہوں نے نعت میں لکھی ہے۔" (۳۶)

اس نظم کے لیے زبورِ عجم کی نعتیہ غزل کے مطلع کا انتخاب اِس نظم کے نعتیہ ہونے کا ایک اور ثبوت ہے۔ چوتھا بند' نعتیہ عقیدت کا شہکار ہے۔ اس میں براہِ راست حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ، تیرے محیط میں حباب

"تیرا وجود الکتاب" حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اُس بیان کی تلمیح ہے۔ جس میں اُنھوں نے حضورؐ کے خلق کو قرآن قرار دیا تھا اور حق یہ ہے کہ سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سے بہتر اور جامع تبصرہ ممکن نہیں۔ اس بند میں حضورؐ کے احسانات کا ذکر ہے۔ آپؐ باعثِ تخلیق کائنات ہیں (عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ) آپ نے بے مایہ قوم (عربوں) کو آداب خداوندی سکھائے۔ (ذرّۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب)

شوکتِ سنجرؒ و سلیمؒ تیرے جلال کی نمود
فقر جنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمالِ بے نقاب

شوق ترا اگر نہ ہو، میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

اسلامی سلاطین کی شوکت اور اولیائے کرام کا فقر، سب حضورؐ ہی کی دین ہے۔ آپ ﷺ کی محبت ہی عبادت کا اصل محرک ہے۔ یہاں اقبال نے حضور ﷺ کی محبت سے خالی نماز کو محض حجاب قرار دیا ہے لیکن بالِ جبریل ہی کی ایک غزل میں اقبال نے اس سے بڑھ کر بات کی تھی۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

اس بند کے آخر میں حضورؐ سے استمداد کی گئی ہے۔

تیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے
طبعِ زمانہ تازہ کر جلوۂ بے حجاب سے

اس نظم میں اقبال نے حضور ﷺ سے طبع زمانہ تازہ کرنے کی التماس کر کے ایک شعری پیرایہ ہی نہیں اپنایا، اپنے عقیدے کا بھی اظہار کر دیا ہے جیسا کہ وہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۲ء کے خط میں نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں۔

"میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریمؐ زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی اُن کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ ہوا کرتے تھے لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہوگا۔ اس واسطے خاموش رہتا ہوں۔" (۳۷)

آخری بند میں علم یعنی عقل کی نارسائی اور عشق کے فیوض کا ذکر ہے۔ فلسفۂ وصال و فراق پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ایک شعر میں اپنی اُس کیفیت کا ہو بہو نقشہ کھینچ دیا ہے جس میں وہ سرزمین فلسطین سے مدینہ منورہ جانا چاہتے تھے لیکن جانہ سکے

عین وصال میں مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا
گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہِ بے ادب

یوسف سلیم چشتی کا اس کی شرح میں یہ لکھنا محلِ نظر ہی نہیں، خلافِ ادب بھی ہے۔

"اگرچہ میری نگاہ دیدار کی مشتاق تھی، لیکن میں نے وصل کی حالت میں بھی محبوب کی طرف نہیں دیکھا تاکہ "لذتِ طلب" برقرار رہے۔" (۳۸)

اصل یوں ہے کہ اگرچہ اقبال مدینہ شریف جانا چاہتے تھے، پروگرام بھی طے ہو گیا تھا لیکن پھر جانہ سکے، کیوں؟ اس کا جواب فقیر سید وحید الدین اقبال کی زبانی یوں دیتے ہیں۔ "والد مرحوم نے اثنائے گفتگو میں کہا، اقبال! تم یورپ ہو آئے، مصر اور فلسطین کی بھی سیر کی، کیا اچھا ہو تاکہ واپسی پر روضۂ اطہر کی زیارت سے بھی آنکھیں نورانی کر لیتے۔ یہ سنتے ہی ڈاکٹر صاحب کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ یعنی چہرے پر زردی چھا گئی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ چند لمحے تک یہی کیفیت رہی۔ پھر کہنے لگے۔ "فقیر! میں کس منہ سے روضۂ اطہر پر حاضر ہوتا۔" (۳۹)

راقم الحروف کے خیال میں یہی توجیہہ درست ہے اور اقبال کا مدعا (مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا) بھی یہی ہے۔

مندرجہ بالا شواہد سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اقبال کی نظم "ذوق و شوق" دراصل بنیادی طور پر نعت شریف ہے اور اس کے تیسرے بند میں خصوصیت کے ساتھ نعتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان ہوئی ہے نہ کہ حمدِ خدا۔ یہ نعت دیگر نعتوں سے منفرد بھی ہے اور ممتاز بھی۔

ڈاکٹر صدیق جاوید کے بقول۔ "فلسفۂ اقبال کے بعض پہلوؤں کی ترجمانی کے علاوہ، جو بات اس نظم کو سب سے زیادہ اہم بناتی ہے وہ رسولِ اکرمؐ سے عقیدت اور عشق کا والہانہ جذبہ ہے۔ شاید اُردو اور فارسی میں اس پائے کی کوئی دوسری نعت موجود نہیں جس میں موضوع اور فن اس طرح ہم آہنگ ہوئے ہوں۔" (۴۰)

حوالہ جات

۱۔ عبادت بریلوی ڈاکٹر، اقبال احوال و افکار، ص ۱۶۷ مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۷۷ء۔

۲۔ محمد منور مرزا، میزان اقبال، ص ۲۵۔ اقبال اکادمی لاہور ۱۹۸۶ء

۳۔ نسیم امروہوی، فرہنگ اقبال، ص ۳۸۵ (حصہ اُردو، عمودا)۔ اظہار سنز لاہور ۱۹۸۴ء

۴۔ یوسف سلیم چشتی، شرح بالِ جبریل، ص ۵۴۳۔ عشرت پبلشنگ ہاؤس۔ لاہور س۔ن۔

۵۔ غلام رسول مہر مولانا، مطالب بالِ جبریل ص ۱۵۰۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۷ء

۶۔ عبدالمغنی ڈاکٹر، اقبال اور عالمی اَدب ص ۲۸۵۔ اقبال اکادمی لاہور، طبع دوم ۱۹۹۰ء

۷۔ تا ۹۔ ایضاً۔ اقبال کا نظام فن، صفحات (بالترتیب) ۳۵۲، ۳۵۶، ۳۶۴، اقبال اکادمی لاہور طبع دوم ۱۹۹۰ء

۱۰ تا ۱۲۔ ایضاً۔ اقبال کا ذہنی و فنی ارتقا صفحات (بالترتیب) ۶۳، ۶۵، ۶۶ انجمن ترقی اردو ہند دہلی ۱۹۹۱ء

۱۳۔ ایضاً ص ۶۳۔

۱۴۔ ایضاً ص ۶۵۔

۱۵۔ ایضاً ص ۶۶۔

۱۶۔ عبدالمغنی ڈاکٹر، اقبال کا نظامِ فن ص ۳۴۸۔ اقبال اکادمی لاہور، طبع دوم ۱۹۹۰ء۔

۱۷۔ جاوید اقبال ڈاکٹر۔ زندہ رود جلد نمبر ۳ ص ۶۶۳ تا ۶۷۴۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۴ء۔

۱۸۔ نذیر نیازی سید، مضمون "علامہ اقبال کی آخری علالت" ص ۳۲۰ مشمولہ رسالہ اُردو اقبال نمبر منقولہ صدیق جاوید "بالِ جبریل کا تنقیدی مطالعہ ص ۱۸۵۔

۱۹۔ صدیق جاوید، بال جبریل کا تنقیدی مطالعہ ص ۱۸۵۔ یونیورسل بکس، لاہور ۱۹۸۷ء۔

۲۰۔ محمد منور مرزا، میزانِ اقبال ص ۲۷۔ اقبال اکادمی لاہور ۱۹۸۶ء

۲۱۔ نذیر نیازی سید، مکتوبات اقبال ص ۷۷۔ اقبال اکادمی لاہور طبع دوم ۱۹۷۷ء

۲۲۔ عبدالمغنی ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی و فنی ارتقا ص ۶۶۔ انجمن ترقی اردو ہند، دہلی ۱۹۹۱ء

۲۳۔ عبدالحکیم خلیفہ، فکرِ اقبال ص ۳۱۳۔ بزم اقبال، لاہور طبع دوم ۱۹۶۱ء

۲۴۔ ایضاً ص ۳۲۷۔

۲۵۔ عبدالمغنی ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی و فنی ارتقا ص ۶۶۔ انجمن ترقی اردو ہند، دہلی ۱۹۹۱ء۔

۲۶۔ ولی الدین محمد (مرتّب) مشکوٰۃ شریف، جلد دوم ص ۳۷۶۔ مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س۔ن

۲۷۔ عبدالمغنی ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی و فنی ارتقا ص ۶۶

۲۸۔ نسیم امروہوی، فرہنگ اقبال حصہ اُردو ص ۷۴۹ عمود ۱۱ اظہار سنز، لاہور ۱۹۸۴ء۔

۲۹۔ شمس الرحمان فاروقی مضمون "اقبال کا لفظیاتی نظام" مشمولہ اقبال کا فن (مرتبہ گوپی چند نارنگ) ص ۲۰۵۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۱۹۸۳ء

۳۰۔ (بالترتیب) بال جبریل کا تنقیدی مطالعہ ص ۱۸۸، اقبال کی طویل نظمیں ص ۱۳۸، شرح بال جبریل ص ۵۵۰، اقبال اور تصوّف ص ۱۵۱، تقدیرِ اُمم اور اقبال ص ۲۰۴

۳۱۔ عبدالمغنی ڈاکٹر۔ اقبال کا نظام فن ص ۳۵۲۔ اقبال اکادمی، لاہور ۱۹۸۵ء

۳۲۔ ایضاً، اقبال کا ذہنی و فنی ارتقا ص ۶۶۔ انجمن ترقی اُردو ہند، دہلی ۱۹۹۱ء

۳۳۔ یوسف البنہانی علامہ 'جواہر البحار ص ۴۸۲۔ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۷۹ھ۔

۳۴۔ رفیع الدین ہاشمی مضمون "تبصرہ بر کتاب "اقبال کا ذہنی و فنی ارتقا از عبدالمغنی مشمولہ رسالہ سیارہ نمبر ۳۱'ص نمبر ۴۸۹۔لاہور۔

۳۵۔ رفیع الدین ہاشمی 'مضمون "بال جبریل کا متروک کلام" مشمولہ اقبال ۸۴ (مرتب وحید عشرت) ص ۲۵۶۔اقبال اکادمی' لاہور ۱۹۸۶ء۔

۳۶۔ یوسف سلیم چشتی۔ شرح بالِ جبریل ص ۵۵۳۔ عشرت پبلشنگ ہاؤس' لاہور س۔ن

۳۷۔اقبال اکادمی (مرتب) مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں' خط نمبر ۵۴' ص ۶۰ اقبال اکادمی' لاہور ۱۹۸۶ء

۳۸۔ یوسف سلیم چشتی' شرح بال جبریل ص ۵۶۰۔ عشرت پبلشنگ ہاؤس' لاہور' س۔ن۔

۳۹۔وحیدالدین سید فقیر' روزگار فقیر جلد اول ص ۳۷۔
مطبوعہ لائن آرٹ پریس' لاہور ۱۹۶۴ء

۴۰۔ صدیق جاوید ڈاکٹر' بال جبریل کا تنقیدی مطالعہ ص ۱۹۱۔ یونیورسل بکس' لاہور ۱۹۸۷ء

نعت میں چراغاں

منصور ملتانی

انسان کو اللہ تعالیٰ نے بصارت عطا کر کے اسے دنیا کی رنگا رنگ اشیاء کو دیکھنے کا موقع عطا فرمایا ہے۔ بصارت براہ راست روشنی سے متعلق ہے کیوں کہ روشنی ہی مختلف چیزوں اور ان کے رنگوں سے منعکس ہو کر آلۂ بصارت یعنی آنکھ تک پہنچتی ہے اور ہم اپنے آپ کو دیکھنے والا کہہ سکتے ہیں۔ گویا روشنی کے بغیر بصارت کا اپنا کوئی وجود نہیں۔ ظاہری طور پر آسمان پر چمکتا ہوا سورج زمین کو روشنی فراہم کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اسے روشن چراغ کہا ہے۔ اور جب یہ روشن چراغ اوجھل ہو جاتا ہے اور اس کی روشنی میں ہمیں میسر نہیں ہوتی تو ہماری دنیا میں اندھیرے چھا جاتے ہیں اور انسانی جبلّت کو اندھیرے سے خوف ودیعت ہوا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اپنے اوپر حملہ آور ہونے والی قوت کو دیکھنے پر قادر نہ ہو تو اپنا دفاع صحیح طور پر کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ اسی خوف کی بنیاد پر انسان نے اپنی اندھیری دنیا کو روشن کرنے کے لیے پہلے پہل آگ کا سہارا لیا پھر قدرتی طور پر دستیاب روغن بطور ایندھن استعمال کر کے مشعل اور چراغ بنائے رفتہ رفتہ اپنے آپ کو اندھیروں سے بچانے کی خواہش نے برقی رو کا استعمال سکھایا کہ جس کی مدد سے آج وہ شب کے اندھیروں میں دن کا سماں بنالیتا ہے۔ یہی اندھیرے کو ناپسند کرنے والی انسانی جبلّت ہی ہے جس کے سبب اندھیرا، یاس، ناامیدی، غم والم اور گمراہی کی علامت ٹھہرا اور روشنی سب کی نسبت سے آگ کے بعد قدیم ترین آلۂ نور کے طور پر چراغ انسانی تہذیب میں اجالوں کا منبع و مخرج قرار پایا۔

چراغ بنیادی طور پر فارسی زبان کا لفظ ہے، عربی میں سراج اور شمع ہندی میں دیا۔ دیپ اور دیپک کے طور پر مشتمل ہے جبکہ اس خطے کی قدیم اور مقامی زبانوں میں اسے دیوا اور بتی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اردو زبان میں فارسی، عربی اور ہندی تینوں زبانوں سے الفاظ شامل ہوئے اس لیے یہ سب الفاظ اردو میں اپنے اپنے نفسیاتی پس منظر کے ساتھ مروّج ہیں۔ صورت یہاں تک پہنچی ہے کہ انگریزی زبان سے اس کا مترادف لیمپ بھی اردو میں رواج پا گیا ہے۔ اردو میں چراغ اور چراغاں سے متعلق بیسیوں محاورے بھی لکھے اور بولے جاتے ہیں جیسے کہ چراغ گل کر دینا۔ چراغ اکسانا، چراغ بتی ہونا۔ چراغ بڑھانا، چراغ پا ہونا، چراغ جلانا۔ چراغ سے پھول جھڑنا۔ چراغ سے چراغ جلانا اور چراغ لیکر ڈھونڈنا وغیرہ اس

کے علاوہ چراغ سے مختلف تراکیب بھی بنا کر استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے چراغِ آرزو، چراغِ محفل اور چراغِ سحری وغیرہ پھر یہی جب اردو لغت میں داخل ہوا تو یہ عقیدت کی محبت کی۔ نور کی اور خیر کی واضح علامت بن گیا۔

میلادالنبیؐ کا لمحہ وہ عظیم لمحہ تھا کہ جس کے سامنے سارے جن وانس کی صدیوں عبادت بے حیثیت ہو کر رہ گئی تھی۔ تاریکیاں چھپنے کے لیے جگہ تلاش کرنے لگیں اور ہر طرف دائمی خوشی اور سرخوشی کے رنگ بکھر گئے۔ اسی ایک لمحے کے بارے میں شعر دیکھیے۔

وہ ایک رات چراغاں ہوا زمانے میں
ہوا بھی ہو گئی شامل دیئے جلانے میں

محشر بدایونی

اور چراغاں کیوں نہ ہوتا کہ خالقِ دوجہاں کے محبوب انبیاء کے سرتاج اور عالم انسانیت کے لیے رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عالم فانی میں جلوہ فرما ہوئے تھے۔ آپ کی ذات پاک میں سرتاپا خیر ہی مجسّم ہو گیا تھا۔ آپؐ کی آمد روشنی کی ایسی نوید تھی کہ ہر طرف نباتات و جمادات میں بھی روشنی بھر گئی تھی آپؐ انبیاء کے اس سلسلے کے آخری تاجدار ہیں جو حضرت آدم سے شروع ہوا تھا۔ اور آپ کا لایا ہوا پیغام یعنی قرآن ابد تک کے لیے رہنما ہے۔ یوں خیر و شر سے بھری ہوئی اس دنیا میں خیر کی فتح یقینی ہو گئی خیر و شر کی کشمکش تو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی اس حقیقت کے پیش نظر علامہ اقبال نے کہا تھا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

یوں چراغِ نور سے متصف ہونے کے سبب آپ کی نسبت سے سعادت افروز ہوا۔ اور خیر کی روشنی ہر طرف پھیلنے لگی۔ یہ چراغ صرف چراغِ مصطفویؐ کی ترکیب ہی میں نہیں بلکہ بہت سی ایسی ہی تراکیب میں ڈھل گیا جیسے چراغِ راہ ہدایت۔ چراغِ رحمتہ للعالمینؐ۔ چراغِ لم یزل، چراغِ سیرت، مہ نور۔ چراغِ حق۔ چراغِ کائنات وغیرہ اور یوں نعت میں ہر طرف چراغ ہی چراغ روشن ہو گئے۔

اے چراغِ اہلِ بینش
مقصودِ وجودِ آفرینش

سعدیؔ شیرازی

جلووں سے جس کے دونوں جہاں جگمگا اٹھے
کس نور کا چراغ یہ کعبے میں جل گیا
مرزا مائل دہلوی

شکستہ ہمت و گمراہ قافلوں کے لیے
چراغِ راہِ ہدایت ہیں رہنما ہیں رسولؐ
اقبال صفی پوری

وہ چراغِ لم یزل کی تھی شعاعِ اوّلین
جس نے ہر ہر شہر میں گھر گھر اجالا کر دیا
رسا جالندھری

شبِ حیات میں انوارِ مصطفیٰؐ کا چراغ
فروغِ راہ بنا مہر و ماہتاب ہوا
صدیق فتح پوری

مل گیا بھٹکے ہوؤں کو ان کی منزل کا سراغ
جب چراغِ رحمت للعالمینؐ روشن ہوا
اکرم علی اختر

چراغِ سیرتِ پُر نور اگر نگاہ میں ہو
تو پھر اندھیرا کہاں رہگزر میں رہتا ہے
محشر بدایونی

وہ حق کا چراغ جل رہا ہے
باطل کا غرور ڈھل رہا ہے
سید ارتضا عزمی

میرے آقا ہیں چراغِ کائنات
آپؐ کے دم سے ہے تنویرِ حیات
ظہیر احمد ظہیر

چراغِ نورِ مصطفیٰ دلوں میں ہے
وہ آفتابِ کم نما دلوں میں ہے

نذیر قیصر

اے چراغِ بزمِ کونین السلام
اے وجودِ حُبِ رحمان السلام

منیر الحق کعبی

جلا مجھے کہ مہک اٹھوں اے چراغِ حرم
میں اپنے جسم کو صندل بنا کے لایا ہوں

عارف عبدالمتین

عالم ہے شب، چراغِ منور نبیؐ کا نام
ہر روشنی کا مرکز و محور نبیؐ کا نام

آفتاب کریمی

روشن نہ ہو کیوں منزلِ تقدیرِ تمنا
ہیں آپؐ چراغِ رہِ تدبیرِ تمنا

اختر الحامدی

ہمیشہ جلتا رہے گا چراغِ مصطفویؐ
جلائیں جل نہیں سکتے کبھی کسی کے چراغ

رشید خان رشید

یہ عالم فانی اس لحۂ عظیم کو کب بھول سکتا ہے جس لحۂ عظیم کی اہمیت زاہدان بے ریا کی ہر ریاضت سے زیادہ ہے۔ سارے جنّ وانس کی صدیوں عبادت اس لحہ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی یعنی لحۂ میلاد مبارک آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ وعلیہ وسلم اور اس لمحے تو حور و غلمان جنّ وانسان اور ملائک بھی چراغاں کرنے میں مصروف ہو گئے تھے اور اس گھڑی اس ساعت سے چراغوں کو جشن چراغاں میں شمولیت کی جو سعادت نصیب ہوئی اسی کے سبب اردو شاعری میں عموماً نعتیہ شاعری میں خصوصاً ہر طرف چراغاں سا ہوتا نظر آتا ہے۔

چمن سے موسم دارورسن ہوا رخصت
قدم قدم پہ چراغوں کا آج میلہ ہے
ریاض حسین چوہدری

وہ آئے دہر میں تو اسیرانِ سحرِ شب
گویا حصار جشن چراغاں میں آگئے
عاصی کرنالی

محبتوں کے چمن کھلائے ہیں آپ نے خلقِ بے کراں سے
وفا کی تعلیم سے چراغاں کیے ہیں سینے میرے نبیؐ نے
جعفر بلوچ

طور پر انوارِ رحمت سے چراغاں ہوگیا
معجزاتِ ابن مریم شوق بھڑکاتے رہے
سید افتخار حیدر

دکھا دوں گا اگر تقدیر لے آئی مدینہ میں
کہ ہر داغِ جگر میں عالم سروچراغاں ہے
محمد حسین رضی

دنیائے شوق جلوہ بداماں ہے آپؐ سے
ظلمت کدوں میں دل کے چراغاں ہے آپؐ سے
ضمیر فاطمی

ہوتا ہے جمیل آپ کی پلکوں پہ چراغاں
رو رو کے عقیدت سے چھلکتی ہیں یہ آنکھیں
جمیل عظیم آبادی

آپ کے پرتوسے روشن چاند سورج کہکشاں
آپ سے جشنِ چراغاں آئینہ خانوں میں ہے
فرقان ادریس

تصور میں میرے جب بھی مدینہ جگمگاتا ہے
عجب منظر میری پلکوں پہ ہوتا ہے چراغاں کا

تائب جونپوری

بفیضِ نعت گھر میں ہے جواک منظر چراغاں کا
حقیقت میں وہ عکسِ نور ہے اس ماہِ تاباں کا

عابد شاہجہاں پوری

مکاں ہے نور سے معمور لامکاں روشن
چراغِ ذکر نبیؐ ہے کہاں کہاں روشن

صبیح رحمانی

کیوں نہ گھر گھر چراغاں کریں گے ہم
آج معراج ہے جشن کی رات ہے

شریف امروہوی

حضورِ پرنور کی بعثت نے نہ صرف انسانیت کے لیے عقبیٰ میں ابدی سکون کے دروازے واکردیئے بلکہ آپؐ اور آپؐ کے اصحاب نے اس عالم فانی کے تہذیب و تمدن پر اتنے پائیدار اور اہم نقوش ثبت فرمائے ہیں کہ ان کی نظیر نہیں مل سکتی۔ آپؐ کی تعلیم اور تربیت کے فیضان نے در حقیقت انسان کو اعلیٰ ترین تمدنی اقدار اور تہذیبی رویّوں سے آشنا کردیا۔ انسانی کردار کو وہ عظمتیں نصیب ہوئیں کہ شیطان اور اس کے ہمراہیوں کی ساری کوششیں لحہء رائیگاں کی نذر ہوگئیں یوں آپ کے سبب خیر کے چراغوں کو وہ نور اور روشنی عطا ہوئی جو آج بھی اپنے انمٹ نقوش صفحہء ہستی پر ثبت کرنے میں مصروف ہے۔

مل جائے جس کو شمع ہدایت سے روشنی
لڑتا ہے وہ چراغ مخالف ہوا کے ساتھ

زبیر دربھنگوی

آپؐ کے نور سے روشن ہے تمدن کا چراغ
آپؐ ہیں ریت میں گلزار کھلانے والے

سیف حسن پوری

رات کے گہرے اندھیرے میں چراغِ آگہی
ہر خمِ راہِ جہالت پہ جلایا آپؐ نے

اختر ماہ پوری

ادھر وہ باطل کی تند صرصر ادھر یہ امی لقب پیمبر
جمالِ حق سے ہر اک قدم پر چراغِ ایماں جلا رہا ہے

خاور لدھیانوی

یقین، عدل، وفا، علم، صبر، سچائی
کیے نبیؐ نے چراغوں کے کارواں روشن

صبیح رحمانی

چراغِ راہِ محبت ہے روح میں روشن
یہ دل یہ آنکھ ہے اک استعارہ آئینہ

شاہد حمید

جاری رہے گا تا بہ ابد فیض آپؐ کا
روشن چراغِ محفلِ امکان ہے آپؐ سے

ضمیر کاظمی

قدم قدم پہ جلے تیری راہبری کے چراغ
نفس نفس تیری تطہیر سے معطر ہے

امر سنگھ عارج

چراغ تیری صداقتوں کے ابد کے سینے میں جل رہے ہیں
ازل سے ہر رات کا مقدر ترے اجالے بدل رہے ہیں

سید گلزار بخاری

اندھیرا چار سو تھا جب افق پر علم و دانش کے
وہ محبوب خدا لیکر چراغِ علم و فن آیا

مسعود عظیم آبادی

چراغ جادۂ ہستی تیرا پیام بنا

ہوا نہ ہوگا کوئی تجھ سا خلق یارو خلیق

حبیب جالب

چراغِ دل بھی مودّت کے اس حصار میں ہے
خود آندھیاں جہاں رکھتی ہیں شمعِ جاں روشن

شہاب صفدر

بفیضِ اسوۂ آقا ہے روشن۔ چراغِ فکر و فن اہلِ ہنر میں

عزیز الدین عزیز معینی

حرا میں آج تک پھیلی ہے خوشبو جس کے سانسوں کی
وہی امی لقب لے کر چراغِ علم و فن آیا

اعجاز رحمانی

پیروکارِ مصطفےؐ ہوں زندگی میں ہر قدم
روشنی مجھ کو چراغِ نقشِ پا دیتے رہے

نعیم الرحمان جوہر

آئنہ رحمت بدن سانسیں چراغِ علم و فن
قربِ الٰہی تیرا گھر الفقر فخری تیرا دھن

مظفر وارثی

گھرے ہوئے لوگ ظلمتوں میں خدا سمجھتے تھے پتھروں کو
چراغِ حق لے کے ایسے عالم میں بن گئے راہبر محمدؐ

انجم رومانی

جب تک سجی ہیں کون و مکاں کی یہ محفلیں
روشن رہیں گے اسوۂ سرکارؐ کے چراغ

سجاد سخن

گل نہ ہوں گے وہ یہاں وقت کی آندھی سے کبھی
فیضِ امی سے جو روشن ہیں صداقت کے چراغ

محب لکھنوی

آپؐ کی ذات گرامی کو جب تک پیش نظر نہ رکھا جائے نہ تو دنیا میں جمال کا تصور مکمل ہو سکتا ہے اور نہ

ہی عشق سنورنے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے۔ اسی لیے تو نعت گو شعرا بزم ہستی میں آپ کے جمال بے مثال کے سبب ہر سو روشنی پاتے ہیں۔ یہاں تک ان کی زندگی کا ہر گوشہ عکس جمال کا روپ دھار لیتا اور ظلمتیں ہر طرف سے اپنے منہ کو چھپائے بزم ہستی سے فرار حاصل کرلیتی ہیں۔

بزم ہستی کو چراغوں سے سجایا آپؐ نے
مرحبا کیا آئینہ خانہ بنایا آپؐ نے

سیف حسن پوری

ہم نے جلا جلا کے تیری یاد کے چراغ
اک پیکرِ جمال بنالی ہے زندگی

حافظ بشیر آزاد

جلائے تو نے تغافل کی ظلمتوں میں چراغ
کیا شکستہ شبستانِ آب و گل کا جمود

احسان دانش

جمالِ سیدِ کونینؐ سے منور ہیں
مکاں کے قمقمے ہوں یا ہوں لامکاں کے چراغ

محمد سبطین شاہجہانی

ہوئی ہے تخلیق نورِ سرورازل میں شمس و قمر سے پہلے
کہ ان چراغوں کو ضو ملی ہے انہی کی روشن نظر سے پہلے

عبرت صدیقی

نظر میں جس کی جمالِ رسول ڈھلتا ہے
اسی کا قلب مثالِ چراغ جلتا ہے

غلام زبیر نازش

قمر یہ یادِ نبیؐ ہیں روشن چراغ پلکوں کے تا بہ دامن
سپردگی کے اس آئینے پر خودی کا نام و نشاں نہیں ہے

قمر وارثی

بہ فیضِ سرکارؐ اب اندھیرے نہیں رہے زندگی میں میرے

چراغ وہ دل میں جل رہا ہے کہ جس میں کوئی دھواں نہیں ہے

اختر لکھنوی

تاریکیوں میں نور کی قندیل تیری یاد
ظلمت کدے میں سروِ چراغاں ہے تیرا نام

ساغر جعفری

چپّہ چپّہ پر چراغِ دین روشن کر دیئے
آپ کے پیغام سے کونسا خطّہ بچا

حیرت الہ آبادی

جدھر اٹھائی نظر روشنی نظر آئی
نقوشِ پائے محمدؐ ہیں زندگی کے چراغ

نشتر اکبر آبادی

چراغ اندھیرے میں جل گیا ہے
کہ میں نے دل پر لکھا محمدؐ

جاذب قریشی

چراغ اس میں روشن ہے یادِ خدا کا
نہ کیوں دل میں ہو روشنی یا محمدؐ

حسین ناصر

گماں کی تیرہ شبی میں انہی کی لو مسلم
لئے چراغِ یقین و ہدیٰ نکلتی ہے

ع س مسلم

بابِ جناں درِ حضور رو کشِ عرش بزمِ نور
روشنیٔ چراغِ طور شمعِ حریمِ ناز میں

ضیاء القادری

جہاں سے نقشِ خودی کے مٹا دیئے تو نے
چراغِ مجلسِ عرفاں جلا دیئے تو نے

ماہر القادری

جہاں نعت گو شعرا نے چراغِ مجلس عرفاں جلانے کے سلسلے میں حضور کریم کی بے پایاں عنایات کو اشعار میں نظم کیا ہے وہاں اگر بنظر خاص مطالعہ کیا جائے تو آقائے نامدار ختم الرسلین کی صورت نیرِ اعظم کی آمد جہاں شمس و قمر کو اجالے بانٹنے میں مصروف ہے وہاں اس کے ہوتے ہوئے روشنی کے دوسرے ادنیٰ ماخذوں کی کیا حقیقت ہے اور یہ پہلو بھی ہمیں نعتیہ شاعری میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے چند اشعار دیکھیے۔

جہاں میں آپ کی بعثت ہے آخری بعثت
بجھے چراغ نمایاں جو آفتاب ہوا

قاری حبیب اللہ حبیبؔ

ظلمت کا چراغ بے ضیاء ہے
انجم کا ستارہ ڈوبتا ہے

محسن کاکوروی

جلوہ گر نیرِ رسالت ہے
اب چراغوں کی کیا ضرورت ہے

فہیم ردولوی

اب کوئی راہبر نہیں درکار
مل گئے انؐ کے نقشِ پا کے چراغ

صبیح رحمانی

مگر یادِ نبیؐ کے چراغ عشقِ نبیؐ کے چراغ اسمِ نبی کے چراغ تو ہمارا ایمان ہے کہ نہ صرف کنجِ گلشن ہی کو منور کر دیتے ہیں بلکہ کنجِ مزار میں بھی روشنی کا سبب ہیں کیونکہ وہاں تو یہ سب دنیاوی چراغ بے نور ہو جائیں گے اور اگر مدحتِ آقا کی یاد اور عشق کے چراغ نہیں ہوں گے تو اندھیرے میں کون ساتھ دے گا خاص طور پر جب چراغِ زیست گل ہو رہا ہو تو دیکھیے کہ یہ پہلو نعت میں کس خوبصورتی سے آیا ہے۔

یارب میری حیات کا جب ہو چراغ گل
بخشالوی حرم میں کھڑا ہو اٹھائے ہاتھ

گل بخشالوی

چراغِ زیست جب گل ہو رہا ہو

نگاہوں میں شبیہ مصطفیٰ ہو

دردا سعدی

عادل اندھیری قبر ہے کوئی دیا نہیں
لے جا چراغِ عشقِ محمدؐ مزار میں

عادل فریدی

کُنج مزار کا چراغ عشق نبی کا داغ داغ

حفیظ تائب

اے خدا میرے چراغ ہجر کو اک ذرا سرکار والی روشنی

سہیل غازی پوری

قبر میں جس سے روشنی ہوگی وہ چراغِ وفا ہے نعت رسولؐ

حافظ لدھیانوی

اور یہی چراغ وفا نعت رسولؐ محبان رسولؐ کو عاشقان رسولؐ کو نئے نئے جہانوں سے روشناس کراتی ہے اور وہ نعت کے حوالے سے کون کون سی منزلوں سے گزر جاتے ہیں اس پہلو پر نظر ڈالیے۔

علم کب ہے اس کی منزل کا چراغ۔ دل کی دھڑکن نعت کی بنیاد ہے

امین علی نقوی

شعور حمد ثنائے نبیؐ سے ملتا ہے۔ چراغِ منزلِ عشق خدا ہے نعتِ رسولؐ

راحت حسین نقوی

ہر اندھیرا بے پناہی سے پریشاں حال ہے
جب سے آقاؐ نے دیئے ہیں اپنی مدحت کے چراغ

اختر لکھنوی

روح تک گوش سماعت سے ہے عالم نور کا
میرے ہونٹوں پر نعتِ نبیؐ ہے یا چراغ

سجاد سخن

اب دیارِ دل میں ظلمت کا گزر ممکن نہیں
لب پہ ہے سرکارؐ کی مدحت کا جلوہ گر چراغ

راقم رحمانی جونپوری

شعور نعت حاصل ہو رہا ہے
چراغِ فکر ہے اب زود روشن

رشید انجم

نبی ﷺ کا ذکر خیر ہو رہا ہو تو شہر نبی۔ طیبہ۔ مدینہ کے ہر گلی کوچے میں تخیل کے چراغ ہی چراغ جلتے نظر آتے ہیں۔

ذکر آقا کا، تصور روضے کا، طیبہ کی یاد
ان چراغوں سے ہے دل کے خاکداں میں روشنی

رئیس باغی

غبار شہر نبیؐ طاق جاں میں ہے روشن
چراغ لوگ جلاتے پھریں سرابوں میں

ریاض حسین چودھری

دیکھ لوں میں بھی چراغ گنبد خضرا حضورؐ
اس حوالے سے ہوں روشن میری قسمت کے چراغ

اعجاز احمد راہی

چراغِ آرزو دل میں جلا رکھا ہے برسوں سے
ان آنکھوں سے کسی دن روضۂ سرکارؐ دیکھیں گے

سجاد مرزا

پلک پلک پہ سجاوٗ مسرتوں کے چراغ
اگر مدینے میں اذنِ قیام مل جائے

راغب عرفانی

ہم نے رو رو کے ہی منزل کا نشاں پایا ہے
ان چراغوں سے اجالے ہوئے طیبہ کے لیے

ادیب رائے پوری

نعت نبیؐ میں جلنے والے ان گنت چراغوں کا احاطہ تو اس مضمون میں ممکن نہیں اور نہ ہی اس چراغاں کی روشنی کا صحیح ادراک ممکن ہے۔ جو مدحت سرکارؐ کے حوالے سے ہر طرف جلوہ فگن ہے پھر بھی آخر میں

بڑے ہی منفرد اور جدید لہجے کے چند نعتیہ اشعار نذر قارئین ہیں جہاں چراغ کو نئے نئے زاویوں سے روشناس کیا گیا ہے اور یہ زاویے دیکھنے والوں کی آنکھوں اور سننے والوں کی سماعت کو بھی مختلف محسوس ہوتے ہیں۔

زہے نصیب سرِ شام دل کے آنگن میں
چراغ عشق شہ مرسلاں چمکتا ہے

زبیر نازش

مرے طاق جاں میں نسبت کے چراغ جل رہے ہیں
مجھے خوف تیرگی کا کبھی تھا نہ ہے نہ ہو گا

صبیح رحمانی

پہلی شام مدینے کی اور دھند میں لپٹے باغ
سایہ سایہ دیکھ رہا ہوں صورت اور چراغ

نذیر قیصر

مرے نزدیک آ سکتی نہیں تاریکیاں غم کی
میرا سینہ چراغ عشقِ احمد سے فروزاں ہے

حسین سحر

میں وہ خوش بخت مجھے شب ہجر کی ظلمت میں
یاد سرکار چراغ شب ہجراں ہو جائے

عاصی کرنالی

یہ ان سے دور میری زندگی کا عالم ہے
چراغ جیسے ہواؤں کے درمیان رہے

رحمان خاور

جبینِ شب پر جو کہکشاں لفظ تو نے لکھے گئی رتوں میں
ہماری بے نور ساعتوں میں چراغ بن کے وہ جل رہے ہیں

محمد فیروز شاہ

اسی قدر بخشی ہے تابانی درِ سرکار نے
دیکھ کر میری جبیں کو ہاتھ ملتے ہیں چراغ

اقبال نحروں

یہ کس مقام سے روشن ہوا کہاں تیرا نام
چراغ اور اندھیرے کے درمیاں ترا نام

ایوب خاور

کیا بجھاتا زورِ باطل ان کی امت کے چراغ
وہ چراغوں کو حفاظت کی ہوا دیتے ہیں

انجم شادانی

اور یہ شعر تو نعت کا نہ ہوتے ہوئے بھی ہر مسجد کی پیشانی پر نور بکھیرتا نظر آتا ہے۔

چراغ و مسجد و محراب منبر۔ ابو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

شیخ غلام قادر گرامی

کتابیات

۱...... خوشبو سے آسمان تک۔ مرتبہ۔ قمر وارثی، اختر لکھنوی، ۱۹۹۵ء، دبستان وارثیہ، کراچی۔

۲...... جلوے حیات آراستہ۔ مرتبہ۔ قمر وارثی ۱۹۹۶ء، دبستان وارثیہ، کراچی۔

۳...... آب و تابِ رنگ و نور۔ مرتبہ۔ قمر وارثی ۱۹۹۷ء، دبستان وارثیہ، کراچی۔

۴...... انوارِ حرم۔ شمارہ ۳، ۴، ۵، ۶۔ بی ۵۲ ۴ سیکٹر ۱۱۔ اے نارتھ کراچی۔

۵...... نعت رنگ۔ نعتیہ سلسلہ۔ شمارہ ۳۔ اقلیم نعت، کراچی۔

۶...... محرابِ حرم۔ نعتیہ مجموعہ۔ رحمان خاور۔ بساطِ ادب، کراچی۔

۷...... آپ ﷺ۔ نعتیہ مجموعہ۔ حنیف اسعدی اقلیم نعت کراچی

۸...... ثنائے محمدؐ۔ نعتیہ مجموعہ۔ ایاز صدیقی ۱۹۹۳ء۔ ۵۱۲۔ سی گلگشت، ملتان۔

۹...... جادۂ رحمت۔ نعتیہ مجموعہ۔ صبیح رحمانی، ۱۹۹۳ء۔ ممتاز پبلشرز ۲۰ نوشین سینٹر اردو بازار، کراچی۔

۱۰...... نورِ بے مثال۔ نعتیہ مجموعہ۔ حیرت الٰہ آبادی، ۱۹۹۷ء بزم عبرت، بی ۶۲۲ بلاک ۱۳، گلستان ایف بی ایریا کراچی۔

۱۱...... سرچشمۂ جود و سخا۔ نعتیہ مجموعہ۔ عزیز الدین عزیز معینی، ۱۹۹۰ء دبستان وارثیہ، کراچی۔

۱۲...... رسالت مآب۔ نعتیہ مجموعہ۔ نشتر اکبر آبادی، ۱۹۹۶ء دبستان وارثیہ، کراچی۔

۱۳...... نذرانۂ اشک۔ نعتیہ مجموعہ سید حسن علی ادیب رائے پوری، ۱۹۹۵ء پاکستان نعت اکیڈمی ناظم آباد، کراچی۔

۱۴......اظہار عقیدت۔ نعتیہ مجموعہ ’صدیق مپوری‘ ۱۹۸۷۔ حسان پبلشرز‘ کراچی۔

۱۵......آنکھ بنی کشکول۔ نعتیہ مجموعہ ’آفتاب کریمی‘ ۱۹۹۷ء اقلیم نعت‘ ۲۵/۵ ای ٹی این ٹی فلیٹس شادمان ٹاؤن ۲ کراچی۔

۱۶......تمام و نا تمام۔ شعری کلیات۔ عاصی کرنالی‘ ۱۹۹۶ء۔ ۴۵ شالیمار کالونی بوسن روڈ۔ ملتان۔

۱۷......محمدؐ۔ مرتبہ راغب مرادآبادی۔ جشن راغب کمیٹی‘ کراچی۔

۱۸......نعت مصطفیٰ۔ مرتبہ ’۱۹۸۷ء۔ غازیانی پبلشرز بالمقابل رمضانیہ کلب نوآباد کراچی۔

۱۹......کاروانِ نعت کے حدی خواں۔ ۱۹۸۹ء فروغِ ادب اکادمی‘ ۱۰۸۔ بی۔ سیٹلائیٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

۲۰......منتخب شاہکار نعتیں۔ مرتبہ۔ سعید اللہ شاہ‘ ۱۹۹۱ء الحمد پبلیکیشنز‘ رانا۔ چیمبر۔ لیک روڈ‘ لاہور۔

۲۱......۱۰۱ مشہور نعتیں۔ مرتبہ۔ منصور نسیم ۱۹۹۶ء ’ندیم پبلیکیشنز‘ ۴۶ لیاقت روڈ‘ راولپنڈی۔

۲۲......ایوان نعت۔ مرتبہ۔ صبیح رحمانی۔ ۱۹۹۳ء ممتاز پبلشرز زبیدہ اردو بازار‘ کراچی۔

۲۳......لوح نعت نمبر ۲/۱‘ مرتبہ ’پروفیسر آفتاب نقوی‘ لاہور۔

۲۴......ماہنامہ حمد و نعت۔ شمارہ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۹۹۶ء۔ انجمن ترقی نعت ٹرسٹ‘ کراچی۔

ہندکو میں نعتِ رسول

پروفیسر خاطر غزنوی

ہندکو بر صغیر کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے۔ بعض محقق لکھتے ہیں کہ یہ زبان پنجابی کی شاخ ہے۔ گورسن کہتا ہے کہ یہ لہندا یعنی مغربی بر صغیر کی ایک زبان ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندکو بر صغیر کی وہ زبان ہے جو بیرونی حملوں سے بہت پہلے پشاور سے الہ آباد تک اور ہزارہ کے علاقے میں کاغان سے دریائے سندھ کے دہانے تک بولی جاتی تھی۔ بلا شبہ جغرافیائی طور پر زبان کا لہجہ دنیا میں تقریباً ہر جگہ تھوڑے تھوڑے فاصلے یا علاقے علاقے میں بدل جاتا ہے۔

ایسے ہی خیالات کا اظہار مشہور ماہر لسانیات ڈاکٹر محی الدین زور قادری نے اردو کی ابتدا پر بحث کرتے ہوئے کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اردو دراصل اس زبان کی بنیاد پر بنی ہے جو پشاور سے الہ آباد تک بولی جاتی تھی۔

ہندکو ادب کی اولیں تحریر کا ذکر بعض محقق قبل مسیح کی ایک نثری تحریر "ڈولہان" کو قرار دیتے ہیں، جو کہانیوں پر مبنی ہے۔ اسے سنسکرت زبان کی تاریخ میں بھی اولیں تحریروں میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کا لکھنے والا "گناد ھایا" نامی شخص ہے جس کا نام ہی ہماری پرانی زبان کی ترکیب ہے۔ یعنی "گن دھانے والا" مر ہنر حاصل کرنے والا۔ اس کتاب کو بعض محقق "پشاچی یا گوشت کھانے والوں" کی زبان میں شمار کرتے ہیں۔

ہندکو ادب کا تاریخ میں جو سراغ ملا ہے وہ اسلام کے بر صغیر میں ورود کے بعد کا ہے۔ اسلامی اثرات اس علاقے کی زبان پر اسلام کی آمد یعنی ۱۰۰۰ عیسوی سے مرتب ہونے شروع ہوئے۔ یہیں ہندکو کے تاریخی نقوش سولھویں صدی یعنی شیر شاہ سوری کے زمانے میں ملتے ہیں جبکہ ایک مشہور پشتو اور فارسی زبان کے شاعر عیسیٰ خان مشوانی سے چند ایسے شعر منسوب کیے گئے ہیں جو اس علاقے کی قدیم زبان میں ہیں اور ہندکو سے بہت زیادہ قریب ہیں۔ بعض مؤرخوں نے ان اشعار کو ہندی زبان کے اشعار کہا ہے۔ یہ اشعار معرفتِ الٰہی کا احاطہ کرتے ہیں۔

کلھے ازلی جو گیا لکھ اس کا رن نجو اتا دکھ

گھر بیٹھے دے دیسی رام جو لکھیوس تیرے نام

جو تو کری اللہ یقیں کامل ہوسی تیرا دین

ہندکو کے معلوم ادبی سرمائے میں چاربیتہ، سی حرفی اور ٹپوں کے علاوہ شادی بیاہ، میلوں ٹھیلوں اور دوسرے خوشی اور غمی کے موقعوں کے گیت ملتے ہیں یا پھر وہ لوریاں دستیاب ہیں جو ہر دور میں بچوں کے

کانوں میں بڑوں کے کارناموں، ان کے مستقبل کی شاندار زندگی اور ان کو میٹھی نیند بخشنے کے لیے گائی جا
رہی ہیں۔

معلوم شعرا میں محمد دیں مائیو کے ہاں مناجات ملتی ہیں۔ یہ ستارھویں صدی کا شاعر ہے۔ ظاہر ہے کہ
جو شاعر حمد لکھتا ہے اس کے ہاں نعت لازمی طور پر ہوگی۔ اس کی حمدیہ مثنوی کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

تیرے بنا ہمیں اتھے رب کش — توئی سب کش، توئی سب کش
رب جی تیرا ای سارا ظہور اے — ہر ھک شئے وچ ترا ای نور اے
دل تے دل دا جانی آپ ایں — آدم تے در خانی آپ ایں
آپی اگ تے آپے پانڑی — آپی پیٹا ، آپی تانڑی

ہندکو زبان کے قدیم پشتون شاعر و ادیب شیخ بایزید انصاری کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ ان کو بعض لوگ
پیر تاریکی اور بعض پیر روشان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کے ہندکو اشلوک پنجاب میں بہت مقبول رہے
ہیں۔ بایزید کی نسبت سے انہوں نے ہندکو میں "وجید" تخلص اختیار کیا۔ ان کے چند اشلوک ملاحظہ ہوں۔

فرزند فاطمہ تے علی مقبول دے — آپ نبی رسولِ مقبول خدا دا
حسن حسین نواسے پاک رسول دے — نبیاں دا سردار رسولِ خدا دا
اتھیاں وچ او کھائے لت دھر — امت دے پتر جیوں اس دے جان مر
وجیدا کون صاحب نوں آکھے — وجیدا کون صاحب نوں آکھے
انج ہمیں کر انج کر — انج ہمیں کر انج کر

دوسرے اساتذہ اور وہیروں میں استاد نامور، استاد صاحب حق، استاد نخی نمانڑا اور استاد نذیر احمد روا
کے نام ملتے ہیں۔ استاد صاحب حق کی جو ایک حرفی دستیاب ہوئی ہے اس میں حمد و ثنا، نعت اور دولت ایمانی کا
تذکرہ ملتا ہے۔

اسی طرح استاد نذیر احمد روا کے ہاں بھی ایک حرفی میں کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار ہے۔ ہندکو میں حمد
و ثناء اور نعت و منقبت کے لیے ایک لفظ "سچا" یا "پچی" کا استعمال ہوتا تھا، استاد نظر کی ایک پچی چیز کا سراغ ملتا
ہے۔

لا مکاں دی دکان دا جوہری او
بن مہمان آکے لگ جان بیٹھا

ہندکو شعرا میں سائیں شادا بھی بہت عمر کے آدمی تھے۔ انہوں نے ڈیڑھ سو برس عمر پائی۔ ۱۶۸۳ء
میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳۱ء میں فوت ہوئے۔ مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت دیکھی۔ خوشحال

خاں خٹک ہم عصر رہا۔ وہ بالا کوٹ میں شاہ اسماعیل شہید کے سکھوں کے خلاف جہاد میں ان کے پرچم تلے شہید ہوئے۔ ان کا ایک چاربیتہ "پنج" خیالات پر مبنی دستیاب ہوا ہے۔

انیسویں صدی کے ہندکو شعرا میں سائیں احمد علی کو بہت بلند مقام حاصل ہے۔ استاد سائیں نے سی حرفی اور چاربیتہ دونوں صنفوں میں شعر کہے اور ہر موضوع پر لاثانی اشعار کہے۔

ک کس نے نعلیاں دے نال جا کے قدم دھریا سی عرش بریں اُتے
کیہڑے عرب دا دین سالار آیا اِک لکھ چوی ہزار دے دین اُتے
سایہ کس دا سایہ فلک تے بی ، ہیا ننگا روئے زمین اُتے
ابتدائی ستارے دا نور سائیاں ، کس نورانی دی آیا جبین اُتے

استاد احمد علی سائیں کے ہم عصروں میں استاد عبداللہ بڑے پُر گو شاعر تھے۔ ان کے ہاں بھی ذکر باری اور ذکرِ رسول ملتا ہے۔ سیفی شاہ سیفی نعت رسول، نوحہ، سلام اور ہندکو مرثیہ گوئی میں بہت اہم مقام رکھتے ہیں۔

چاربیتہ گو شعرا کا حرفی گو شعرا سے پہلے سراغ ملتا ہے۔ محمد دین ماہیو جس دور میں زندہ تھے لگ بھگ اسی دور کے آخر میں ہزارہ میں ایک مشہور اور مقبول چاربیتہ گو شاعر سائیں غلام دین زندہ تھے۔ ان کے چاربیتے ہزارہ میں عام طور پر گائے جاتے تھے۔ انہوں نے نعت و منقبت، حمد و ثناء اور دوسرے موضوعات پر بہت چاربیتے لکھے۔ ان کا یہ چاربیتہ حمد و نعت پر مشتمل ہے۔

الف آپ اللہ بادشاہ اے لوہ قادر اے رحمان
پھر پاک رسول اللہ اے لولاک اے اسدا شان
فریاد میری وی جا اے اللہ ہووے مہربان
میں امت نبی سردار دا خاص اللہ دے یار دا
جنجو پھل سچا گلزار دا، شعلے ہین نورانی
تو سنو مرے دل جانی

ادھر پشاور میں بعد کے دور میں استاد فقیر جیلانی بھی چاربیتے کے فن میں بے بدل شاعر تھے۔ استاد فقیر جیلانی بھی سائیں غلام دین کی طرح بہت مقبول ہوئے۔ انہوں نے بھی حمدیہ، نعتیہ اور دوسرے موضوعات پر بے شمار چاربیتے کہے۔ ان کا یہ نعتیہ چاربیتہ بہت مشہور ہوا۔

خطاب نبی حبیب ، توں دتا اکرم
دین ہے تیرا محکم

جد عرشاں اُتے پہنچے تے پھر کھل گئے نی سب طاق

ملائیک دیدن دے مشتاق

عمل کش نہ کیتا اوتھے نہ کریں برہم

دین ہے تیرا محکم

نہ کریں برہم، نبی جی، منگناں تیری یاری

ہر ویلے کرناں زاری

گناہواں دے وچ غرق، تاتئی آندی منوں تاری

سر غماں دی پنڈ بھاری

امت گنہگار وا سے ہو جانڑا ملہم

دیں ہے ترا محکم

یا پھر اُن کا یہ چاربیتہ بھی اپنی رواں دواں بحر، خوبصورت الفاظ اور اعلیٰ تخیل کے سبب قابلِ ذکر ہے۔

عرشاں تے بلوا کے رب نے تیری شان ودھائی
عاشق تے معشوق نوں ، آپڑے دل دی گل سنڑائی
بچی تیری خدائی
پاک نبی دے سر تے تاج شفاعت والا سجیا
اُس نے آ کے آپڑی امت دے عیباں نوں کجیا
اس دے در تے آ کے ہر یک بھیکھا ننگا رجیا
عرشاں تے بلوا کے رب نے اس دی شان ودھائی
عاشق نے معشوق نو آپڑے دل دی گل سنڑائی
بچی تیری خدائی

جدید دور میں کئی نامور شعرا نے حمد و نعت کا موضوع چاربیتے اور حرفی میں سمویا۔ ایسے شعرا میں مرزا محمد سعید فارغ قادری المعروف استاد سیدؔ، محمد جی ونجارا، سائیں الٰہی بخش مفلس، سید جگر کاظمی، مضر تاتاری، عبدالرشید تاج، غلام رسول گھائل، آغا محمد جوش، استاد یونس ایسے شعرا ہیں جن کے ہاں نعت کے موضوعات ملتے ہیں۔ جدید ترین دور میں ریڈیو، ٹیلی وژن اور اشاعتی سہولتوں کے باعث کئی نئے شعرا سامنے آئے، تاشوا پشاور، ہزارہ اور ڈیرہ اسماعیل خان میں شاعری کی مشعل جلاتے رہے۔ ان میں رضا ہمدانی، مختار علی نیر، ش شوکت، پرواز ترمیلوی، آصف ثاقب، سلطان سکون، خاطر غزنوی، خواجہ یعقوب

اختر، زیڈ آئی اطہر، صابر حسین امداد، افضل چشتی، یونس خیالی، ساحر مصطفائی، نصیر سرمد، یحییٰ خالد، محمد فرید، حیدر زمان حیدر، عبدالغفور ملک، افتخار ظفر، محمد عجب نقشبندی، ارشاد شاکر، اشرف الفت قابلِ ذکر ہیں۔ مضر تاتاری کی بالکل نئے انداز کی حرفیوں میں نعت کی دل کشی ابھر آتی ہے۔

نورِ نبی دے جلوہ گر ہوندیاں ای کائنات ساری لالہ زار ہوگئی
پگھلے ہوئے یاقوت پے بحر دسدے، پانڑی پانڑی گلابی بہار ہوگئی
پیا عکس جد اچھلدے تاریاں تے جھولی موج دی لال انگار ہوگئی
بدل سرخ کافور دا وس پیا، تے گلزار نمرود دی نار ہوگئی

سندھی مولود

پروفیسر آفاق صدیقی

سندھی زبان وادب کی تاریخوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ سب سے پہلے سندھی زبان میں ہوا۔ سندھی تاریخوں کے علاوہ بعض دوسری تاریخی کتابوں میں بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سندھ میں عربوں کی آمد سے پہلے ہی سندھی زبان لکھی اور پڑھی جاتی تھی اور سندھی شاعری کی روایت تو لوک ادب کے حوالے سے خاصی قدیم ہے۔ مثلاً بزرگ بن شہریار کی عربی تاریخ 'عجائب الہند' میں یہ عبارت ملتی ہے کہ "منصورہ کے حاکم عبداللہ بن عمر ھباری کے زمانے میں سندھی کے ایک عالم نے شمالی سندھ کے ہندو راجہ کے کہنے پر قرآن مجید کا سندھی زبان میں ترجمہ کیا اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں ایک بھرپور نظم بھی لکھی"

یہ تمہید میں نے اس لیے پیش کی ہے کہ قرآن حکیم اپنے بصیرت افروز معنی ومطالب اور حیات آموز مفاہیم کے اعتبار سے محسن انسانیت، سرور دوعالم، خاتم الانبیاء اور اللہ تعالیٰ کے سب سے پیارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت طیبہؐ اور اسوۂ حسنہ کا انتہائی محترم ومعتبر حوالہ ہے۔ علاوہ ازیں اسلامی تعلیمات کے بارے میں جو نظم بھی لکھی گئی ہو وہ بنیادی طور پر حضورؐ پرنور ہی کے فیضان کا اظہار ہے۔

سندھی زبان کے لوک ادب میں طلوع اسلام کی ضیاپاشیوں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدحت کے جوابیات واشعار موجود ہیں وہ آج تک سینہ بسینہ منتقل ہو کر سندھی عوام کو روح پرور کیف وسرور عطا کرتے ہیں۔ تاہم فی الوقت میرا موضوع خاص مولود ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سندھ میں مولود' شاعری کی وہ صنف ہے جو رسول مقبول کی ثناء خوانی کے لیے مخصوص ہے۔

اردو کی قدیم شاعری میں بھی مولود' کی اصطلاح نعتیہ کلام کے لیے مروج رہی ہے تاہم سندھی میں یہ روایت نسبتاً زیادہ قدیم اور قبول عام کا درجہ رکھتی ہے۔

سندھی شاعری میں ڈائی اور کافی کی جو فنی ہیئتیں (Poetic Forms) زمانۂ قدیم سے رائج رہی ہیں مولود کے لیے انھیں ہیئتوں کو برتا گیا تاکہ انفرادی واجتماعی طور پر خوش الحانی سے پیش کیا جاسکے۔ عموماً "مولود" کی جو محفلیں سندھ کے گوشے گوشے میں صدیوں سے منعقد ہوتی رہی ہیں ان میں "مولود خواں" اجتماعی صورت سے مخصوص طرز ادا اختیار کرتے ہوئے بڑے مسحور کن انداز میں مولود پڑھتے

ہیں۔

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی نے نعتیہ شاعری پر تحقیقی نظر ڈالتے ہوئے شاہ عنایت رضوی کے نعتیہ کلام کا حوالہ دیا ہے جس میں ایسی "وائیاں" شامل ہیں جو نعتیہ مضامین پر مشتمل ہیں اور جن کو تحریری صورتوں میں سندھی مولود کا حرف آغاز کہا جاسکتا ہے۔

مثال کے طور پر شاہ عنایت ایک وائی کے ابتدائی حصے میں فرماتے ہیں۔

مون کي آدمي اميد الله ۾ سيد سار لهندو

سید (حضور کریمؐ) مجھے یاد فرمائیں گے۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے یہی امید ہے۔

شاہ عنایت رضوی حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کے پیشرو تھے اس لحاظ سے "شاہ جو رسالو" میں نعتیہ شاعری کے جو پہلو نمایاں ہوئے ہیں وہ سندھ کے دینی رجحانات و میلانات کی بھرپور عکاسی کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ "مولود" کو ایک جداگانہ صنف سخن کے طور پر اپنانے میں سندھی شاعروں نے شاہ عنایت اور شاہ بھٹائی کے کلام کا کتنا گہرا اثر قبول کیا۔

مولود کو باقاعدگی سے لکھنے اور پیش کرنے میں مخدوم عبدالرؤف بھٹی کا نام بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ ۱۶۸۲ء میں ہالا شہر کے مضافات میں پیدا ہوئے بچپن ہی سے عربی، فارسی اور سندھی میں دینی تعلیم حاصل کی اور صوفی بزرگوں کی صحبت میں رہے۔ شعر و ادب سے قلبی وابستگی تھی اور زیادہ تر حضورؐ کی مدح اور مولود پر ہی طبع آزمائی کو ترجیح دی ۱۷۵۲ء میں مدینہ منورہ کی رہائش کے دوران وفات پائی اور وہیں آسودۂ خاک ہوئے۔ مخدوم صاحب کے مولود کافی کی صورت میں اب بھی بڑے ذوق و شوق سے پڑھے اور سنے جاتے ہیں کیونکہ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توصیف، روضۂ اطہر کی زیارت کا اشتیاق اور شان رسالت کے متعدد مضامین کو فنی پختگی اور وجدانی کیفیات سے آراستہ کیا ہے۔ مثلاً حضورؐ کی ولادت باسعادت کی روحانی مسرتوں کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عجب اسرار بسم الله کري سينگار آج آيو

ایک اور مولود کا ٹکڑا اس اشتیاق کو ظاہر کرتا ہے کہ اپنے وطن ہالا اور اٹڑوپوری کو نہیں بلکہ تمام ممالک کو طے کر کے جاؤں اور میر مرسلؐ کے میناروں کو جا کر دیکھوں۔

منارا مير مرسل جاڏسان ٿل ڏيهه سڀ ڏوري

هلي هالا ڇڏيان هيا' اٽڙيور کي ڇڏيان اوري

مخدوم عبدالرؤف بھٹی نے مدح اور مولود کی جن روایات کو پروان چڑھایا بعد کے سندھی شعراء نے

ان روایتوں کی پاسداری کرتے ہوئے غزل، مثنوی اور کئی دوسری اصناف سخن کی ہیئتوں میں بھی "مولود" لکھے۔ اس سلسلے میں شاعر ہفت زباں حضرت سچل سرمست نے جو تخلیقی تجربات کئے وہ مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ سچل سائیں نے سندھی، سرائیکی، اردو، فارسی اور ہندی میں 9 لاکھ سے زیادہ اشعار کہے جن میں نعتیہ کلام کا قابل قدر حصہ ہے اور اس موضوع پر تفصیلی مضمون کی ضرورت ہے جو انشاء اللہ نعت رنگ کے آئندہ کسی شمارے میں پیش کروں گا۔ فی الوقت چند سندھی اشعار کا نثری ترجمہ حاضر ہے۔

"رسول اکرمؐ کے روضۂ اقدس پر سلام پیش کر۔ ان کا وعدہ ہے کہ وہ بیکسوں کی مدد فرمائیں گے۔ مدینہ کے میر ہمیشہ سے بے سہاروں کا سہارا ہیں۔ وہ حشر میں ہماری شفاعت کریں گے"

سندھی اور سرائیکی زبان میں لسانی اعتبار سے بڑی مماثلت ہے اس لیے سندھ میں سچل سائیں کا سرائیکی کلام بھی بہت مقبول ہے۔ ان کے سرائیکی نعتیہ کلام میں زبان و بیان کی جو خوبیاں ہیں وہ ترجمے میں ظاہر نہیں ہو سکتیں تاہم نفس مضمون کی جھلکیاں پیش کی جاسکتی ہیں مثلاً۔

"محمدؐ سارے نبیوں کے سرتاج ہیں اور علم و عرفان کا بحر مواج ہیں۔ قاب قوسین کی حیثیت ان کے نزدیک ادنیٰ ہے۔ وہ شرف شب معراج ہیں۔ اس امت کو کوئی غم کیوں ہو جس کی لاج اُن سے وابستہ ہے۔ سچل کو کوئی غم اور کوئی فکر کس لیے ہو جب ان کے لطف و کرم نے کسی احتیاج کی گنجائش ہی نہ چھوڑی ہو۔"

سچل سائیں کی نعتیہ شاعری کے اثرات تالپور فرماں رواؤں کے عہد حکومت میں شہرت پانے والے کئی دوسرے ممتاز شعراء کے مولود میں نمایاں ہیں مثلاً فتح فقیر نے کافی کی صورت میں جو "مولود" لکھے یا حضرت پیر پاگارہ محمد راشد کے مولود جو ندرت بیاں کی عمدہ مثال ہیں۔

"اے راحمؐ، اے رہبر! آپ خود تشریف لاکر میری خبر گیری فرمائیے۔ ستارے آپ کا حسن دیکھ کر بار بار حیرت زدہ رہ گئے۔ سورج اور چاند آپ کا مقدس حسن دیکھ کر سربسجود ہو گئے"

اس دور کے ایک بلندپایہ شاعر ملا صاحبڈنہ شکارپوری ہوئے ہیں جو فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے ۱۸۳۲ء میں ان کا انتقال ہوا۔ سندھی میں ان کے جو مولود ملے ہیں وہ مولود خواں اکثر بابرکت محفلوں میں پڑھتے ہیں۔ ان کے مولود کی ہیئت غزل جیسی ہے۔

"میں محبوب کے دیدار کے بغیر بہشت کی آرائش اور زیبائش اس کے باغ و بستاں اور تمام دنیا کے عیش و عشرت کو ٹھکراتا ہوں۔ محبوب نے محبت کی ایسی عجیب لذت عطا فرمائی ہے کہ اٹھتے بیٹھتے اس کی یاد اور اس کا ذکر ورد زباں رہتا ہے۔ اس کی محبت کے بغیر کوئی چیز اچھی نہیں لگتی۔ یہ محل، یہ قصر و ایوان یہ دنیا، یہ دولت، یہ مکان، یہ زیور اور زیب و زینت قیامت کے روز کام نہ آئیں گے صرف محبوب کا دیدار کام آئے گا۔

اے صاحبڈنہ! محبوب نے خود آکر میرے درد کا مداوا کیا اور جب میں محبوب کے قرب سے سرفراز ہوا تو دل سے تمام خدشے اور وسوسے نکل گئے"

"ملا صاحبڈنہ کے معاصرین میں قائم الدین قائمؔ' نور محمد نورؔ' امیر بخش اور خلیفہ کرم اللہ نے "مولود" لکھنے کی روایت کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ مختلف اصناف سخن میں بھی حضورؐ کی مدحت کو دل وجاں سے عزیز جانا۔ ان شعراء میں خلیفہ کرم اللہ امتیازی حیثیت رکھتے ہیں وہ بڑے عالم وفاضل اور سندھی وسرائیکی کے قادرالکلام شاعر تھے ایک مولود میں فرماتے ہیں۔

رس مشہ کل ویل موچار نبیؐ   توکی آکھو تو سنیاریان سردار نبیؐ

"اے پیارے نبیؐ! مشکل کے وقت میں فریاد رسی فرمایئے۔ اے نبی سردار! میں آپ کو یاد کرتا اور پکارتا ہوں میں دردمند و غمزدہ ہوں اور آپ ہمارے سچے غمخوار ہیں۔ اے میرے محبوب میرے داتا! مجھ سے خطائیں سرزد ہوئی ہیں وہ معاف کردیجیے۔ اے سید سالار! آیئے اور اس بیمار ولاچار کی پکار سنیئے۔ اے قریشی! کرم اللہ کو دکھ درد سے نجات دلایئے"

انیسویں صدی کے وسط میں سندھ پر برطانوی راج قائم ہوگیا تھا۔ سیاسی محاذ پر اس کی جو بھی صورتیں رہی ہوں سندھی شعروادب کی ترقی وترویج میں برطانوی سامراج نے کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی۔ خاص طور پر ہماری دینی قدروں سے تعلق رکھنے والے ادب کو برابر فروغ حاصل ہوتا رہا اور اس طرح "مولود" کہنے اور پڑھنے کا رواج سندھ کے گوشے گوشے میں رہا۔

پچھلے ڈیڑھ سو برس کے عرصے میں جو مولود لکھے گئے ان کی تفاصیلِ سندھی ادب کی کتابوں میں موجود ہیں۔ سید قنبر علی شاہ' خلیفہ عبداللہ' یاسین شاہ مقیم' پیر مہدی شاہ' حضرت مولانا عبدالنغفور ہمایونی' میر علی نواز علوی' عبدالرؤف عبد' مشہور عالم ومجاہد مولانا امروٹی' ممتاز عالم وفاضل علامہ محمد قاسم' مولانا شفیع محمد صدیقی' مخدوم امین محمد ثالث' مولانا محمد عاقل عاقلی اور کئی دوسرے شعراء نے سندھی نعتیہ شاعری میں مولود نگاری کا جو ذخیرہ چھوڑا ہے اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

حضرت مولانا عبدالنغفور ہمایونی سچے عاشقِ رسولؐ تھے۔ بلند پایہ عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ باکمال شاعر بھی تھے۔ انھوں نے غزل کی ہیئت میں جو والہانہ اظہار کیا اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

"اے میرے محبوب! تیری زلف کی زنجیر نے کمندیں پھینک کر ہزاروں انسانوں کو اسیر کیا صرف مجھے ہی نہیں تیرے نور' ظہور اور حضور سے فیضیاب ہونے والے بیشمار ہیں صرف میں ہی نہیں۔ تیری نگاہوں نے ہزاروں سلطانوں کو بلا قیمت خرید لیا۔ صرف مجھے ہی نہیں۔ سیکڑوں سکندر اور دارا آپ کے در کے دربان

ہیں۔ بہت سے اکابرین آپ کے غلام اور جانے کتنے خاقان آپ کے نوکر ہیں۔ اے پیارے محبوب! اپنی نوری نظریں مجھ پر ڈال دیجیے۔ شمس و قمر اور ستارے بھی آپ کے دیوانے ہیں صرف میں نہیں"

مولانا امروٹی فرماتے ہیں "یارسول اللہ! اس عاجز کی آہ و زاری سن کر مدد فرمایئے اپنی شفقت بھری نظر سے نواز دیجیے۔ آپ کے دیدار سے دل باغ باغ ہو جائے گا اور فراق کا رنگ اس آئینے سے اتر جائیگا۔ اگرچہ تقدیر نے مجھے امروٹ میں قید کر دیا ہے لیکن یارسول پاکؐ میرا دل ہر وقت مدینہ کی گلیوں میں رہتا ہے"

گڑھی یاسین کے علامہ محمد قاسم کہتے ہیں "اہل جہاں مدینہ کے ماہتاب کی ذرہ برابر بھی ہمسری نہیں کر سکتے۔ لالہ و گل ان آنکھوں کے آگے ہیچ ہیں۔ میرے محبوب کا اعجاز تو اعجاز مسیحائی سے بھی بڑھ کر ہے"

مقیم سمہ اپنے مقبول عام مولود میں دلی محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں "وہ محبوب آگئے وہ آقائے نامدار آگئے جن کے لیے میں برسوں سے مشتاق تھا۔ میں نے اس دلبر دوست کا دیدار کر لیا"

مولانا شفیع محمد صدیقی کا انداز بیاں ایک مولود میں کچھ یوں ہے "نسیم سحر کے جھونکے دل کو چھو رہے ہیں جو دیار عرب سے آئی ہے۔ ایک ساعت میں دل بیدار و سرشار ہو گیا ہشیار ہو گیا اور اس میں ہمت پیدا ہو گئی۔ پیارے محبوب کی محبت نے تو میری دنیا ہی بدل دی۔ دیکھو تو اس کی محبت میں کتنا اضافہ ہو گیا ہے۔"

سندھ کی مشہور و معروف درگاہ ہالا شریف کے مخدوم امین محمد ثالث نذرانہء عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

مرحبا یا مصطفیٰ سردار سرور مرحبا مرحبا شاہ رسل یا میر مدنی مرحبا

مولانا محمد عاقلی کا اظہار عقیدت کچھ اس طرح ہے "دل میں ہمیشہ سچے سردار کی محبت رہے گی اے محبوب! آپ باعث تخلیق کائنات ہیں۔ آپ نبی نوح آدم کے پیشوا اور میر کارواں ہیں میں عاجز و درماندہ ہوں اور کیچ (مدینہ) کے راستوں سے بے خبر۔ عاقلی کو عبادت و ریاضت اور اپنے عمل پر تکیہ نہیں ہے۔ اے سید! آپ ہی اس بے عمل اور نااہل کی دستگیری فرمایئے"

سندھی شاعری میں مولود کے علاوہ مدح، مناجات اور معجزہ جیسی اصناف کا وقیع سرمایہ ہے مدح سندھی شاعری کی وہ صنف ہے جس میں آقائے دو جہاں کی مدح و ثناء کی جاتی ہے، اہل بیت اور اولیائے کرام کی منقبت میں بھی مناجاتی انداز سے مدحیں کہی گئی ہیں۔

مناجات ایسی نظم کی صورت میں ہوتی ہے جو بارگاہِ ایزدی کے حوالے سے حضورؐ کی خدمت اقدس میں اپنی حالت زار کو بیان کرتی ہے اور حضورؐ کی رحمت تمام سے اس حالت زار کی اصلاح طلب کرتی ہے اس قسم کی مناجاتیں اردو میں بھی کہی گئی ہیں۔

سندھی شاعری میں ایسی منظومات بھی خاصی تعداد میں ہیں جن میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات کو بیان کیا گیا ہے یہ سندھی اصطلاح میں "معجزو" کہلاتی ہیں۔

مذکورہ بالا اصناف کا تاریخی ارتقا تحریری صورتوں میں سندھ کے کلہوڑہ عہد سے شروع ہوا اور بعد کے ادوار میں یہ سلسلہ جاری رہا جو آج تک قائم و دائم ہے۔ اس لحاظ سے سندھی نعتیہ شاعری میں یہ آیا۔ جداگانہ موضوع ہے جس پر انشاء اللہ نعت رنگ کے کسی اور شمارے میں تعارفی مضمون آپ دیکھ سکیں گے۔

عزیزم صبیح رحمانی کا دلی شکریہ کہ انھوں نے بصد خلوص سندھی شعروادب کے حوالے سے متعلقہ معروضات پیش کرنے کی دعوت دی۔

سندھی نعتیہ شاعری پر ایک نظر

حافظ حبیب الرحمن سیال "بخشی"

دنیا کی بیشتر زبانوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء خوانی ہو چکی ہے اور ہر زبان نے اپنے طور پر نعتیہ کلام کو نکھار کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ دربار رسالت میں باریابی کی خواہش لے کر ہر شاعر (نعت گو) خوب سے خوب کلام پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زبان کے شعراء نے نعت کو شاعری کی مختلف اصناف میں سجایا ہے۔ یہ دراصل شاعری کی اصناف کی بارگاہ نبوی میں خوشنودی حاصل کرنے کی سعی ہے۔ اردو سمیت دنیا کی کئی زبانوں کی قدیم وجدید اصناف میں نعتیہ کلام کہا گیا ہے۔ لیکن جو مقام سندھی ادب میں نعتیہ شاعری کو دیا گیا ہے وہ شاید ہی کسی اور زبان کو حاصل ہو۔ جغرافیائی قیود اور ذرائع ابلاغ کی کم دستیابی کی وجہ سے اس کو وہ مقام نہیں مل سکا جس کی وہ حقدار ہے۔ البتہ یہ حقیقت بھی تسلیم ہے کہ سندھی زبان میں تحقیقی اور تنقیدی کام بہت کم ہوا ہے۔ اس میں ابھی کافی محنت کی ضرورت ہے۔

"نعت" عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنے صرف حضور نبی کریم ﷺ کی ثناء کے لیے مخصوص ہیں۔ اردو اور سندھی زبان میں بھی یہ لفظ اپنی معنے سمیت مروج ہے۔ لیکن سندھی ادب میں حضورؐ سے اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار اس طرح بھی کیا گیا کہ "نعت" کو "مولود" کا نام دیا گیا جس کے لغوی معنے "نومولود" یعنی حال میں پیدا ہونے والا بچہ ہے۔ اس کو آپ کی ولادت باسعادت سے متعلق کلام کے لیے مخصوص کر دیا گیا یہاں کے مقامی باشندوں کے نزدیک اگر کوئی ہستی پیدا ہوئی ہے تو وہ آپ ہی کی ذات اقدس ہے۔ جن قدیم باشندوں نے اس لفظ کو نعت کے لیے مخصوص کیا ان کی خوش عقیدگی کو نہ سراہنا مناسب نہیں۔ آگے چل کر "مولود" کو ایک صنف بنا کر اس میں آپؐ سے متعلق تمام کلام کو شامل کر دیا گیا۔ اندرون سندھ میں آپ کی توصیف کے لیے یہی لفظ مروج ہے۔

معجزات مقام نبوی کا خاصہ ہیں۔ ان کا منظوم بیان نعت ہی کے زمرے میں آتا ہے لیکن سندھی ادب میں آپؐ کے معجزات سے متعلق کلام کو "معجزو" ہی کا نام دے کر ایک الگ صنف مخصوص کر دی گئی ہے۔ جس میں صرف معجزات ہی منظوم صورت میں بیان کیے جاتے ہیں۔ اس طرح آپؐ کے کفار کے ساتھ مناظرات کو منظوم شکل میں بیان کر کے اس کو بھی "مناظرہ" کا نام دیکر ایک الگ سے صنف بنا دی گئی۔

"مداح" اردو میں نعت ہی کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ لیکن سندھی ادب میں اس کے معنے ایسی مخصوص

نعت کے لیے جاتے ہیں جس میں ثناء توصیف کے علاوہ ضمناً شاعر اپنی حاجت بھی پیش کرتا ہے۔

سندھی میں "سِٹھ اکھری" (تیس حرفی) نامی ایک شاعری کی صنف ہے جس میں عربی الف۔ب کے تیس حروف مع ھمزہ کے لیکر ترتیب وار "الف" سے "ی" تک ہر ایک حرف سے ایک بند کہا جاتا ہے۔ اس صنف پر بھی کافی شعراء نے نعتیہ کلام کہا ہے۔

مذکورہ بالا اصناف سندھی لوک ادب سے تعلق رکھتی ہیں۔ سندھی لوک ادب ہی میں ایک قسم شاعری کی "سگھڑ" شاعری کہلاتی ہے۔ "سگھڑ" لفظ کے یوں تو معنے سلیقہ شعار کے لیے جاتے ہیں۔ لیکن سندھی میں یہ لفظ ایسے شعراء کے لیے مخصوص ہے جن کا انداز بیان اپنی ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ شاعر اور سگھڑ میں ایک بنیادی فرق ہوتا ہے وہ یہ کہ شاعر الفاظ و معنی، ردیف و قافیہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے کلام کو صفحۂ قرطاس پر سجاتا ہے جبکہ سگھڑ کسی بھی واقعے کو اپنے مخصوص پیرائے میں بیان کرتے ہوئے ان قیود کا خیال نہیں رکھتا لیکن اس سے باہر بھی نہیں جاتا البتہ اس کا اسلوب بیان اپنا ہوتا ہے سندھ کے سگھڑ شعراء کے لیے حضورؐ کی تعریف ایک پسندیدہ موضوع رہا ہے۔

سندھ ایک قدیم خطہ ہے۔ ہر خطے کی اپنی لوک روایات ہوتی ہیں یہاں کے باشندوں کی بھی اپنی مخصوص روایات ہیں۔ ان میں سے ایک روایت کچہری یعنی گفتگو بھی ہے۔ گفتگو تو ہر خطے کی قوم میں ہوتی ہے لیکن سندھ کی روایتی کچہری میں فضولیات کے بجائے ادب پر توجہ دی جاتی ہے۔ اس میں حاضرین مجلس باری باری اپنے اپنے ادبی ذوق کے مطابق کلام یا جو کچھ اس کو آتا ہو سناتا ہے۔ یہ روایت اندرون سندھ اب بھی کہیں نظر آتی ہے۔ ایسی ہی کچہری کی محفلوں میں جو لوک ادب پیش کیا جاتا ہے اس میں ایک "نڑ کے بیت" ہیں۔ "نڑ" بانسری کی طرز کا ایک ساز ہوتا ہے۔ اس میں ایک شخص نڑ بجاتا اور شاعر "نڑ" کی مخصوص دھن پر کلام سناتا ہے۔ نڑ کی دھن پوری سندھ میں ایک ہی طرز کی مخصوص ہے۔ اگر یہ آلہ موجود نہ بھی ہو تو اسی دھن پر کلام سنایا جاتا ہے۔ یہ سندھ کے باشندوں کا پسندیدہ کلام ہے۔ "نڑ" کے شعراء مخصوص ہیں۔ ہر کوئی شاعر اس طرز کی شاعری نہیں کر سکتا۔ "نڑ" پر شاعری کرنے والے شعراء نے آپؐ کی تعریف و توصیف میں کافی کلام کہا ہے۔ بلکہ ان کا خاص موضوع ہی آپؐ کی تعریف ہے۔

مذکورہ بالا شاعری کی اصناف سندھی ادب کی لوک شاعری ہیں یہ سندھ میں موتی کے دانوں کی طرح بکھری ہوئی تھیں۔ لیکن ۱۹۵۵ء میں سندھی ادبی بورڈ نے سندھی لوک ادب کو یکجا کر کے شائع کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے یہ کام سندھی ادب کے محسن جناب ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کے سپرد کیا۔ جنہوں نے سندھ کے گاؤں گاؤں اور شہر شہر سے مواد لیکر جمع کر کے تحقیق کے بعد شائع کیا۔ "مولود" "مداحوں

مناجاتوں""معجزو""مناظرو""تھہ اکبری"(دو جلد)""نرجابیت""سگھڑ شاعری" نامی کتابیں شائع کیں جن میں موضوع کے لحاظ سے گزشتہ کئی صدیوں پرانا کلام بھی شامل کیا گیا ہے۔

علم بدیع شعراء کا ایک پسندیدہ علم رہا ہے۔ لیکن شاید مشکل ہونے کی وجہ سے شعراء نے اس پر کم طبع آزمائی کی ہے۔ اردو میں صفت غیر منقوطہ کے علاوہ کسی اور صنف میں نعتیہ کلام میری نظر سے نہیں گذرا۔ سندھی میں بھی علم بدیع پر کم ہی شعراء نے نعتیہ کلام کہا ہے۔ لیکن صرف ایک ہی ایسے شاعر کا کلام مل سکا ہے جنھوں نے علم بدیع کی مختلف اصناف میں نعتیہ کلام سجایا ہے۔ ڈاکٹر عبداللطیف قمر لغاری نے "گل عقیدت جا" میں علم بدیع کی بھولی ہوئی اصناف میں نعتیہ کلام سجا کر دیگر شعراء کو بھی راستہ دکھایا ہے۔ صفت غیر منقوطہ میں تو اردو میں بھی نعتیہ کلام ملتا ہے۔ لیکن صنعت تحت النقاط میں نعتیہ کلام ناپید ہے۔ قمر لغاری نے کس خوبصورتی سے اس صنعت میں حضورؐ کی تعریف کی ہے۔

پیارو پاک پرور جو حبیب کبریا آھے
سوئی ماہ عرب آھے' سوئی بدرالدجیٰ آھے
آھے محبوب مولیٰ جو اصل عربی نکی مرسل
محمدؐ پاک پیارو۔ صاحب حلم و حیا آھے

صفت فوق النقات میں بھی نعتیہ کلام کیا خوب سج رہا ہے۔

راہ عمل آ"اسوۂ حسنہ "(راہ عمل ہے اسوۂ حسنہ)
ناھ اصولن اندر کو شک' (نہیں اصولوں میں کوئی شک)
شان محمدؐ قرآن اندر'(شان محمدؐ قرآن کے اندر)
ڈس توں' ورفعنالک ذکرک (دیکھو تم ورفعنالک ذکرک)

صفت واشع الشفتین بھی کیا خوب صفت ہے کہ شاعر پورا کلام سنا لے مگر ہونٹ آپس میں نہ ملیں۔ ڈاکٹر قمر لغاری نے اس صفت میں نعتیہ کلام بہت ہی خوب کہا ہے۔

بجے سنسار لئے نور ھدایت آرسول اللہؐ (پورے سنسار کے لیے نور ہدایت ہیں رسولؐ)
شہ کونین' سر تاج رسالت آرسول اللہؐ (شہ کونین' سر تاج رسالت ہیں رسول اللہؐ)
گھنو سھو آجنت کھاں روضو رسول اللہ جو'(بہت خوبصورت ہے جنت سے روضۂ رسول اللہؐ)
دیار حسن آئین نقشہ نزاکت آرسول اللہؐ (دیار حسن اور نقشہ نزاکت ہیں رسول اللہؐ)

بغیر الف کے ڈاکٹر قمر لغاری نے نعتیہ کلام قابل ملاحظہ رکھا ہے۔

محبت نبی جی جگر میں رہے تھی' (محبت نبی کی جگر میں رہتی ہے)
تو پوڑ دل نہ کنھن بھی خطر میں رہے تھی (تو پھر دل کبھی بھی خطرے میں نہیں رہتی)
ٹگی دل درودن میں جنھن جی تنھن نے' (لگی دل جس کی درود میں اس پر)
محمدؐ جی شفقت حشر میں رہے تھی (محمدؐ کی شفقت حشر میں رہتی ہے)

صفت عمودی مکس میں ڈاکٹر قمر لغاری صاحب کا نعتیہ کلام ملاحظہ فرمائیے۔

محمدؐ مٹھو آ سہارو حشر میں۔ (میٹھا محمدؐ حشر میں سہارا ہے)
مٹھو آ محمدؐ پیارو جگر میں (میٹھا پیارا محمدؐ ہمارے جگر میں ہے)
سہارو پیارو بھلارو دہر میں (سہارا ہیں۔ پیارے' بھلارے سنسار میں)
حشر میں جگر میں دھر میں نظر میں (حشر میں' جگر میں' دھر میں' نظر میں)

پیارو مدنی مرسل (پیارا مدنی مرسل)
مدنی آھے اکمل (مدنی ہے اکمل)
مرسل اکمل افضل (مرسل اکمل افضل)

ان کے علاوہ بھی کئی اصناف میں قمر لغاری صاحب نے نعتیہ کلام تحریر کیا ہے۔ صرف نمونے کے طور پر کچھ کلام یہاں دیا گیا ہے۔

عروضی شاعری کی تمام اصناف میں سندھی نعتیہ کلام موجود ہے۔ صرف شعراء کے نام دینے پر ہی کئی صفحات درکار ہیں۔ راقم کو کنڈیارو کی قاسمیہ لائبریری میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں پر سندھی میں نعتیہ کلام پر پانچ سو کے قریب کتابیں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ بھی میری نظر سے ایسی کتابیں گذری ہیں جو وہاں پر موجود نہیں تھیں' (انشاء اللہ ان تمام کتابوں کی فہرست کسی اور مضموں میں ملاحظہ فرمائیے گا۔)

حاضر شعراء میں بھی کافی شعراء نعت گو ہیں۔ لیکن نعتیہ کتاب اور نعتیہ دیوان کے لحاظ سے دو سندھی شعراء ایسے ہیں جن کے سب سے زیادہ نعتیہ مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ ایک ہمارے بزرگ نعت گو شاعر ہیں الحاج غلام نبی مہیسر ضلع دادو کے شہر میہڑ کے قریب ایک گاؤں میں سکونت پذیر ہیں۔ ان کا ۴۵ واں مجموعۂ نعت حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ ان کے کلام میں سلاست' روانی اور عوامی لہجہ ہے۔ جس کی وجہ سے اندرون سندھ اور شہر کی سندھی نعتیہ مجلسوں میں انہیں کا کلام سنا اور سنایا جاتا ہے۔ لیکن ابھی تک کسی بھی ادارے کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ مہیسر صاحب کی خدمات پر انہیں کوئی ایوارڈ ہی دیا جاتا۔

محترم سید گل محمد شاہ بخاری صاحب نے چار مختلف مضامین میں ایم۔اے کرر کھا ہے۔اس وقت شہداد کوٹ کے کالج میں لیکچرار کی حیثیت میں خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔شاہ صاحب کو سیرت کی کتب سے اسقدر شوق ہے کہ ان کی سیرت لائبریری میں سیرت سے متعلق ہر قسم کا تحریری مواد دستیاب ہو سکتا ہے۔شاہ صاحب کو سیرت النبیؐ پر تین صدارتی ایوارڈ مل چکے ہیں۔نعتیہ کلام پر بھی کئی ایک ایوارڈ وصول کر چکے ہیں۔نعتیہ غزل پر شاہ صاحب کو کافی دسترس حاصل ہے۔شاہ صاحب کے تیس نعتیہ مجموعے اور دیوان شائع ہو چکے ہیں۔کسی نوجوان شاعری کو شاید ہی یہ اعزاز نصیب ہوا ہو۔

عروضی شاعری کی کسی صنف کو سندھی نعت گو شعراء نے نعت سے محروم نہیں رکھا۔مثنوی سے لیکر مسدس، رباعی، مخمس معشر تک میں نعتیہ کلام موجود ہے۔

شاعری کی دوسری اصناف کے علاوہ نعتیہ غزل کو بہت ہی شاندار انداز میں سندھی نعت گو شعراء نے سجایا ہے اس میں سید سردار علی شاہ ذاکر کا کلام بہت پسند کیا گیا ہے۔ان کے مجموعے کو سندھی ادبی بورڈ نے "واردات عشق عرف مداد ذاکر" کے نام سے شائع کیا ہے۔ان کے نعتیہ کلام میں بیشتر یہ خوبی ہے کہ انہوں نے آپ کا نام نامی لیئے بغیر آپ کی تعریف کی ہے پڑھنے والا خوب سمجھتا ہے کہ وہ آقائے دو جہاں کی ثناء کر رہا ہے لیکن آپ کا اسم گرامی نہیں لیتا۔

حاصل الذکر یہ کہ سندھی میں بھی نعتیہ کلام بہت شائع ہو چکا اور ہو رہا ہے۔لیکن کما حقہ، تشہیر نہ ہونے کے سبب اور جغرافیائی قیود کے سبب یہ کلام پھیل نہیں سکا۔

آخر میں سندھی کے ایک عوامی شاعر "استاد بخاری" کے اس نعتیہ قطعہ پر اپنی یہ مختصر سی تحریر ختم کرتے ہیں کہ ۔

جنت بہ اُھا آ جت گھمندو ھوندیں
سے جنتی، جن سان تون ملندو ھوندیں
دوزخ جو حال تہ ٺری پوندو ھوندو!
جن ڈانھن نھارے بہ تون کھلندو ھوندین!

یعنی ۔

جنت بھی وہ ہے، جہاں آپ ٹہلتے ہونگے!
وہ جنتی! جن سے آپ ملتے ہونگے
دوزخ کے دل پر تو پڑتی ٹھنڈک ہو گی!
اس کو دیکھ کر آپ گر ہنستے ہونگے!

دل مدینے کی رہ گزر میں ہے
(تجزیاتی مطالعہ)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

اچھی شاعری عموماً فکر و حکمت اور جذبہ و احساس کے آمیزے سے جنم لیتی ہے۔ اس آمیزے پر جب فلسفہ و حکمت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو اس کے اظہاری پیکروں میں بہت سے غیر مانوس اصطلاحی الفاظ و مرکبات اور دور از کار استعارات و کنایات خود بخود در آتے ہیں اور شاعری کی تاثیر کو کم کر دیتے ہیں اس کے برعکس جہاں شاعری میں جذبات و محسوسات کا دباؤ زیادہ ہوتا ہے اور فکر و حکمت کے نکات در موز ارتعاش جذبات کے سیل میں جگہ پاتے ہیں وہاں' شاعری کی تاثیر دوچند ہو جاتی ہے اس کے لیے شواہد امثال کی ضرورت ہو تو نعتیہ شاعری کی تاریخ و روایت پر ایک نظر ڈال لیجئے' اندازہ ہو جائے گا کہ نعت کی شاعری سچے اور شدید جذبات کے غلبے ہی کے سہارے قاری پر اثر انداز ہوتی ہے۔

دور کیوں جایئے اپنے عہد کے معروف شاعر امتیاز ساغر کی نعت گوئی ہی پر نظر ڈال لیجئے۔ ان کی نعت میں اگرچہ زندہ و توانا ذہن کی علو فکری ہر جگہ موجود ہے لیکن یہ علو فکری' فلسفہ و منطق کے بیان کی طرح خشک و جامد نہیں بلکہ سیال و شگفتہ ہے۔ اور جذبات کی۔ شدت و پاکیزگی نے چھوٹی بحر میں میٹھے پانی کی ایک ایسی نہر جاری کر دی ہے کہ اردو کی نعتیہ شاعری کی تاریخ و روایت میں اس کی کشت کاری و آبیاری تادیر محسوس کی جائے گی اور امتیاز ساغر کی وجہ شناخت بنی رہے گی۔

سرشار صدیقی

حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات مسلّمہ ہے جب تک سرکار دو عالم کی توجہ اور رضا نہ ہو دربار رسالت ﷺ میں باریابی محال ہے۔ یہ توجہ اور رضا انہی کا نصیب ہوتی ہے جن کے دل عشق آقا میں سرشار ہوتے ہیں اور جو دعائے قدم بوسی کی مقبولیت پر ایمان کامل رکھتے ہیں گویا دوسرے معنی میں حضورؐ کی یہ توجہ اور رضا گنہگاروں کے لیے بشارت شفاعت بھی ہے۔

جس طرح حاضری کی سعادت عظمیٰ ہر ایک کے حصے میں نہیں آتی' قطعی اسی طرح موزونی طبع اور

رموزِ فن سے حسبِ ضرورت آگاہی کے باوجود شرفِ مدحت حاصل نہیں ہوتا' شرفِ مدحت جو میرے ایمان و یقین کی حد تک روحانی حضوری ہے' وظیفۂ شوق ہے۔ یعنی بقول جگر "فیضانِ محبت عام تو ہے' عرفانِ محبت عام نہیں" اور اگر بہ فرضِ محال صرف موزونیٔ طبع اور رموزِ فن کی بنیاد پر' بغیر کسی تحریکِ باطنی کے' محض رسماً "نعت لکھی جائے تو اسے پڑھ کر ایک بار پھر جگر صاحب ہی یاد آتے ہیں۔

"سب کچھ تو ہے غزل میں کمی کیوں اثر میں ہے"

نعت کے لیے یہ معیار ہم سب کا مشترکہ احساس بھی ہے' عقیدہ بھی اور فیصلہ بھی۔ اور اسی روشنی میں میں نے اپنے عزیز ہمعصر امتیاز ساغرؔ کی یہ طویل نعتیہ نظم پڑھی۔

یہ نظم امتیاز ساغرؔ کے ضمیرِ شعری سے ابلتا ہوا چشمۂ ارادت و عقیدت ہے اس کے فکری بہاؤ میں کہیں کہیں فنیؔ رکاوٹیں بھی محسوس ہوئیں۔ جذبے کی تند و تیز رو میں شعوری احتیاط کے نازک مقامات سے مجذوبانہ گزر جانا بجائے خود شدتِ احساس کا ثبوت ہے۔

امتیاز ساغر کی یہ نظم اس لیے بھی اہم ہے کہ مختصر نظموں کے معاصر رجحان میں ایک مثبت تبدیلی اور تنوع پسندی کی علامت بن کر ابھری ہے۔

اس موقع پر یہ اعتراف نہایت ضروری ہے کہ جدید شاعری میں طویل نظموں کی روایت قمر ہاشمی مرحوم نے قائم کی۔ ان کی متعدد نظمیں کتابوں کی صورت میں شایع ہو چکی ہیں۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ ان کی طویل ترین نعتیہ نظم "مرسلِ آخر" کا شمار ادبِ عقیدت میں ان کے لازوال شعری کارنامے کے طور پر ہوتا ہے۔

یہ توقع بے محل نہیں کہ امتیاز ساغر اسی نوع کی دوسری طویل نظموں کی تخلیق پر غور کریں گے اور نعت کے حوالے سے اپنا اختصاص قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔

** ** **

دل مدینے کی رہ گذر میں ہے

امتیاز ساغر

طائرِ فکر کو ملے پرواز
مجھ سے کم تر پہ بھی ہو رحمت باز
توشہ آخرت نظر میں ہے
دل مدینے کی رہ گزر میں ہے
مدحتِ شاہ لکھنا چاہتا ہوں
خود کو تابندہ کرنا چاہتا ہوں
نطق کو میرے لن ترانی دے
دے قلم کو مرے روانی دے
میرے افکار کو حسین بنا
حسنِ احساس کو ہو نطق عطا
روشنی سے ڈھلے حروف ملیں
اسمِ اعظم لکھوں تو پھول کھلیں
اسمِ اعظم ہے میرے پیشِ نظر
اسمِ اعظم کے دم سے شام و سحر
اسمِ اعظم متاعِ علم و ہنر
اسمِ اعظم کے عکس شمس و قمر
اسمِ اعظم بنائے کون و مکاں
اسمِ اعظم حریرِ جسم و جاں
اسمِ اعظم نظر کی بینائی
اسمِ اعظم ثبوتِ یکتائی
اسمِ اعظم شعور کی دولت
اسمِ اعظم ہے فکر کی رفعت
اسمِ اعظم نویدِ صبح طرب
اسمِ اعظم کے سائے میں ہم سب
اسمِ اعظم مقدرِ انساں
اسمِ اعظم مصوّرِ امکاں
اسمِ اعظم جمالِ بزمِ جہاں
اسمِ اعظم نجات کا ساماں
عرش اور فرش کا جو بندھن ہے
اسمِ اعظم کے دم سے روشن ہے
اسمِ اعظم جو گنگنائے صبا
روز خوشبوؤں میں نہائے صبا
گیسوئے شب، سحر کے جلوے میں
اسمِ اعظم کا نور ہر شے میں

ماضی و حال و صبح آئندہ
اسمِ اعظم کے دم سے تابندہ

اس جہاں کی نمود سے پہلے
قالب ہست و بود سے پہلے
خالقِ کُل نے مرتبہ بخشا
نورِ سرکار کو کیا پیدا
پھر یہ لوح و قلم بنائے گئے
یہ زمیں آسماں بچھائے گئے
تیرہ لمحات جگمگائے گئے
زندگی کے دیئے جلائے گئے

ماہ و انجم شفق کی سرخی میں
کہکشاں ، مہر اور بجلی میں
دشت و دریا میں کوہساروں میں
باغِ ہستی کے لالہ زاروں میں
گنگناتی ہوئی بہاروں میں
دل کو چھوتے ہوئے نظاروں میں
پھول ، شبنم ، ہوا میں بارش میں
حال و فردا کی ہر نمائش میں

نورِ احمدؐ کا ایک عکسِ جمیل
تا قیامت ہے روشنی کی دلیل

نورِ سرکار اگر نہیں ہوتا
کچھ بھی یاں معتبر نہیں ہوتا
رنگ ہوتا نہ روشنی ہوتی
ہر طرف صرف تیرگی ہوتی
حسن ہوتا نہ دلکشی ہوتی
عشق ہوتا نہ عاشقی ہوتی
زندگی چھاؤں کو ترس جاتی
لبِ دریا بھی تشنگی ہوتی
خواب ہوتے نہ آگہی ہوتی
کتنی بے نور زندگی ہوتی
ابر چھاتے نہ بارشیں ہوتیں
دل دھڑکتے نہ خواہشیں ہوتیں
جسم ویراں سرائے ہو جاتے
لوگ تنہائیوں میں کھو جاتے
ہر طرف موسمِ خزاں رہتا
ہر شجر اپنی آگ میں جلتا
باغ میں روشنی نہیں ہوتی
صحن میں چاندنی نہیں ہوتی
صبح میں دلکشی نہیں ہوتی
شاخِ گل پہ کلی نہیں کھلتی
پیرہن تتلیوں کے جل جاتے
سنگ و آہن کے دل پگھل جاتے
رات ڈس جاتی ہر سویرے کو
آئینے بھی ترستے چہرے کو
سیپیوں میں گہر نہیں ملتے
پانیوں میں کنول نہیں کھلتے
دھوپ کھا جاتی فصلِ امکاں کو
گہن لگ جاتا حسنِ انساں کو
نظمِ عالم بکھر کے رہ جاتا
مہر سر پہ ٹھہر کے رہ جاتا
گیسوئے شب دراز ہوجاتی
نور سے بے نیاز ہوجاتی
زندگی زندگی سے کٹ جاتی
کتنے ہی راستوں میں بٹ جاتی
علم و حکمت کے در نہیں کھلتے
ہم پہ شام و سحر نہیں کھلتے
راستے راہرو کو ڈس جاتے
لوگ انصاف کو ترس جاتے
ہر سفر بے یقین ہو جاتا
آدمی راستوں میں کھو جاتا

وحشتوں کے حصار میں رہتا صبح کے انتظار میں رہتا
اُس نظر نے مگر سنبھال دیا تیرہ لمحات کو اُجال دیا
اپنے سائے میں لے کے خلقت کو آگہی بخشی آدمیت کو
طائرِ فکر کو اڑان دیا خاک کو مثلِ آسمان کیا
دین و دنیا کے رمز سمجھائے راستے روشنی کے دکھلائے
گیسوئے روز و شب سنوار دیا زندگانی کو اعتبار دیا
قلبِ انساں کو مل گئی رفعت بخش دی لا الٰہ کی دولت

حسنِ عالم کو لازوال کیا
اُس نظر نے عجب کمال کیا

اُس نظر پہ فدا زمین و زماں اس نظر کی کوئی مثال کہاں
وہ نظر رنگ، روشنی، خوشبو وہ نظر صبحِ گلستاں یا ہُو
وہ نظر آبشار، کوہ و دمن وہ نظر پھول، زندگی کی کرن
وہ نظر کہکشاں، نجوم و قمر وہ نظر قلبِ عشق، روحِ جگر
وہ نظر آبروئے بحر و بر وہ نظر ہے نئی رتوں کی خبر
وہ نظر صبحِ زندگی کی نوید وہ نظر امن و آشتی کی نوید
وہ نظر شاخِ گل کی رعنائی وہ نظر ہے شعورِ بینائی
وہ نظر غمگسار دل زدگاں وہ نظر ہے قرارِ دل زدگاں
وہ نظر علم و دانش و حکمت وہ نظر ذکر و فکر کی دولت
وہ نظر قلبِ عشق کی دھڑکن وہ نظر شہر جاں میں مشک و ختن
وہ نظر دشت میں امیدِ بہار وہ نظر دھوپ میں بھی سایہ دار
وہ نظر دل پہ گر ٹھہر جائے کاسہ جاں میں نور بھر جائے
وہ نظر حسنِ کائنات کی حد وہ نظر ہے ازل سے تا بہ ابد
قالب ہست و بود میں کیا ہے جو بھی منظر ہے ایک دھوکا ہے
اُس نظر میں فلاحِ انساں ہے وہ نظر ہی تو جزوِ ایماں ہے

اس نظر کے حصار میں رہیئے
لمحہ لمحہ بہار میں رہیئے

خاکِ طیبہ کی آرزو رکھیئے
وصل کے انتظار میں رہیئے

خاکِ طیبہ کی عظمتیں مت پوچھ
ذرّے ذرّے کی رفعتیں مت پوچھ
روشنی کا ظہور خاک میں ہے
نقشِ پائے حضورؐ خاک میں ہے
خاکِ طیبہ جو سر پہ ڈالتے ہیں
ماہ و انجم وہی اجالتے ہیں
جب ہوا سیر کو نکلتی ہے
پہلے طیبہ کی خاک ملتی ہے
پھر گل و لالہ مسکراتے ہیں
خوشبوؤں کے دیئے جلاتے ہیں
کونپلیں پھوٹتی ہیں شاخوں میں
زندگی جھولتی ہے بانہوں میں
جب پرندے فضا میں اُڑتے ہیں
شاہِ دیں پر درود پڑھتے ہیں
خاکِ طیبہ سے جب لپٹتی ہے
تب کہیں روشنی نکھرتی ہے
خاکِ طیبہ کا ایک اک ذرہ
ہے تجلّی حق کا گہوارہ
حسنِ فطرت کے جو مظاہر ہیں
کوئے سرکارؐ میں وہ حاضر ہیں

صف بہ صف نظم و احترام کے ساتھ
گردنیں خم کیے سلام کے ساتھ

اک طرف انبیاء ہیں جلوہ گر
پڑھ رہے ہیں درود سرورؐ پر
اک طرف جبرئیل و عزرائیل
پاس آنے کی کر رہے ہیں سبیل
اک طرف سے ملائکہ کی ذات
بھیجتی ہے درودوں کی سوغات
ایک جانب خلیفہ اسلام
ساتھ اُن کے صحابہ اکرام
شمع کی لو پہ جلنے آئے ہیں
اپنی دنیا بدلنے آئے ہیں
اک طرف اہلِ بیت شمس و قمر
اک طرف کربلا کے لعل و گہر
اک طرف اولیاء ہیں جلوہ فگن
عشقِ سرکارِ دوجہاں میں مگن
اک طرف روشنی کے پروانے
لے کے آئے ہیں جاں کے نذرانے
اک طرف اژدہامِ شاہ و گدا
اک طرف تھرتھراتے ہونٹ، دعا
اک طرف حسن و عشق کا موسم
اک طرف جذب و کیف کا عالم
اک طرف زندگی کے راز و نیاز
ساز فطرت کو چھیڑتی آواز
اک طرف رنگ، روپ، رعنائی
اک طرف جلترنگ، شہنائی

اک طرف عرش و فرش کی دولت — اک طرف علم و دانش و حکمت
اک طرف خواب، آنکھیں، تعبیریں — اک طرف شام، رات، تنویریں
اک طرف رنگ، روشنی، خوشبو — اک طرف دشت، آئینہ، آہو
اک طرف لوح و کرسی و محراب — اک طرف کہکشاں، شبِ مہتاب
اک طرف گل، بہار، شاخِ حنا — اک طرف نغمہ، ساز، بادِ صبا
اک طرف کوہسار، آبِ رواں — اک طرف آگ اور تیز دھواں
اک طرف رنگ اوڑھتے صحرا — اک طرف گیت، جھومتے دریا
اک طرف حبس، تیرگی کا چلن — اک طرف دھوپ اور تیز گھٹن
اک طرف وصل و ہجر کی ساعت — اک طرف حسن و عشق کی دولت
اک طرف زندگی کی شادابی — اک طرف انتظار، بے خوابی
اک طرف وقت کے ستائے ہوئے — دوش پر بارِ غم اٹھائے ہوئے
شمعیں امید کی جلائے ہوئے — درِ اقدس پہ سر جھکائے ہوئے

تک رہے ہیں حضورؐ کی جانب
پیکرِ رنگ و نور کی جانب

میں بھی اِن سوگوار لوگوں میں — شدتِ غم سے بجھتے چہروں میں
ایک جانب کھڑا ہوں لب بستہ — دھندلا دھندلا ہے دل کا آئینہ
پستیوں سے ابھاریے آقاؐ — شیشہ دل اُجالیے آقاؐ
مجھ پہ رحمت کی اک نظر ہوجائے — دل پہ وا روشنی کا در ہوجائے
میں بھی رمزِ حیات کو سمجھوں — مجھ کو بھی اپنی کچھ خبر ہوجائے
مجھ سے ناچیز پہ کرم کیجے — کاسۂ جاں میں بھیک دے دیجے

صدقۂ خاکِ پنجتن ہے بہت
روئے زیبا کی اِک کرن ہے بہت

نیاز فتح پوری اور ان کی نعت سرائی

پروفیسر محمد اقبال جاوید

جب کسی شخصیت کی عظمتوں کے بارے میں کوئی تاثر ابھارنا، خصوصاً مقصود ہو تو عموماً یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ "وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہے۔" مگر نیاز فتح پوری کے بارے میں یہ روایتی اور محاوراتی سا معروف جملہ، لفظی اور معنوی اعتبار سے یوں درست بیٹھتا ہے کہ اس میں نہ کوئی مبالغہ دکھائی دیتا ہے اور نہ تحسینِ ناشناس کا کوئی شائبہ نظر آتا ہے بلکہ جملے کا ایک ایک لفظ حقیقت پر مبنی دکھائی دیتا ہے کہ بات بات کو آگہی کی میزان میں تولنے والے زبان و بیان کی باریکیوں کو سمجھنے، برتنے اور پرکھنے والے، تاریخی اور تنقیدی شعور سے بہرہ ور، جرأتِ اظہار اور صلابتِ اظہار کے حامل، وہ ایک تاثر آفرین شاعر، ایک دقیقہ سنج محقق، ایک دل آویز افسانہ نگار اور ایک خوبصورت انشاء پرداز تھے۔ وہ ایک ایسے عہد آفرین، تاریخ ساز، جہت نما اور صاحبِ طرز ادیب تھے جن کی تحریروں سے کم و بیش تین نسلوں نے فکر و نظر کی رعنائی لی اور ایک دنیا اختلاف کے باوجود اُن کے اُسلوب کی شگفتگی کی معترف رہی۔

جس طرح یہ جملہ کہ "وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔" لفظی اور معنوی اعتبار سے ان کے قدو قامت پر موزوں بیٹھتا ہے، بالکل اسی طرح اُن کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ فی الواقع ایک "دیو قامت شخصیت" تھے، ہر اعتبار سے معتبر ہے۔ ایک ایسی شخصیت جو مشرقی اور مغربی زبانوں اور علوم پر حاوی ہو، قدیم ادبی، تمدنی، تاریخی اور تہذیبی قدروں سے بھی آشنا ہو اور جدید دور کے منطقی تقاضوں سے بھی آگاہ ہو۔ جس کے مزاج میں تخلیقی و تنقیدی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ جمالیاتی دلپذیری کا عنصر بھی جلوہ گر ہو۔ جس کا قلم ادیبانہ اور شاعرانہ لب و لہجے کے ساتھ، استدلال کا حُسن بھی رکھتا ہو، جس کی صحافت، شعر و ادب کی کم و بیش جملہ اصناف پر حاوی ہو۔ جو مذہبی مسائل، صوفیانہ اسرار اور حکیمانہ رموز کے ساتھ ساتھ سائنسی حقیقتوں اور علم نجوم کی فراستوں سے بھی آگاہ ہو، جو سامنے آنے والے ہر موضوع کے بارے میں ستارے ابھارتا اور پھول بکھیرتا ہو، جس کی انشائے لطیف نے ایک نئے دور، ایک نئی سوچ اور ایک نئی ڈگر کی بنیاد رکھی ہو اور جس نے تعصب کی جگہ عقلیت اور تقلید کے بجائے تجدید کو اپنانے کی اپنی سی سعی کی ہو۔ وہ شخصیت دیو قامت نہیں

ہو گی تو اور کیا ہو گی۔

کہاں سے لائیں گے اہلِ سخن، طرزِ سخن تیرا

کہ ہے جانِ ادب، روحِ ادب، اندازِ فن تیرا

نیاز کے بارے میں اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے عاصی کرنالی لکھتے ہیں۔

"آدمی اور جن میں جو بنیادی فرق ہے اُسے اس مثال سے شاید سمجھا جا سکے کہ آدمی زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی من کا پتھر اٹھا لے لیکن جن ایک پہاڑی کی پہاڑی کو ہتھیلی پر رکھ لے گا۔ آدمی اگر شاعر اور ادیب ہے تو ایک دو حد سے حد تین چار ادبی اصناف میں کمال پیدا کرلے گا لیکن اگر کوئی آدمی جنات کے طبقے سے ہے تو وہ کئی بھاری پتھروں کو پھولوں کی طرح اچھالتا پھرتا ہے اور بہت سی ادبی و شعری صنفوں کے درمیان میں چوکھا لڑتا ہے اور فاتحانہ انداز میں چورنگ کاٹتا اور اپنا لوہا منواتا ہے۔" (۱)

نیاز اُن عبقری انسانوں میں سے تھے جن کی سوچ لمحۂ موجود سے سالوں آگے ہوا کرتی ہے۔ نتیجہ معلوم کہ وہ فکر و نظر کی شاہراہوں پر سرپٹ دوڑتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بگٹٹ دوڑنے والے ٹھوکریں بھی کھاتے ہیں اور عیاں ہے کہ منزلیں ان کے قدم بھی لیتی ہیں۔ اُن کے اندازِ نظر سے ایک عالم روشنی بھی لیتا ہے اور ایک دنیا اُن کی جدت آفرین فکر اور جرأتِ اظہار کی مخالف بھی ہوا کرتی ہے۔ عصری مخالفت کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ کہنے والا یا لکھنے والا واقعی غلط ہے، بلکہ یہ مخالفت اس امر کا ثبوت ہوتی ہے کہ لکھنے والا تخلیقی سوچ کے مطابق لکھ رہا اور تقلیدی سوچ سے ٹکرا رہا ہے۔ نیت راست ہو تو کہی گئی بات اپنی صداقت کبھی نہ کبھی ضرور منوا لیتی ہے۔ نیت راست ہے یا کج، اس کا علم تو اس علیم و خبیر ذات کو ہوتا ہے جو سینوں میں مخفی راز جانتی ہے جبکہ قاری صرف اپنے ذوق اور ظرف کے مطابق بات سمجھتا اور سمیٹتا ہے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت کے آثار بہت گہرے ہوتے ہیں۔ وہ دیر تک رہتے اور دور تک ساتھ دیا کرتے ہیں۔ نیاز کو فارسی کی حلاوت اور عربی کی بلوغت کے ساتھ ساتھ روشن خیالی اور فکری وسعت، والد کی جانب سے توارث میں ملی تھی۔ نثر کی شاعرانہ تاب و تب بھی اسی ابتدائی تربیت کی دین ہے۔ والد کی تربیت نے لڑکپن ہی میں ان کی ذہانت کو وہ صلابت اور علمیت کو وہ رفعت عطا کی تھی جس سے ادباء کی اکثریت کبر سنی میں بھی اکثر محروم رہتی ہے۔ دینی مدارس کے اساتذہ نے ان میں مذہبی نکتہ رسی کے ساتھ ایک ایسا تنقیدی شعور ابھارا جو بعد میں نیاز اور علماء دونوں کے لیے ایک آزمائش ثابت ہوا، مدرسہ اسلامیہ فتح پور میں عربی کے پہلو بہ پہلو انگریزی تدریس کا بھی انتظام

تھا۔ اس سے نیاز کی فکری آگہی تضاد کا شکار رہی اور ان کا مزاج مثبت اور منفی رویوں کے ٹکراؤ سے لاشعوری طور پر ایک باغیانہ روش اپنا تا رہا جو تا زیست ذہنی تنگ نظری اور فکری جمود سے برسرِ پیکار رہی۔ بعد میں سرسید کے اثرات نے ان کی اس متضاد سوچ کو ایک ایسے عقلی اور منطقی سانچے میں ڈھال دیا کہ وہ زمانے بھر کے مقابل اپنی ہی سوچ کو سچ سمجھتے رہے۔ وہ ایک مقام پر اپنے "تنگ نظر معاصرین" کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> "جس حد تک اخلاق کا تعلق ہے میں نے ان میں ایسی کوئی بات نہیں پائی جسے بعید ترین تاویل کے بعد بھی اسلام اور بانیٔ اسلام کی بلند تعلیمِ اخلاق سے منسوب کیا جا سکے۔ میں ایسا محسوس کرتا تھا کہ اُن کی روح بالکل اُجاڑ ہے اور اُن کا دل ویران، روحانی لُطف اور جمالیاتی تسکین و ذوق کے لحاظ سے ان کی ہستی بالکل "وادیٔ غیر ذی زرع" کی حیثیت رکھتی ہے۔" (۲)

دینی مدرسوں نے اُن کے ذہن کو مذہبی سوجھ بوجھ دی جبکہ لکھنوی ماحول نے اُن کے مزاج اور اُن کی تحریر کو رومانوی ناز و ادا عطا کیا۔

نیاز کی روشن خیالی اور خرد افروزی اُن کے لیے کس کس انداز سے بلا ثابت ہوتی رہی اور وقت کے علمائے کرام کس کس اعتبار سے اُن کے نظریات پر معترض رہے، اس پر تفصیلی بحث میرے موضوع سے خارج ہے۔ گو میں سمجھتا ہوں کہ علماء کا اضطراب برحق تھا کہ بعض دینی مسائل کی نزاکت عقلی موشگافیوں اور ادبی شوخیوں، کی متحمل نہیں ہوا کرتی۔ اب دو اقتباس دیکھیے۔ ایک ڈاکٹر شوکت سبزواری کا نیاز کے بارے میں۔

> "اُن کا اسلام خالص اسلام ہے، وہ نہ شیعی ہیں نہ سنّی، نہ مقلد نہ غیر مقلد، نہ دیوبندی ہیں نہ بریلوی، نہ قرآنی ہیں نہ اہلِ حدیث، وہ محض مسلمان ہیں اور چونکہ اُن میں سے کسی فرقے سے بھی ان کا تعلق نہیں اس لیے ہر فرقہ انہیں بے دین ٹھہراتا ہے۔ شیعہ، سنّی سمجھتے ہیں، سنّی، شیعہ تصور کرتے ہیں۔ مقلدوں کا خیال ہے وہ غیر مقلد ہیں، غیر مقلد، تقلید کا طعنہ دیتے ہیں۔" (۳)

اور دوسرا خود نیاز کا اپنے بارے میں

> "غضب خدا کا میں سو بار کہہ چکا ہوں کہ خدا کی عظمت و جبروت اور اس کی قوت و قدرت کا میں اس طرح قائل ہوں کہ شاید ہی کوئی دوسرا ہو، ہزار بار لکھ چکا ہوں کہ

رسول ﷺ کی صداقت و بلندیٔ فطرت پر جس طرح ایمان لایا ہوں شاید ہی کوئی دوسرا ایمان لایا ہو لیکن باوجود اس اقرار کے، اگر میں کافر ہوں، ملحد ہوں، مرتد ہوں اور اگر اس اقرار و عقیدہ کا نام کفر و الحاد ہے تو

نازم بہ کفر خود کہ بہ ایماں برابر است (۴)

نیازؔ نے اپنی ادیبانہ زندگی کا آغاز مولانا ظفر علی خاں کے اخبار زمیندار میں بطور صحافی کیا۔ یہ بات ۱۹۱۰ء کی ہے۔ مولانا، نیازؔ کی فکری صلابت اور قلمی وجاہت کے معترف رہے اور وہ اُن کی شعری اور نثری تحریروں کو زمیندار کے لیے "سرمایۂ نازش" قرار دیتے رہے مگر نیاز اپنی "طرفہ طبیعت" کی وجہ سے زمیندار کے ساتھ تادیر نہ چل سکے۔ وہ اُس دور کے مختلف ادبی رسالوں کے قلمکار، مدیر اور نائب مدیر بھی رہے۔ ۱۹۲۲ء میں انہوں نے "نگار" جاری کیا جو اب تک نیازؔ کے نام اور مقام کو قائم رکھے ہوئے ہے۔

نیازؔ فطری طور پر شاعرانہ مزاج لے کر آئے تھے، حق یہ ہے کہ قدرت نے فطرتِ انسانی میں جو سرمدی صلاحیتیں رکھ دی ہیں اُن کے اظہار کا نام ادب ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ الفاظ کا بہترین انداز میں استعمال ادب ہے اور بہترین الفاظ کا بہترین استعمال نظم ہے۔ ابتدا میں انہوں نے بہت سی نظمیں لکھیں۔ جو شعری حُسن کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی مشکل پسند پیچیدگیوں کا مظہر تھیں۔ تراکیب میں عربیت غالب تھی۔ اِسی شاعرانہ مزاج نے اُن کی ابتدائی نثر کو بھی لفظی شکوہ دیا۔ گو بعد میں اُن کی نثر میں سے لفظی مشکل پسندی کی جگہ شعری دل آویزی اور فکر و تدبر نے لے لی۔ ابتدا میں اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ انہوں نے نظمیں زیادہ لکھیں اور غزلیں کم۔ بعد میں انہوں نے شاعری ترک کی اور نثر ہی کو ذریعۂ اظہار بنالیا کیونکہ ان کی متنوع ذہنی صلاحیتوں کا ساتھ صرف نثر دے سکتی تھی اور انہیں ایک ہمہ جہت شخصیت کے طور پر زندہ رہنا تھا۔ صرف شاعر کے روپ میں نہیں۔ اسی خوشگوار تبدیلی پر تبصرہ کرتے ہوئے مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں۔

"نیازؔ کو بہت جلد احساس ہو گیا کہ وہ شاعری کے لیے نہیں بنے ہیں۔ پھر وہ نثر کی طرف اس طرح مڑے کہ اُن کی شاعری نہ صرف ہمارے لیے بلکہ اُن کے لیے بھی آج بھولا ہوا خواب ہے۔ یہ اردو ادب کے حق میں بہت مبارک ہوا۔ نیازؔ کا ذوقِ جمال اور اُن کا حسن کارانہ شعور وہ دوسرا آہنگ چاہتا تھا جس کا غیر شاعرانہ نام نثر ہے۔ نیازؔ نے

اردو زبان و ادب کی جو نا قابلِ فراموش خدمتیں نثر کے میدان میں کیں وہ شاید شاعری کے میدان میں رہ کر نہ کر سکتے تھے۔" (۵)

میں سمجھتا ہوں کہ نیاز نے نظم گوئی ترک کر کے اِس اعتبار سے بھی اچھا کیا کہ اقبال ایسے نابغہ نغز گو اور نظریاتی شاعر کے دور میں کسی باصلاحیت شاعر کا بھی ابھر کر، نکھرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ بقول رشید احمد صدیقی۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شاعری نے اقبال کو اقبال بنانے میں اپنی ساری آرائشیں ختم کر دی ہوں اور اس کے بعد اُن پر اپنی ساری نعمتیں بھی تمام کر دی ہوں۔ جیسے اردو شاعری کا دین اقبال پر مکمل ہو گیا۔"

"نگار" کے اجراء سے قبل زمیندار کے علاوہ، نیاز جن رسائل سے وابستہ رہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔ توحید، خطیب، رعیت، صدائے عام، تمدن، نقاد اور انتخاب لاجواب۔ زمیندار اور نگار کے درمیانی وقفے میں اُن کی طبعیت اور قلم کا رجحان زیادہ تر اسلامی اور دینی تھا اور اُن کے نام کے ساتھ بھی مولانا اور مولوی لکھا جاتا تھا۔ گھُٹی میں پڑی ہوئی خصوصیات کسی نہ کسی نوع زندگی کا حصہ بنی رہتی ہیں۔ روشن خیالی اور حق گوئی انہیں توارث میں ملی تھی جبکہ رومان پروری ماحول کی دین تھی۔ اُن کے مطالعہ کی وسعت نے ان خوبیوں کو بال و پر عطا کیے اور اُن کے قلم نے اپنے خرامِ ناز کے لیے نت نئے راستوں کو چنا اور ہر راستہ اُن کی وسعتِ مطالعہ، ذہنی صلاحیت اور ادبی جمال سے جگمگاتا رہا۔ کوئی عام انسان ہوتا تو ان متنوع اور مختلف راستوں میں بکھر کر رہ جاتا مگر نیاز بکھر بکھر کر سمٹتے رہے۔ کاش وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو مذہبی نزاعی اُمور میں ضائع نہ کرتے اور انہیں صرف اردو ادب کے لیے وقف رکھتے تو وہ بلا شک و شبہ وقت کے "ادبی مجدد" ہوتے۔

اوپر کچھ ایسے رسائل کا ذکر آیا ہے کہ انہیں نگار کے اجراء سے قبل نیاز کا قلمی تعاون حاصل رہا۔ اُن میں منڈی بہاؤالدین ضلع گجرات کے ماہنامہ "صوفی" کا ذکر میں نے ارادتاً نہیں کیا کہ مقصود اُسی رسالے میں شائع ہونے والی نیاز کی تحریروں کا ایک اجمالی تذکرہ ہے جو مدحتِ رسول ﷺ کی آئینہ دار ہیں اور جن میں نیاز کا وہ دل دھڑکتا ہے جو حبِ رسول ﷺ سے لبریز تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ دینی افکار و خیالات کو عمر بھر عقل کی کسوٹی پر پرکھتے رہے کہ اُن کے نزدیک تدبّر سے کام نہ لینے ہی سے بے بصر تقلید کو فروغ ملتا ہے۔ مگر جہاں تک حضور ﷺ کی بے غبار شخصیت، شفاف تعلیم اور واضح رہنمائی کا تعلق ہے وہ اس کے تا عمر معترف رہے۔ وہ شعری انداز میں اُن کے مدحت سرا

بھی رہے اور نثری طور پر اس بارگاہِ ناز میں سراپا نیاز بھی۔ اِن شعری اور نثری تخلیقات سے نیاز کے اُس ذہن کا پتا چلتا ہے جو خوب سمجھتا تھا کہ اسلام اور ایمان کا مرکز و محور حبِ رسول ﷺ ہے اور اس محبت کے بغیر ہر ادعا، بولہبی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بعد میں نیاز مذہبی اختلافی امور میں بے خطر کودتے، علماء سے اُلجھتے اور اپنے لیے خارزار آراستہ کرتے رہے۔ مگر الحاد و انکار کے تمام تر الزامات کے باوجود اُن کے دل میں رسولِ پاک ﷺ کی یہ محبت قائم رہی۔ انہوں نے ایک مقام پر لکھا ہے۔

> "پچھلے ۲۵ سال کے اندر مجھے اتنی بار کافر، مرتد، ملحد، دہریہ کہا گیا ہے کہ کبھی کبھی مجھے بھی سوچنا پڑا کہ کیا حقیقتاً میں اسلام سے خارج ہو چکا ہوں، کیا واقعی میرے لیے اب اس مذہب میں کوئی جگہ باقی نہیں رہی، لیکن باور کیجیے کہ کبھی مجھ کو اس کا یقین نہیں آیا اور میں نے جس قدر زیادہ غور و فکر سے کام لیا میں اپنے خیال پر زیادہ مستحکم ہو گیا۔ اسلام کا جو مفہوم میرے ذہن میں ہے اس کا تعلق زیادہ تر محمد ﷺ سے ہے نہ کہ خدا سے۔ قرآن کی روح سے ہے نہ کہ الفاظ سے، کردار سے ہے نہ کہ گفتار سے۔ یعنی دنیا محمد ﷺ کو سمجھنا چاہتی ہے۔ قرآن و حدیث سے اور میں قرآن و حدیث کو پرکھنا چاہتا ہوں۔ محمد ﷺ کی زندگی سے لوگ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ وہ ہیں جو قرآن میں بتایا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں قرآن وہ ہے جسے محمد ﷺ نے اپنے عمل سے ظاہر کیا۔ دنیا کے نزدیک اسلام سمجھنے کی منزلیں یہ ہیں۔ "خدا، قرآن اور محمدؐ" اور میرے یہاں اس کے بالکل برعکس ان منازل کی ترتیب ہے۔ "محمدؐ، قرآن اور خدا۔" لوگ خدا سے ڈر کر قرآن و محمد ﷺ کا مطالعہ کرتے ہیں اور میں محمد ﷺ سے محبت کر کے قرآن و خدا کو سمجھنا چاہتا ہوں۔

تو گل از باغ می خواہی، من از گل باغ می جویم
من از آتش دخاں بینم تو آتش از دخاں بینی

باوجود ان تمام پریشان خیالیوں اور ذہنی تشویشوں کے رسول ﷺ کی عظمت ایک لمحہ کے لیے بھی میرے دل سے محو نہیں ہوئی۔ محمد ﷺ کی شخصیت جس کے متعلق میرا ایمان ہے کہ اُن سے زیادہ سچا، مخلص اور مکمل انسان ہونا مشکل ہے۔ انسان کے ذہن کا بلندی کے اس درجہ پر پہنچ جانا کہ ذاتی اور خاندانی مفاد کا خیال تک کبھی اُس کے

دل میں نہ آئے۔ انتہائی کامیابی کے وقت بھی جذبۂ انتقام اس میں پیدا نہ ہو۔ دشمنوں پر قابو پا جانے کے بعد بھی لطف و محبت و عفو و درگزر سے کام لے اور پھر باوجود ان تمام روحانی بلندیوں کے دنیا میں اسباب زندگی بسر کرنے کی بھی ایسی راہیں بتا جائے جو واقعی دنیا کی نجات کی ضامن ہوں۔ یقیناً بہت بڑی چیز ہیں اور اگر ان خصوصیات کا کسی ایک ہستی میں اجتماع قدرت کا معجزہ ہو سکتا ہے تو یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ یقیناً اس معجزے کے حامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیجیے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ جب آپؐ غارِ حرا کے سکون و تنہائی میں اپنے ابنائے وطن کی دردناک حالت پر غور کر کے باہر تشریف لاتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ پر کوئی نہایت گہری کیفیت طاری ہے اور آپ کا سینہ جذبات کی شدّت سے پھٹا جا رہا ہے لیکن آپ ضبط سے کام لیتے اور پھر غور و فکر میں مصروف ہو جاتے یہاں تک کہ زندگی کا بڑا حصہ اِسی عالم میں گزر گیا اور آخر کار وہ وقت آیا کہ یہ سیلاب اُبل پڑا، یہ چشمے پھوٹ نکلے اور جذبات و تاثرات کے طوفان نے الفاظ کی صورت اختیار کر لی اور انہی الفاظ کا مجموعہ ''قرآن'' ہے۔

''یہ الفاظ دراصل کیفیات روحانی کی مسموعی صورت تھے۔ ولولۂ رشد و ہدایت کے روح القدس کا مظہر تھے۔ جذبۂ اصلاح و تزکیۂ اخلاق کے جبرئیل کی زبان تھے۔ یعنی یہ وہ نطق ہمایونی تھا جو بغیر مرتبۂ نبوت ملے محمد ﷺ کو عطا ہی نہ ہو سکتا تھا اور اِسی لیے یقیناً وہ خدا کا الہام تھا۔ اس کی وحی تھی، اس کا کلام تھا جسے محمد ﷺ نے سنایا اور جسے سن کر دنیا محو حیرت ہو گئی۔ اس لیے نہیں کہ وہ کوئی نئی زبان تھی۔ نئے الفاظ تھے بلکہ اس لیے کہ اُن کے اندر نئی روح تھی، نیا اثر تھا۔ ایک قوت تھی۔ سر تسلیم خم کرا دینے والی، ایک اعجاز تھا حیران و مبہوت بنا دینے والا۔''(٦)

یہ ۱۹۵۴ء میں نیاز کے قلم سے نکلنے والی ایک تحریر کے کچھ اقتباس ہیں۔ اب اس سے کم و بیش اڑتیس سال قبل لکھی جانے والی نیاز کی اُن تحریروں کو ایک نظر دیکھیے جو ماہنامہ ''صوفی'' کے صفحات میں بکھری ہوئی ہیں اور جو مرورِ زمانہ کی گرد میں اس قدر دب چکی ہیں کہ ''افاداتِ نیاز'' کے کسی اشاریئے میں اُن کا ذکر تک نہیں ہے، مقام حیرت ہے کہ نگار نیاز نمبر حصہ اول میں نیاز کے سوانحی اشاریے ہیں۔ جہاں ''نگار'' سے قبل کی تحریروں کا ذکر ہے، وہاں ''صوفی امرتسر'' تحریر ہے حالانکہ ''صوفی'' کا تعلق ''منڈی بہاؤالدین ضلع گجرات'' سے ہے۔ ''صوفی'' میں نیاز کی مطبوعہ تحریروں میں حب رسول ﷺ کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود ہے۔ گو بعد میں ان کی بوقلمون قلمی

مصروفیات کی وجہ سے یہ پاکیزہ جذبہ کھل کر اور کھل کر سامنے نہیں آسکا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ جذبہ بوجوہ دب تو گیا مگر مرجھایا نہیں، کیونکہ ایک ایسا مسلمان جس نے دینی اور ادبی ماحول میں پرورش پائی ہو، جس کا قلم ادیبانہ حسن کا حامل ہو، جس کا ذہن رسا اور جس کی فکر رفیع ہو اور جسے اپنی حق گوئی پر ناز ہو اس کی خرد افروزی تقلید پرستی کی کتنی ہی مخالف کیوں نہ ہو، وہ حضور ﷺ کی عظمتوں کا منکر نہیں ہو سکتا کیونکہ آپؐ ہی کی تعلیم نے بے بصیرت تقلید کی جڑ کاٹی اور سوچ کو سچائی کی روشنی عطا کی۔ گنہگار سے گنہگار مسلمان بھی محمد ﷺ کا اسم گرامی سنتے ہی سراپا نیاز ہو جاتا ہے کیونکہ نہ ان کی شخصیت سے زیادہ کوئی شخصیت پاکیزہ ہے، نہ اُن کی بات سے زیادہ کوئی بات حق، نہ اُنؐ کے پیغام سے زیادہ کوئی پیغام واضح اور نہ اُن کے دین سے زیادہ کوئی راستہ منزل رساں، وہ زبانِ مبارک تو کھلتی ہی سچائیوں کے لیے تھی۔ حضور ﷺ کی شخصی عظمت، اسلام کی تکمیلی ہدایت اور قرآن کی ابدی صداقت کا اعتراف تو غیر مسلموں کو بھی ہے۔ جہاں تک اختلافات کا تعلق ہے مقصد تعمیر ہو تو وہ رحمت ہوا کرتے ہیں۔ انسانی ذہن لغزش کر سکتا ہے کہ یہ لازمۂ بشریت ہے۔ مگر دل کی دھڑکنوں میں خلوص ہو تو لغزشیں، بشری حسن بن کر قابل معافی ہو جایا کرتی ہیں۔ لب نیاز کی ان تحریروں کو دیکھیے جو ماہنامہ "صوفی" میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ جن کا تعلق ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۳ء تک ہے اور جن کا لفظ لفظ حضور ﷺ کی محبت اور اسلام کی وقعت سے لبریز ہے۔

"صوفی" پنجاب کے ایک دور افتادہ گاؤں سے نکلنے والا ایک ایسا دینی اور ادبی ماہنامہ تھا جس نے انیسویں صدی کے اولین عشرے سے اپنا صحافتی سفر شروع کیا اور خانقاہی نہاد رکھنے کے باوجود، کم و بیش نصف صدی تک، اپنے ادبی وجود کو یہاں تک منوایا کہ وقت کی اہم ادبی شخصیتیں اس میں لکھنا اور چھپنا، وجہِ افتخار سمجھتی رہیں۔ آج صوفی کے شمارے نایاب ہیں۔ احقر کی رسائی جن شماروں تک ہوئی ہے انہیں ایک نظر دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ "صوفی" کے حلقۂ تحریر میں وہ لوگ بھی تھے جو تب اپنی علمی حیثیت سے مؤقر سمجھے جاتے تھے اور اُن لوگوں کی ابتدائی نوعیت کی تحریریں بھی ہیں جو آج ہماری ادبی دنیا میں معتبر جانے جاتے ہیں۔ اقبالؔ سے لیکر اکبر الہ آبادیؔ تک، مولانا حسن نظامی سے لے کر مولانا ابوالکلام آزاد تک اور مولانا ظفر علی خاں سے لے کر احمد ندیم قاسمی تک کتنے ہی عہد ساز اور جدت نما وجود ہیں جن کی علمی وجاہت مسلم ہے۔ نیازؔ فتح پوری بھی ادباء کے اس نظام شمسی میں شامل تھے۔ انہوں نے "نگار" کے اجراء سے قبل "صوفی" کے لیے مسلسل لکھا۔ ان نایاب تحریروں سے اُن کے اُس اسلوب کا بھی واضح اندازہ ہوتا ہے جس نے بعد میں انہیں ایک صاحبِ طرز رومانی ادیب کے طور پر متعارف کرایا۔ ان تحریروں میں شعور کا حسن اور وجدان کا تاثر

واضح نظر آتا ہے اور کہیں کہیں تاثر پر تعقل اور جذبے پر منطق غالب نظر آتی ہے چونکہ ان کی شعری تحریروں میں حبِ رسول ﷺ کا ایک والہانہ، بے ساختہ اور بھرپور اظہار ہے اور نثری تحریروں میں تاریخی صداقتوں کے حوالے سے، سیرتِ رسول ﷺ کا ادیبانہ بیان ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اُن کے اِن قلمی نقوش کو محفوظ ہونا چاہیے۔ "صوفی" اور مدیر صوفی ملک محمد الدین اعوان سے نیاز کے تعلقِ خاطر کا پتا اس امر سے چلتا ہے کہ جب مدیر صوفی کے بیٹے ملک محمد اسلم خاں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے انگلستان روانہ ہوئے تو بھوپال ریلوے اسٹیشن پر نیاز اُن کا استقبال کرتے ہیں اور اُن کی خدمت میں درج ذیل استقبالیہ اور دعائیہ اشعار پیش کرتے ہیں۔ انہیں بھی نیاز و نگار کے تذکرہ نویسوں کے لیے محفوظ ہونا ضروری ہے۔ یہ بات ہے ۱۵ اگست ۱۹۲۱ء کی۔

تمہارا چھوٹنا ہم سے اگرچہ قہر ہے اسلم
مگر چپ ہیں کہ نصرت ہے سفر کے ساتھ ہی مدغم
گوارا ہیں یہ سارے صدمے ہم کو اس توقع پر
کہ ہم سے جلد مل جاؤ گے آخر ایک دن آکر
نہیں ہے ہمقریں ہمدم اگر کوئی تو ڈر کیا ہے
نہیں گر کوئی مونس تو نہ ہو خوف و خطر کیا ہے
توکّل ہے خدا کا بے نیاز رہبر و واعظ
مجھے تو بس یہی کہنا تھا، اچھا اب خدا حافظ
"بہ محفل شمع تاباں، در گلستاں رنگ و بو باشی
الٰہی ہر کجا باشی، بہار آبرو باشی"

"صوفی" کی کمیاب فائلوں میں نیاز کی یہ نایاب تحریریں "تبرکات" کی حیثیت رکھتی ہیں۔ میں نے دورانِ مطالعہ نیاز کی جن تحریروں کو محفوظ کیا ہے۔ ان میں پچاس علمی، تاریخی اور دینی مضامین اور آٹھ نظمیں شامل ہیں۔ ان سے باقیاتِ نیاز یا "تبرکاتِ نیاز" کے عنوان سے "نگار" کا ایک خاص نمبر مرتب ہو سکتا ہے۔ میرے پیشِ نظر ان کی وہی تحریریں ہیں۔ جن میں حبِ رسول ﷺ اور مدحتِ رسول ﷺ نمایاں ہے اور بالخصوص ان کا نعتیہ کلام، کہ جس کا محفوظ ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ دورِ حاضر کو نعت کا دور کہا جاتا ہے اور اہلِ دل توصیفِ رسالت مآب ﷺ کا لفظ

محفوظ کرنے کی دھن میں ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ آج سے کم و بیش پون صدی قبل اس عظیم نثر نگار کے نعتیہ انداز کے تیور کیا تھے اور اس لیے بھی کہ نیاز فتح پوری کی سوچ کے اس رخ کی طرف کسی مبصر اور ناقد نے اشارہ تک نہیں کیا اور احقر کو یقین ہے کہ روزِ حشر، میزان عدل میں یہ چند نعتیہ بول، گرانمایہ سمجھے جائیں گے اور اُن کا خلوص، رحمتِ حق کو آواز دے گا، کہ اس دربار رحمت میں مغفرت بہانہ جو رہتی ہے اور وہاں کمیت نہیں، کیفیت دیکھی جاتی ہے۔

فروری ۱۹۱۶ء کے رسالہ "صوفی" میں اُن کا ایک نعتیہ قصیدہ شائع ہوا جو ۵۳ فارسی اشعار پر مشتمل ہے۔ اُسے پڑھ کر قدیم فارسی قصیدہ نگار شعراء کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اس میں خیالات کا تموج، ادا کی لطافت لیے ہوئے ہے۔ الفاظ و تراکیب کا بانکپن، مفاہیم کی صداقتوں سے ہم آہنگ ہے اور قلم کی بے پناہ روانی، فکری حسن سے بہرہ ور ہے۔ گو لفظی شکوہ غالب ہے، مگر معنوی تاب و تب میں کہیں کمی محسوس نہیں ہوتی اسمیں وہ حرف حرف تاریخی صداقتیں رکھتے چلے جاتے ہیں۔ یہ الگ بات کہ دورِ حاضر جو عربی اور فارسی کے علمی ذوق سے نابلد ہے، اسے مشکل پسند لفظی پیچیدگیوں کا مظہر قرار دے، تب کے "مولانا نیاز محمد خاں نیاز فتح پوری" اس نعتیہ قصیدے میں بات اُس ساعت سے شروع کرتے ہیں جب خلافتِ ارضی کی ذمہ داریوں کے روبرو کائنات کی ہر رفیع و وسیع اور جسیم و وسیم چیز عاجز نظر آتی تھی۔ تب اِس عظیم بار کو انسان کے ناتواں وجود نے اٹھالیا تھا۔ پھر وہ اُس کیفیت کی طرف آتے ہیں جب آدمؑ ماو طین میں تھے مگر اُس وجودِ ذی جود علیہ السلام کے انوار نمایاں تھے جو وجہِ وجود کائنات تھا اور پھر یہ کہتے ہوئے کہ

احد بہ صورتِ آدم ادق معما بود
شد آں ز احمدِ بے میم حل بہ آسانی

وہ گریز کا یہ شعر لکھتے ہیں

محمدؐ عربی رازِ امر ربانی
امین و محرمِ ابرارِ روحِ انسانی

اس کے بعد حضور علیہ السلام کے نسلِ انسانی پر احسانات کا ذکر ہے، آپؐ کے حسنِ صورت کا تذکرہ بھی ہے اور حسنِ سیرت کا بیان بھی۔ گویا جمالِ نبوت بھی جلوہ گر ہے اور کمالِ نبوت بھی اور آخر میں صحابہ کرامؓ اور اولیائے عظام کی نسبتوں سے وہ ملتمس ہیں کہ اُن کے جسم و جان پر گزرنے والی سختیاں، آسانیوں میں بدل جائیں، ظلمتیں، نور کا لباس پہن لیں اور پریشانیاں، راحتوں کا پیش خیمہ

بن جائیں میرے نزدیک یہ ایک نعتیہ قصیدہ آج کے کئی دیوانوں پر بھاری ہے کہ تب نعت خال خال کہی جاتی تھی اور نعت کہنے کی دوڑ نہیں لگی تھی کہ ہر با تخلص اس میں شامل ہونے کی سعی کرتا ہو۔ تب نعت گوئی کے لیے عرؔفی کا دیا ہوا کڑا معیار بھی شعراء کے پیش نظر تھا کہ۔

عرؔفی مشتاب ایں رہ نعت ست نہ صحر است
آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ ست قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعتِ شہِ کونین و مدحِ کے دجم را

اور تب وہی شاعر نعت کہتا تھا جس کا دل نعت کہنے پر آمادہ ہوتا تھا یا دوسرے لفظوں میں جسے حضورِ ناز سے توصیف کی توفیق ارزانی ہوتی تھی۔ تب قرآنی انوار سے تہی، پیغمبرانہ ہدایتوں سے بیگانہ اور قلبی تعلق سے بے بہرہ قلم، غزل کو نعت بنانے کی سعی نہیں کیا کرتے تھے۔ تب بے دھڑک اور بے خطر نعت کہنے کا رواج نہ تھا بلکہ لفظوں کو پلکوں سے چننے کی کوشش میں ہمتیں ہار جایا کرتی تھیں۔ تب نعت کہتے ہوئے دل دھڑکتے اور لفظ لرزتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی ہم زبانی ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ تب حضور ﷺ کی شان سوچنے اور سوچ میں کھو جانے کا دستور تھا جب کہ اَب کچھ پانے کے لیے کچھ کھو جانے کا تصور باقی نہیں رہا بلکہ من میں ڈوبے بغیر سراغِ زندگی پانے کے دعوے کیے جا رہے ہیں اور کوئی قلم بھی اپنی بے کیفیوں اور لکنتوں پر غور کرنے کے لیے تیار نہیں اور نہ یہ سوچنے پر آمادہ ہے کہ کہیں نعت کا یہ بے سوز، ساز، ناراضیٔ محبوبؐ کا سبب تو نہیں بن رہا؟ آج کسی غالب کے قلم کی معجز بیانی "ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم" کہہ کر اپنی بے بضاعتی کا اظہار نہیں کر رہی بلکہ آج قدم قدم اور قلم قلم فخر و ادعاء کے سانچے میں ڈھلی ہوئی رونمائیوں کے شامیانے گڑے ہیں۔ کوئی سوچتا ہی نہیں کہ کم لکھنا اور کام کا لکھنا، قلم کار کا اعتبار بھی ہے اور افتخار بھی، کوئی غور ہی نہیں کرتا کہ۔

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم، فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

حق یہ ہے کہ نعت، حسنِ بیان کی رنگینی سے نہیں بلکہ سوزِ دروں کی آنچ سے لفظوں میں ڈھلتی ہے۔ اس کے لیے دردمند دل، ارجمند ذہن اور ہوش مند قلم کی ضرورت ہے۔

میرے نزدیک یہ نیاز کی نکتہ رسی، آگہی اور حق شناسی کی دلیل ہے کہ انہوں نے دینی رسوخ اور شعری شعور کے باوجود بہت کم نعتیں کہی ہیں۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ ہر گام پھسلنے والے قدم، تلوار کی دھار پر تادیر نہیں چل سکتے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں نعت کہنے کی حسرت بھی سب سے بڑی نعت بن جاتی ہے۔

چہ می کردیم یا رب گر نبودے نارسیدنہا

اَب نیاز کا یہ نعتیہ قصیدہ ملاحظہ کیجیے۔

قصیدہ در نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

گراں غمے ست بدوشِ ضعیفِ انسانی — سبک زبارِ نشاطِ دو کون ارزانی
چہ ارض و کوہ ز احمال او شدند ستوہ — سپہر ہم ز سبک مغزی و گراں جانی
مگر بہ ہم چو تحمل بزدرِ من رُوحی — قوی زروزِ ازل بود رُوحِ انسانی
اگر ز عرضِ امانت بکوہ و ارض و سماء — غرض نہ بود ظلوم و جہول پنہانی
قوی ضیعف توانا نحیف زار نزار — چہ تاب داشت کہ برداشتے بہ آسانی
بریں کہ ازچہ شکستند کوہ بر سر کاہ — بہ کوہ کوہ مرا بُود کاہش جانی
کہ ناگہاں متنبہ شدم ز عالم غیب — چہ نیست اشرفِ مخلوق نوعِ انسانی
خصوص افضل و اولادِ آدم و حوا — بہ فضل ثانیٔ اول ز آدمِ ثانی
مسیح یافت ز دارالشفائے اعجازش — دو نسخۂ مرض الموت و دردِ رُوحانی
ز جسم و رُوح جدا بُد بہ ماء وطیں آدم — زدد بہ کشورِ جاں تختِ چار ارکانی
نقود معجزہ از کاروانِ اعجازش — مسیح یافتِ حق خدمتِ حدی خوانی
نمک ز شورش شورِ ملیح گفتارش — بہ بادۂ جم خم نشین یونانی
احد بہ صورت آدم ادق معما بود — شد آں زا حمدِ بے میم حل بہ آسانی

مطلع ثانی

محمدِ عربی رازِ امر ربانی — امین و محرمِ اسرارِ رُوحِ انسانی

مطلع ثالث

به مهد کرد ترا مهد مهد جنبانی نسیم بادکشی مروحۂ مگس رانی
کنار امّ و ثوّیبہ، حلیمہ سعدیہ به این سہ پردہ غذائے تو بود روحانی
به دورِ حکمتِ تو در خمول خُم زدہ است شرابِ فلسفۂ خم نشینِ یونانی
به حکم العلماء تو خبر به قدرِ عشر نماندہ فرق به سلمانی و سلیمانی
دو نونِ کُن فیکون حلقۂ نبوتِ تست بود بدائرۂ خاتمے سلیمانی
گرفتہ دام به اظهار حق جنسیّت اثر ز خاکِ درت سرمۂ سلیمانی
زغم خلاص به اخلاصِ تست مخلص را اسیر شانیِ شانِ تو در پریشانی

قطعۂ سہ بیت

جزاینکہ هر کہ به دیر آید او درست آید به دیرِ تست دگر رازهائے پنهانی
برائے ختمِ رسالت ز انبیاء و رُسُل در انتخاب تو شد غور و خوض طولانی
چو دیر لازمۂ انتخاب کامل بود بدیر آمدی اے ذوالیمینِ یزدانی
کزاں وجودِ تو پیش از رُسل نہ شد موجود تو ثانیِ همہ باشی نبا شدت ثانی
به حفظِ نورِ تو از بطنِ مادرِ طوفاں دوبارہ زاد به فُلکِ خود آدم ثانی
به چرخ رشتۂ اعجاز گرد راز دہی به تنگ روزنِ سوزن مسیح گنجانی
چہ پیش حسنِ ملیح تو قدرِ حسن صبیح کہ بودہ مدتِ عمرے غلام و زندانی
ز گوهر تو گرفت آب جوهر اوّل چہ تابِ جوهر فعال و جوهر ثانی
بود زدامنِ دریائے جود و احسانت گهر فشانی دستِ سحاب نیسانی
عیاں ز صورتِ تعمیم احسن تقویم جمالِ معنی تخصیص تو به پنهانی
جهاں متاع مطیع از کتابِ طاعتِ تو بیک مطالعۂ فصلے ز بابِ دربانی
به کاوشے کہ عدو داشت از تو بعد از مرگ زگور رفت به قعرِ جحیم پنهانی
به مایہ داری شرعِ تو مفلسے نہ خرد متاعِ حکمتِ یوناں به فلسِ یونانی
بیاضِ روئے تو بیضا بیاضِ دستِ حکیم سوادِ موئے تو سودا سوادِ ثعبانی
سوادِ شامِ خطت در بیاضِ صبح هزار خط براَتِ اشاں به خطِ ریحانی
زبادِ تندِ خلافِ تو غرق کشتی کفر به چار موجۂ طوفانِ جوش طغیانی
نہ گفتنی ست چہ گویم کہ در صحابۂ تو گرفتہ روحِ اولی العزم قالبِ ثانی

اسیر زلفِ تو از بندِ دامِ غم آزاد ـ تحقیق سلسلۂ موئے تست زندانی
بہ مہربانیِ مہرِ تو سہل ہر دشوار ـ بہ قہرمانیِ قہرِ تو مشکل آسانی

قطعہ ۳ بیت

توئی کہ کامل در ہر کمال بے نقصاں ـ منم کہ کاملم اندر کمال نقصانی
شنیدہ ام کہ کند قدر کاملے کامل ـ ویا کمال دگر بخشد بہ آسانی

نہ گویمت کہ یکے کن ازیں دو کار بہ من
تو ہر دو کن کہ کمالِ تو ہست لاثانی

قطعہ ۱۱ بیت

برائے آلِ گرامی صحابِ عظامی ـ کہ بودہ اند ہمہ بر تو عاشقِ جانی
بہ جملہ ہاجرؓ و انصارؓ و اہلِ بدر و اُحدؓ ـ بہ اہلِ بیعت رضواں بحقِ رضوانی
بہ خاص عظمتِ شیخینؓ و قربتِ ختنینؓ ـ طفیلِ شبرؓ و شبیرؓ و ہر ہمہ ثانی
بہ دردِ عشقِ بلالؓ و بہ سوزِ سازِ اویسؓ ـ بہ خدمتِ انسؓ و قُربِ زیدؓ و سلمانی
بہ شیخ بصرہؒ و معروفؒ و بایزیدؒ و جنیدؒ ـ بہ نقشبند بخاریؒ و قطبِ جیلانی
بہ لنِ ادہم و سرّی و نوری و شبلی ـ بہ ہر دو بوالحسن شاذلی و خرقانی
بہ شیخ احمد فاروق و جانشینانش ـ بہ شمسِ دین حبیب الہ جانانی
پئے ائمہ و ہم جملہ اولیاء کبار ـ بریں گداز کرم یک نگاہِ سلطانی
بکن نجات طلب یا ممانم اے داور ـ چرا گذاشتہ در گرفتۂ شانی

بود عدوئے تو در عسر و دوست بہ یسار
عسار عسرت و تا ہست یسر آسانی

نومبر ۱۹۲۱ء کے صوفی (رسولؐ نمبر) میں نیازؔ کی دو نعتیہ نظمیں چھپی ہوئی ہیں۔ اس میں ان کے تین مضمون بھی ہیں، دو مضمون "مجلس میلاد اور درود شریف" تو بالخصوص رسولؐ نمبر کے حوالے سے ہیں۔ پہلی نعت کا عنوان ہے۔ ع

ہمیں کیا فکر جب ایسے شہنشہؐ کے گدا ٹھہرے

یہ نظم مسدس کی ہیئت میں ہے اور نو بندوں پر مشتمل ہے۔ ولادتِ نبویؐ سے قبل کی اندھیر نگری کا ذکر اور انسانی اضطراب کا بیان انتہائی دل گداز انداز میں کیا گیا ہے۔ ایک شعر دیکھیے۔

غرض ماتم کدہ پیدا تھا ہر جنبش سے مژگاں کی
حقیقی سوگواری کھل پڑی تھی طبع انساں کی

یونان، ہندوستان، روم اور مصر کی قدیم تہذیبی روایات کا ذکر کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عظمت و شوکت دشتِ حجاز کے لیے مخصوص کر رکھی تھی کہ وہیں سے آفتابِ نبوت طلوع ہوا اور اس کی روشنی، ہر تاریکی کو نورانی بنا جائے اور وہ تشبیہی انداز میں کہتے ہیں کہ اس آفتابِ عالم تاب کے طلوع ہوتے ہی، عصیاں کے داغ یوں محو ہو گئے جیسے دوپہر کو انسان کا سایہ سمٹ جاتا ہے۔ وہ اس نعت میں حضور ﷺ کو انوارِ یزدانی کا ایک درخشاں جلوہ قرار دیتے ہیں پھر وہ نبی کریم ﷺ کی ختم المرسلینی اور رحمۃ للعالمینی کو خوبصورت شاعرانہ انداز میں بیان کرتے ہوئے انھیں یوں "بے مثل بشر" قرار دیتے ہیں۔

محمدؐ سا اگر دنیا میں کوئی اور انساں ہے
تو میں کہہ دوں گا، ہمتائے خدا ہونا بھی آساں ہے
گر انساں ہم سر شانِ رحیمی ہو نہیں سکتا
تو کوئی رحمۃ للعالمیں بھی ہو نہیں سکتا

اور آخر میں وہ اس دلدار و دل نشین و دل آراء وجودِ اقدس کو طوفانِ زندگی کا واحد سہارا قرار دیتے ہیں جیسا کہ نظم کے عنوان سے ظاہر ہے۔ اب ایک نظریہ نعت بھی دیکھیے کہ اس میں تاریخی صداقتوں کا ذکر بھی ہے۔ حضور ﷺ کی شانِ رسالت کا تذکرہ بھی اور مصائب و آلام کے طوفانوں میں ان کی ناخدائی پر ناز بھی۔

ہمیں کیا فکر جب ایسے شہنشہؐ کے گدا ٹھہرے

زمین و آسماں کا ذرہ ذرہ وقفِ ظلمت تھا ۔۔۔ مذاقِ آفرینش روشناسِ چشمِ حیرت تھا
نمودِ کاوش بے جا تھی، فقدانِ مسرت تھا ۔۔۔ جہاں دل تھا وہیں ناواقفِ رمزِ صداقت تھا

غرض ماتم کدہ پیدا تھا ہر جنبش سے مژگاں کی
حقیقی سوگواری کھل پڑی تھی طبع انساں کی

زمانہ ہوگیا تھا جہل وعدواں کی حکومت کو مُرجّح کرلیا تھا عجز پر سب نے رعونت کو
بت ٹھکرا چکے تھے اہلِ عالم سب حقیقت کو سمجھنے لگ گئے تھے مدعا اپنا بغاوت کو

کہ فطرت دفعتاً چیں بر جبیں ہوکر نکل آئی
لیے آغوش میں سرمایۂ علم و عمل آئی

اُدھر یونان اِک ویرانۂ صد علم و صنعت تھا وہاں روما بھی نازشگاہِ صد جبروت و شوکت تھا
اِدھر ہندوستاں اِک مرکزِ فخرِ قدامت تھا اُدھر تھا مصر بھی جو نقطۂ دوار حکمت تھا

مگر یہ فخر تھا مقسوم میں دشت حجازی کے
ہوئے وقفِ عرب سب جلوے شان سرفرازی کے

مہ کامل نکل آیا غرض ظلمت ربا ہوکر چمک اٹھا شب تاریک میں بدرالدجیٰ ہوکر
صداقت دہر میں پھیلی نقوش جانفزا ہوکر محمدؐ جلوہ آرا ہوگیا شانِ خدا ہوکر

مٹا کچھ اس طرح سے تو اس کے داغ عصیاں کا
سمٹ جاتا ہے جیسے دوپہر کو سایہ انساں کا

جگہ تہذیب نے وحشت کی لی، عدواں کی ایماں نے صداقت نے مٹایا کذب دردِ دل کو درماں نے
کیا دشواریوں کو محو یکسر رنگ امکاں نے جھکادیں اپنی اپنی گردنیں قسیس و رہباں نے

کجی دل کی مٹی کچھ ایسی فیض طبع انور سے
نکل کر جیسے ہوجاتا ہے سیدھا تار جنتر سے

تحیر ہے زمانے کو کہ یہ افسوں تھا یا کیا تھا سواد کفر کو جس نے مٹا کر رکھ دیا کیا تھا
بپا کی جس نے تاریکی میں یہ بزم ضیاء کیا تھا وہ آخر کون تھا جنّ و ملک تھا، انس تھا کیا تھا

بظاہر یوں تو وہ اِک فرد ہی تھا نوعِ انساں کا
بباطن تھا مگر اِک تیز جلوہ نورِ یزداں کا

وہ صبر و حلم کی عادت، فداکاری کا وہ جذبہ جمال سحر آگیں اور وہ عزم فلک پیما
نہیں تھا اس کا مسلک صرف ابراہیمؑ کا شیوہ بہم تھے اس میں ایوبؑ و مسیحؑ و یوسفؑ و موسیٰؑ

نبی تھے اور اگر تارے تو یہ بدرِ درخشاں تھا
اگر وہ بدرِ روشن تھے تو یہ خورشیدِ تاباں تھا

نبوت ختم ہے اس پر یہ اپنا دین و ایماں ہے وہ ہے مثل آپ ہی اپنا یہ مرکوز دل و جاں ہے
محمدؐ سا اگر دنیا میں کوئی اور انساں ہے تو میں کہہ دوں گا ہٹائیے خدا ہونا بھی آساں ہے
گر انساں ہمسر شانِ رحیمی ہو نہیں سکتا
تو کوئی رحمۃ للعالمین بھی ہو نہیں سکتا

وہی ہے اپنا آقا اور وہی مالک ہمارا ہے اُسی کا دین و دنیا میں فقط ہم کو سہارا ہے
وجود اس کا فراغِ ہر دو عالم کا اشارا ہے اگر طوفان ہے دنیا تو وہ اس کا کنارا ہے
ہمیں سیلاب کا کیا ڈر ہو جب وہ ناخدا ٹھہرے
ہمیں کیا فکر جب ایسے شہنشہؐ کے گدا ٹھہرے

دوسری نعت چار بندوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند میں چار شعروں کے بعد ٹیپ کا یہ شعر ہے۔

زِ مجبوری بر آمد جانِ عالم
ترحمؐ یا نبی اللہ ترحمؐ

نعت اردو میں ہے
پہلے بند میں فراق و ہجر میں تڑپتے ہوئے دل کا تذکرہ ہے کہ دل میں درد فراواں ہے۔ زخم جاں کو مرہم نہیں مل رہا اور آنسو پلکوں کی سلاخوں پر سلگ رہے ہیں۔ دوسرے بند میں مدینے میں حاضری کی تمنا ہے کہ وہیں سکون و راحت کے خزینے ہیں وہی ایک دیوار ہے جس سے ہر دکھتی ہوئی پیٹھ ٹیک لگا سکتی ہے اور وہی ایک سایۂ دیوار ہے جس کے نیچے ہر آبلہ پا سُستا سکتا ہے۔ تیسرے بند میں پھر درد مجبوری کی داستان ہے اور آخری بند میں پھر آرزو کی گئی ہے کہ دیارِ ناز میں حاضری نصیب ہو کہ آپؐ ہی کی نگہ کرم سے دل گرفتہ کلیاں کھل اٹھتی ہیں اور خزاں دیدہ چمن میں بہار مسکرانے لگتی ہے۔ غرض یہ نعت جدائی کے سوز میں ڈوبی ہوئی حاضری کی تمنا کا ایک غنائی اظہار ہے۔

زِ مجبوری بر آمد جانِ عالم

تھا دل میں درد کل تک یونہی کم کم مگر اُٹھنے لگا ہے آج پیہم
مداوا ہوگا کس سے اس تپش کا میں کس سے چاہوں زخمِ جان کا مرہم
کہاں تک روکوں آخر اشکِ مضطر چھپاؤں کس کس سے چشمِ پُرنم

حریف زہر غم کب تک رہوں گا نہیں مجھ میں رہا ہے اب ذرا دم
ز مہجوری برآمد جانِ عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم

تجھے منہ اپنا دکھلانا پڑے گا مدینے مجھ کو بلوانا پڑے گا
تجھے اک دن مرا چاکِ گریباں بلاکر پاس سلوانا پڑے گا
اگر جاں بر ہوا مایوسیوں سے تو اک دن تجھ کو سمجھانا پڑے گا
مجھے کیا تاقیامت تھام کر دل یونہی خاموش رہ جانا پڑے گا
ز مہجوری برآمد جانِ عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم

کہاں تک ہجر کے صدمے سہوں گا کہاں تک صبر سے میں کام لوں گا
تو ہی انصاف کر اے فخرِ عالم کہ تجھ سے چھٹ کے میں کیوں کر جیوں گا
ترے دیدار کو تڑپوں گا تا کے تری فرقت میں کب تک جان دوں گا
خدارا کچھ تو بتلادے کہ کب تک یہاں کی خاک میں چھانا کروں گا
ز مہجوری برآمد جانِ عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم

مرا ایمان ہے تیری گرایش مرا اسلام ہے تیری ضیایش
یہیں سے تجھ کو دردِ دل سُناتا نہیں شیوہ مرا لیکن نمایش
وہ عقدہ دل کا ہو یا دردِ جاں کا ہے تجھ پر منحصر اُن کے کشایش
مری تو آرزو اب صرف یہ ہے وہیں آکر کروں تیری ستایش
ز مہجوری برآمد جانِ عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم

فروری ۱۹۲۲ء کے شمارے میں ۲۱ بندوں پر مشتمل مسدس کی ہیئت میں ایک نظم ہے جس کا عنوان ہے۔

باش مرغابی کہ اکنوں کا رہا طوفاں فتاد

اس نظم میں حالی کے مسدس کا اثر بھی ہے مگر اقبال کا انداز اور اس کی رجائیت غالب ہے۔ لسنتِ مسلمہ

کے حالِ زار کا ایک دل گداز بیان ہے کہ وہی اسلام جس نے ایک عالم کو درسِ زندگی دیا، جس نے عرب کے ساربان زادوں کو قیامت تک کے لیے منزل نشان بنادیا۔ جس نے ظلمت کو نور، انجماد کو اضطراب، تخریب کو تعمیر اور خزاں کو بہار میں بدل دیا تھا۔ آج وہی اسلام "غریب الغرباء" ہے۔ اس لیے کہ مسلمان عملاً اسلام سے بیگانہ ہوگئے ہیں۔ ان کے دلوں میں نہ اسلام کی عظمت ہے اور نہ بانیٔ اسلام ﷺ کی محبت، نتیجہ معلوم کہ سینے ایمان سے تہی ہیں اور یہی باعث ہے ہمارے زوال کا کہ ہم دل تو رکھتے ہیں مگر دل میں محبوب نہیں رکھتے۔ اس نظم کے دو بند دیکھیے کہ وہ کس طرح اس حالِ زار کی ترجمانی کرتے ہیں ۔

ہم نفس، اب تجھ سے میں افسانۂ دل کیا کہوں داستانِ برہمیٔ رنگِ محفل کیا کہوں
حالِ قیس نارسا کے اوجِ محمل کیا کہوں قصۂ اندوہِ یک گم کردہ منزل کیا کہوں
ہاں زباں تک آ نہیں سکتا ہے اب دل کا پیام
ساز مجروحِ نوا ہے، لب ہے مجروحِ پیام
سیکڑوں شکوے ہیں لیکن لب پہ لا سکتا نہیں ہیں ہزاروں قصۂ غم، پر سنا سکتا نہیں
زخم ہیں لاکھوں مگر تجھ کو دکھا سکتا نہیں دل کا سیلِ اشک آنکھوں سے بہا سکتا نہیں
ہے ہجومِ صد ہزاراں آرزو اور دل ضعیف
جوششِ صد بحر طوفاں اور مرا ساحل ضعیف

اِس زبوں حالی کا ذکر کرتے کرتے اُن کے دل میں قرونِ اولیٰ کے اُن مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جو ایمان کی دولت دلوں میں لے کر، بظاہر مادّی بے سروسامانی کے عالم میں عرب کے ریگستان سے نکلے تھے اور نتیجہ یہ تھا کہ وقت کے جہاں پناہوں کی گردنیں ان کے حضور میں فرطِ ادب سے جھک گئی تھیں۔ اس مقام پر تین بند نعتیہ انداز میں ان کے قلم سے بے ساختہ نکل گئے ہیں۔ دیکھیے ۔

لفظ مسلم کا کبھی مفہوم تھا یکسر عمل قوتِ عزم و ارادہ اِس کی تھی ضرب المثل
نعرۂ حق اِک فعل تھا مستغنیٔ بانگِ دہل جب ہوئے اسلام میں تحلیل یوں صدہا ملل
بات یہ تھی جس کو عالم دیکھ کر حیران تھا
ورنہ یوں تو ابن عبداللہؐ بھی اک انسان تھا
کیوں عرب کی وادیاں لبریز جلوہ ہوگئیں چوٹیاں فاران کی کیوں رشکِ سینا ہوگئیں
وہ عرب کی وحشتیں، ویرانیاں کیا ہوگئیں اس کی صحرا خیزیاں کیونکر چمن زا ہوگئیں

قوت مافوق کا یہ کوئی جلوہ تو نہ تھا
ایک انساں تھا محمدؐ بھی فرشتہ تو نہ تھا

وہ یتیم بے نوا تعلیم سے بیگانہ تھا صاحب جاہ سلیمان و ید بیضا نہ تھا
اُس کی آوازِ حزیں داؤدؑ کا نغمہ نہ تھا کچھ زباں میں اس کے افسون دم عیسیٰ نہ تھا
ہاتھ میں اس کے فقط اک نسخۂ قرآن تھا
دل میں لیکن حوصلہ تھا، عزم تھا، ایمان تھا

اِسی شمارے میں نیاز کی ایک اور طویل نعت شائع ہوئی ہے۔ یہ نعت پانچ بندوں پر مشتمل ہے جبکہ ہر بند دس مصرعوں کا ہے۔ ٹیپ کا شعر ہے۔

چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی، ہاشمی و مطلبی

اس نعت میں نیاز کا وہ مخصوص شاعرانہ لب ولہجہ نمایاں ہے جو بعد میں اُن کی نثر کی جمالیاتی تاب وتب کا باعث بنا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اردو کے بیشتر صاحب طرز نثر نگاروں کی ابتدا بطور رومانی شاعروں کے ہوئی ہے۔ بعد میں انہوں نے شاعری ترک کر دی مگر تغزل کا بانکپن اور ایمائی تاثر، اُن کی نثر کو آخر تک فروغ حسن عطا کرتا رہا۔ نیاز کی یہ نعت مترنم الفاظ، جذباتی شدّت اور نزاکت احساس کی آئینہ دار ہے اور یہی نیاز کی شاعری کی اساسی خصوصیات ہیں اور جس کا اعتراف اُن ناقدین کو بھی رہا جو نظریاتی طور پر نیاز سے کبھی متفق نہیں رہے۔ مولانا عبد الماجد دریابادی کہ وہ نیاز کی اسلامی تعبیرات کے مخالف بھی تھے اور فکر و عمل کے اعتبار سے اُن سے مختلف بھی۔ وہ بھی نیاز کی شعری صلاحیت اور ادبی انفرادیت کے قائل ہیں۔ نیاز کے بارے میں یہ انہی کے الفاظ ہیں۔

"کہ نیاز صاحب سخن سنج اچھے ہیں، شعر کی پرکھ خوب رکھتے ہیں اور صاحب طرز ادیب ہیں" (۸)

نیاز اس نعت میں نبی کریم ﷺ کو شہ شاہ و گدا، چارہ سازِ مرضاء، خدیو دوسرا، دستگیر ضعفاء، انیس غرباء اور جلیس فقراء قرار دیتے ہوئے اپنے قلب و نظر کی سیاہیاں، روز و شب کی ویرانیاں اور گرد و پیش کی خرابیاں اُن کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے اُن کی ایک نگہ کرم کے تمنائی ہیں کہ اُسی نگہ لطف سے یاس کے سائے چھٹ سکتے اور امید کے غنچے مسکرا سکتے ہیں۔ اقبال نے کہا تھا۔

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی، مرا ایماں ہے زناری

اور نیازؔ کہتے ہیں۔

اے کہ داری ہمنِ خوار ز آغاز نظر
عاقبت کار بگیر از نظرم باز نظر

دورِ حاضر کی اکثریت فارسی اور عربی سے نا آشنا ہے۔ اس نا آشنائی کا نتیجہ ہے کہ اردو سے اس کا حسن اور کیف چھن گیا ہے۔ آج نہ کوئی ایسا جملہ نظر آتا ہے جس پر مصرعے کا گمان گزرے اور جسے پڑھ کر درد چمک اٹھے اور جسے سن کر روح مہک اٹھے۔ نسلِ نو، اردو میں سہل نویسی کا پرچار اس لیے نہیں کر رہی کہ یہ دورِ حاضر کی کوئی لسانی اور سیاسی ضرورت ہے بلکہ وہ اس پر اس لیے زور دے رہی ہے کہ وہ خود ایسی اردو لکھنے سے قاصر ہے جو فارسی کی ثروت اور عربی کی عظمت سے مستنیر ہو۔ حق یہ ہے کہ آج اردو اُن دو زبانوں سے کٹ چکی ہے۔ جن کی آغوشِ عاطفت میں اس نے پرورش پائی تھی۔ نیازؔ کی یہ نعت اس توقع پر درج نہیں کر رہا کہ اسے پڑھ کر نسلِ نو جھومے گی بلکہ محض اس لیے نقل کر رہا ہوں کہ اس ادبی ورثے اور اس فکری سرمائے کو محفوظ ہونا چاہیے اور اس لیے بھی کہ نسلِ نو کو یہ احساس ہو کہ اس کے اسلاف شوکتِ زباں اور ندرتِ افکار کے اعتبار سے کس قدر سرمایہ دار تھے اور وہ کس قدر مفلس ہے اور اس لیے بھی کہ یہ حقیقت واضح رہے کہ اردو کا لسانی جمال اور فکری کمال عربی اور فارسی ہی کا رہینِ منت ہے۔

چشمِ رحمت بکشا سوئے من اندازِ نظر

جائے شکرانہ انعامِ خدائے داور بنود ہیچ گناھے کہ نہ از من زدہ سر
فرصتم داد بسے رازقِ و ستار مگر آخر الحمد توالی خطایم ز نظر
چو درت نیست کنوں مامن و ملجائے دگر حالتِ یاس منِ ناکس و بے کس بنگر
من نخواہم ز تو گنج و گہر و نقرہ و زر ہاں ولے قدرِ ضرورت کہ بود زادِ سفر
چشم رحمت بکشا سوئے من اندازِ نظر
اے قریشی لقبی، ہاشمی و مطلّبی

کارِ ما ساخت بہ شے غلط اندازِ نظر ترکِ چشمت چہ کند باز بہ ممتازِ نظر
نظرت یافتہ از خالق اعجازِ نظر مردگانیم ز الطاف یکے باز نظر
چشمتِ اُمید جہاں، کارِ جہاں سازِ نظر کہ نگیری گہے ازکار کسے باز نظر
اے کہ داری ہمنِ خوار۔ ز آغاز نظر عاقبت۔ کاربگیر از نظرم باز نظر

چشمِ رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی، ہاشمی و مطلبی

نفس و ابلیس دو تا راہزنِ اندازِ نظر کرد شیطاں بدلِ من وطن اندازِ نظر
ہر دو یکدل شدہ بر قصۂ من اندازِ نظر جائے یزداں بگرفت اہرمن اندازِ نظر
بدلم یا برباطِ کہن اندازِ نظر خانۂ حق شدہ بیت الوثن اندازِ نظر
برکشید از تنِ ایماں بفن اندازِ نظر برصنم خانہ ام اے بت شکن اندازِ نظر
چشمِ رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی، ہاشمی و مطلبی

بردل سرکش دہد خوئے من اندازِ نظر کہ بدر رفتہ ز قابوئے من اندازِ نظر
برہِ غیر و تگا پوئے من اندازِ نظر کن تو صیدم نہ برآ ہوئے من اندازِ نظر
نہ مرا بین و نہ بر روئے من اندازِ نظر بنگر وردو بدا روئے من اندازِ نظر
طرف عجز کسے وکوئے من اندازِ نظر سوئے شاں گیر نہ بر سوئے من اندازِ نظر
چشمِ رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی، ہاشمی و مطلبی

اے شہِ شاہ و گدا سوئے من اندازِ نظر چارہ سازِ مرضا سوئے من اندازِ نظر
اے خدیو دوسرا سوئے من اندازِ نظر دستگیر ضعفا سوئے من اندازِ نظر
اے انیسِ غربا سوئے من اندازِ نظر یک نظر بہر خدا سوئے من اندازِ نظر
وے جلیسِ فقرا سوئے من اندازِ نظر صدقۂ آلِ عبا سوئے من اندازِ نظر
چشمِ رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی، ہاشمی و مطلبی

نیاز کی آخری نعت، حضرت قدسیؒ کی معروف نعت پر تضمین کی ہیئت میں ہے۔ اس نعت میں گیارہ بند ہیں اور ہر بند میں چار شعروں کے بعد قدسیؒ کا ایک شعر بڑھادیا گیا ہے۔ تضمین نہ کوئی صنفِ سخن ہے اور نہ کوئی شعری ہیئت، بلکہ یہ تتبع اور تقلید کی ایک شاعرانہ شکل ہے اور اس میں دوسروں کے مصرعوں اور شعروں پر ایک نوع سے گرہ لگانے کا فنکارانہ اظہار کیا جاتا ہے۔ شاعر تضمین کے لیے اسی شاعر اور اسی شعر کو چنتا ہے جس سے اُسے قلبی لگاؤ ہوتا ہے۔ یہی تعلق اُسے کسی کے کہے ہوئے انداز کو اپنانے اور دہرانے پر مجبور کرتا ہے۔ تضمین بسا اوقات منتخب اشعار کی وضاحت ہوتی ہے اور کبھی کبھی اس سے نئے مفاہیم بھی

ابھارے جاتے ہیں۔ جناب پروفیسر منیر الحق کعبی کے الفاظ میں

"تضمین کی ایک متداول صورت یہ ہے کہ کسی شاعر کا ایک شعر یا ایک مصرع لے کر اس پر پوری نظم کہہ دی جاتی ہے۔ اس قسم کی تضمین میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ تضمین کیا ہوا شعر یا مصرع اپنے وہی معنی دے جو دراصل اس سے مطلوب تھے، بدلے ہوئے سباق میں اس کی معنویت مختلف بھی ہو سکتی ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ مختلف ہو کہ تضمین کا یہ برتر جواز ہے کہ تضمین کرنے والے شاعر نے کسی پرانے شعر یا مصرع کا ایک نیا اطلاق دریافت کیا ہے۔" (۹)

ان خیالات کی روشنی میں نیازؔ فتح پوری کی اس تضمین پر ایک نظر ڈالیں کہ یہ تضمین، حضرت قدسیؒ کے اشعار کی ایک تاریخی اور جذباتی توضیح ہے اور اس تشریح کے ساتھ ساتھ قاری کی سوچ کو نئی وسعت، خیال کو نئے افق اور انداز کو نئے رخ بھی ملتے ہیں۔ اب ایک نظر اس نعت کو دیکھیے۔

تضمین کلام قدسیؒ

از رسولانِ اولوالعزم چہ برنا چہ صبی افضلی، اکملی و منتجبی، منتخبی
روزِ میلادِ تو در عالم روز ست نبی شبِ معراج تو پیغمبرِ اقلیم شبی
کردہ حاضر بہ جناب تو براق طلبی گفت جبریل فدایت من و امّی و ابی
زود برخیز و ہمن عفو کن ایں بے ادبی چشم بر راہِ قد و مت چہ ملایک چہ نبی

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

روئے بے مثل ترا لالہ و گل چوں خوانم یک ازاں داغی و مجروح دگر نادانم
شمع گوید کہ من از غیرتِ او گریانم گفت آئینہ من از چہرہ شدن حیرانم
از مثال قمر و شمس بخود لرزانم کاں بود در کلف و ایں ہمہ تف می دانم
ذکر داغ مہِ کنعاں نہ بود ایمانم صورتت ساختہ بر صورتِ خود یزدانم

من بیدل بہ جمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال ست بدیں بوالعجبی

اے بدیواں قدر صدر نشینِ اعلےٰ ثبتِ توقیع رضایت بر فرمان قضا
نہ فقط کوثر و تسنیم ترا کرد عطا تا فترضےٰ ست بتو وعدۂ اعطا زخدا

مظہرِ شانِ خدائی بخدا صل علے
نورِ اول توئی اے صاحبِ لولاک لما
بوالبشر، نوح، براہیم، شعیب و موسیٰ
پیش بازانِ تو بودند ہمہ تا عیسیٰ
نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را
زانکہ از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

انتسابے بہ کلابت چو بود در سجلم
نیست غم گر بجنہ از ہمہ تن مشتعلم
بندۂ دل منم و بندۂ نفس ست دلم
نفسِ من بندۂ شیطاں کہ براہش مجلم
نہ گہے شرم مرا بودہ، نہ ایندم خجلم
کذب و کیدست کہ گویم زگنہ مُنفعلم
در چہِ تیرۂ گستاخی و شوخی مبلم
کہ بنا گاہ فتادہ بہ آں پا بگلم
نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس مُنفعلم
زانکہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شد بے ادبی

نقص و تحریف چو شد داخلِ توراتِ و زبور
یافت انجیل بہ پے صحتِ شاں عزِ صدور
اندر آں بود بسریانی و عبری مسطور
نام و اُصاف تو با چار معظم دستور
پسِ تصلیبِ مسیح اتش از زور و غرور
کردہ گم اصل و غلط ترجمہ ہارا مشہور
آں ز بانمانہ پسندید دگر ربِّ غیور
بعثتِ ختمِ رُسل ہم نہ ازاں قومِ کفور
ذاتِ پاکِ تو کہ در ملکِ عرب کردہ ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبانِ عربی

کارِ غسلِ تو چو از کیسہ و دلاک گذشت
صاف ز آلایشِ تن روح و تنِ پاک گذشت
مرکبت از حرم و ایلیا درّاک گذشت
شد بر افلاک و ازیں دایرۂ خاک گذشت
ازحدِ خود چو براقِ تو عرفناک گذشت
تابرا پردۂ جاں رفرف چالاک گذشت
ماعرفناک کجا ہم ز عرفناک گذشت
مرکزِ سیرِ تو از حیطۂ ادراک گذشت
شبِ معراج، عروجِ تو ز افلاک گذشت
بمقامیکہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

باغبانِ چمنِ دہر بہ تزئینِ تمام
بہر گلگشتِ تو آراستہ بستانِ انام
یاسمن رُوئے سحر، سنبل طرۂ شام
صوتِ خندیدنِ گل نغمۂ بلبل گلِ بام
گلِ میزاں، گلِ خورشید، گلِ ماہِ تمام
چوں نبودہ بہ گلے نکہت و رنگے ز دوام
کردہ گل خاص پئے سیر تو باغِ اسلام
در جہاں تا بہ قیام و بجہاں بعد قیام

نخلِ بستانِ مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

گر نبودے بہ تمنا مزۂ قند و نبات متمنی مُرا تلخ شدے شہدِ حیات
شامِ زندانیٔ مادامِ حیاتِ درکات بھیائے مہِ مہرت سحرِ روزِ نجات
اے بدستت نعم و نہر کرم تشریفات امت گرسنہ و تشنہ و عریاں ہیہات
الغیاث المدد اے منبعِ فیض و برکات صدقۂ خونِ شہیدانِ لب نہر فرات
ما ہمہ تشنہ لبا نیم توئی آبِ حیات
رحم فرما کہ ز حدمی گذرد تشنہ لبی

صورتم مظہر حال ست زمن حال مپرس بہر حسنین بر دیم نگر احوال مپرس
کاہلم، جاہلم از حالتِ اغفال مپرس شغل من نفس پرستی ست ز اشغال مپرس
ترسِ عصیاں زمنِ عاصی و بطال مپرس نیست ہولے ز گناہم دگر اہوال مپرس
راستی حسنِ عمل، خوبیٔ افعال مپرس از شرف ہیچ ازیں ارذلِ ارذال مپرس
عاصیا نیم ز ما نیکیٔ اعمال مپرس
سوئے ما روئے شفاعت بکن از بے سببی

تا نہادی بسر اہل جہاں پا افراز سرکشاں جملہ فتادند بہ پستی ز فراز
آنکہ برپائے تو فرسود سرِ عجز و نیاز یافت از دستِ غلامانِ تو تاجِ اعزاز
بین قطبین جن و انس چہ کوتہ چہ دراز شرق تا غرب براہ حرمت در تگ و تاز
ایشیا، یوروپ و افریقہ و چین و شیراز برہمہ دستِ شرف یافت زدستِ تو حجاز
بر درِ فیضِ تو استادہ بصد عجز و نیاز
رومی و طوسی و ہندی، یمنی و حلبی

اے شہِ بندہ و آزاد و جواں شیخ و صبی سابقی، عاقبی وزہر دو جہاں منتخبی
اطلحی، یثربی و ہاشمی و مطلبی ہم چو اعلےٰ بہ نسب از ہمہ والا حسبی
گیر آداب زما بے خرداں بے ادبی کہ بود بہر عطائے تو سبب بے سببی
اے حکیم الحکماء عجمی و عربی ہم مریضِ تو چو قدسی ست امیر نعبی
سیدی انت حبیبی و طبیبِ قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پے درماں طلبی

قدسیؒ کی اس معروف نعت پر ان گنت تضمینیں لکھی گئی ہیں اور تسلسل کے ساتھ لکھی جارہی ہیں۔ اس کا باعث یہ بھی ہے کہ یہ فارسی زبان میں ہونے کے باوجود ہر دور کے لیے عام فہم رہی ہے۔ یہ بھی کہ اس میں دل کی کیفیات کا ایک بے ساختہ اظہار ہے۔ اس کی مقبولیت کا باعث فکر کا وہ خلوص ہے جو یوں لگتا ہے کہ تائید ایزدی سے خود بخود شعر کے پیکر میں ڈھل گیا ہے۔ آمد کی ایسی کیفیت کبھی کبھی اور کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب کوئی شعری آویزہ یا ادبی شاہ پارہ یوں مقبول ہو جائے کہ ہر قلم اُس کی لَے میں لَے ملانے کے لیے بے چین ہو تو یہ ثبوت ہوتا ہے اس امر کا کہ قلم کا وہ نذرانہ، بارگاہِ ناز میں بھی قبولیت کا شرف پا چکا ہے کہ جسے محبوب، محبت سے نہ دیکھے اُسے عزت نہیں ملا کرتی بلکہ وہ در بدر بے آبرو ہو جایا کرتا ہے اور جسے محبوب نگہ ناز سے نواز دے وہ اپنی خوبی قسمت پر جس قدر بھی نازاں ہو کم ہے۔ قدسیؒ کی اس نعت پر پہلے لوگ فارسی میں تضمینیں لکھتے تھے اب اردو میں بھی اس کے اشعار پر خوبصورت گرہیں لگ رہی ہیں۔ جناب راجا رشید محمود نے "ماہنامہ نعت" کا ایک شمارہ قدسیؒ کی اسی نعت کی نذر کر رکھا ہے۔ اس میں انہوں نے سو کے لگ بھگ تضمینوں کو محفوظ کیا ہے۔ نیازؔ کی یہ تضمین اس میں شامل نہیں ہے۔ یوں یہ نعت نایاب بھی ہے اور نادر بھی۔

اب ماہنامہ "صوفی" کے مختلف شماروں میں نیازؔ فتح پوری کے بکھرے ہوئے نایاب مضامین میں سے چند ایسے اقتباس دیکھیے جو نثری نعت کی حیثیت رکھتے ہیں اور نیازؔ کے اُس تعلقِ خاطر کو ظاہر کرتے ہیں جو اُسے اُس عظیم الشان انسان ﷺ سے تھا جن سے زیادہ کسی کی تعریف نہیں کی گئی اور جن سے زیادہ کسی نے اپنے خالق کی تعریف نہیں کی اور جس شخصیت کی ہر ادا صدہا صداقتوں کی امین، جس کی بارگاہ بے خزاں بہاروں کی جلوہ گاہ اور جس کے نقوشِ پا کی چاندنی، ہر دور کی سرگرداں عقل کے لیے منزل نشاں رہی ہے۔

"تقویم اسلام میں یہ (ربیع الاول) وہ مقدس مہینہ ہے جو ایک حیثیت سے نہیں، ایک نوعیت سے نہیں بلکہ دو حیثیتوں اور دو نوعیتوں سے سال کے تمام مہینوں میں ممتاز اور سرافراز مانا جاتا ہے۔ یہی وہ ماہِ مسرت افروز ہے جس میں تمام نبیوں کے سردار، دونوں جہانوں کی سرکار جناب احمد مختار ﷺ رونق پذیر عالم ہوئے اور اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس ظلمت کو لے کر منور فرمایا۔

جہاں تاریک تھا، ظلمت کدہ تھا، سخت کالا تھا
کوئی پردہ سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

یہی وہ مہینہ ہے جس میں حضرت رسالت مآب (روحی فداہ) نے دنیائے ظاہر سے حجاب فرمایا اور اپنے مشتاقانِ دیدار کو غم اندوز فرمایا۔ ان دونوں حالتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس ماہ مبارک کی تقدیس و

تعظیم سے کوئی منصف ہستی ایسی نہیں جو انکار کر سکے۔ حضورؐ پُر نور کی وفات حسرت آیات کی سیاہ رنگی اور تاریکیٔ آفرینی ہر قسم کی مسرتوں پر مایوسی و مغموی کا پردہ ڈالتی ہے لیکن حضورؐ کے میلاد کی عید، صبحِ بہار بن کر اُس تمام کو دور کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے جو غم و ہم کی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں پر طاری و ساری ہوتی ہے۔"

"عید میلاد کی مسرت اب سے چند سال پہلے ہندوستان کی ادبی دنیا میں اس قدر عام نہ تھی، بعض مقامات پر محفلِ میلاد کا انعقاد اس یادگار کو تازہ کر دیا کرتا تھا اور بس۔ لیکن اردو صحافت اور ادب العالیہ کا یہ بھی ایک زندہ معجزہ ہے کہ آج دنیائے ادب میں کوئی صحیفہ شاید ہی ایسا نامبارک ہو گا جسے عید میلاد کی مسرتوں میں حصہ گیر ہونا قسمت نہ ہوا ہو۔"

"ظاہر ہے کہ جب کسی مدعی دین کے دعوے کو بغیر کسی تحقیق و تنقید کے تسلیم نہیں کیا گیا اور کوئی مذہبی صداقت ردّ و کد سے نہیں بچی تو مذہب اسلام اور بانیٔ اسلامؐ کے اخلاق پر کیا کیا نکتہ چین نگاہیں نہ پڑی ہوں گی اور کس کس طرح اس کی جانچ نہ کی گئی ہو گی۔ چونکہ مذہب اسلام تمام ادیانِ سابقہ کا ناسخ تھا چونکہ مذہب اسلام کا دعویٰ تمام مذاہب سے زیادہ بلند و ارفع تھا اس لیے اس پر بہت زیادہ غور و تحقیق دنیا نے کیا اور بے انتہا کاوش اس میں نقائص پیدا کرنے کی گئی لیکن اس کو اعجازِ صداقت کہتے ہیں کہ اسلام کی جس قدر زیادہ جانچ کی گئی وہ اتنا ہی زیادہ صاف و بے لوث ہوتا گیا۔ گویا وہ ایک سونے کا ڈلا تھا کہ ہر آنچ کے ساتھ اس کی چمک اور زیادہ ہوتی گئی"

"دنیا میں خواہ کتنی ہی کوشش صداقت کو مٹانے کے لیے کیوں نہ کی جائے لیکن پایانِ کار سچائی غالب آجاتی ہے اور منکرین و معاندین بھی ایک وقت اس کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یورپ والوں نے جو کچھ تحقیق کیا ہے وہ مخالفانہ حیثیت سے کیا ہے۔ اسی لیے مذہبِ اسلام کی صداقت کی دلیل اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک دشمن بھی حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے۔ مغرب کے بڑے بڑے متعصب مؤرخین مثلاً میور، کارلائل بھی مجبور ہو گئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص قوت نے ان کے قلم کو مجبور کر دیا ہے اور وہ صداقت کے اظہار سے منحرف نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ جو ایک مذہب کو دوسروں کی نگاہ سے دیکھنا پسند کرتے ہیں اس پر غور کریں اور انصاف کریں کہ کیا مذہبِ اسلام کی صداقت اب بھی معرض بحث میں آسکتی ہے اور کیا اب بھی نبوتِ محمد ﷺ کے متعلق شک و شبہ ہو سکتا

ہے۔لا فلا واللہ" (۱۰)

"ذکرِ میلاد کا حقیقی مقصود یہ ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے واقف ہو کر خود بھی اس کی پیروی کرنے کی کوشش کریں اور اس کے لیے ضرورت ہے کہ آپ کا اسوۂ حسنہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ آپ کا اخلاق عام، آپ کا صبر و تحمل، آپ کا عزم و استقلال، آپ کا لطف و کرم، آپ کی سادہ معاشرت و معیشت، آپ کا تمدن لوگوں کو سمجھایا جائے جو ترقی کا حقیقی راز ہے اور اس کے لیے ضرورت ہے صحیح روایات کی"(۱۱)

"درود کا حقیقی مقصود رسول اللہ ﷺ کو یاد رکھنا اور اُن کی یاد کے ساتھ ہی ان کے اخلاق و عادات، اُن کے اطوار و خصائل کو پیش نظر رکھنا ہے۔ مشہور ہے کہ جس سے زیادہ محبت ہوتی ہے اس کا ذکر اکثر کیا جاتا ہے۔ اس لیے درود کا اکثر پڑھنا گویا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے خلوص و محبت کا اظہار کرنا ہے۔"(۱۲)

"ہر چند کائنات میں جن جن مذاہب کی اشاعت ہوئی ہے وہ سب ایک ایک ہادی و رہبر اور مقتدر اور رہنما کے زیرِ اثر ہوئی ہے اور ہر مذہب کے احکام و فرمان اور اوامر و نواہی اُسی نبی کے ذریعہ سے امت تک پہنچائے گئے ہیں لیکن جس طرح اسلام کی شان سب سے برتر و بالا تھی اسی طرح خداوندِ کریم نے اس کی تبلیغ و اشاعت کے لیے جو نبیؐ مبعوث فرمایا وہ بھی اس کا ایک خاص اور محبوب برگزیدہ تھا۔ اس لیے اس نے احکامِ اسلام کی تعلیم کو رواج نہ صرف اپنے قول و کتاب سے دیا بلکہ خود اپنے افعال کا ایک ایسا نمونہ پیش کیا جو مستقل تعلیم الٰہی تھی اور بجائے خود اتنی مہتم بالشان کہ اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں ارشاد فرمایا "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنہ"

"وہ لوگ جو رسول کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عامل ہیں اور جن کے نزدیک تنہا وہی حصول مقصود کا ذریعہ ہے، جانتے ہیں کہ اُن کا ہر کام وہ عبادات پر شامل ہو یا اعمال پر، رسول اللہ کی تقلید ہے اور اس سے ہٹ کر نہ ہم ارشادِ خداوندی کی تعمیل کر سکتے ہیں، نہ اوامر و نواہی کی بجا آوری، اور نہ ہم کو وہ دولت حاصل ہو سکتی ہے جو نہ جن و فرشتہ کو ملی نہ شمس و قمر کو اور جس سے نہ زمین مشرف ہوئی، نہ آسمان، گویا اتباع سنت اور تقلیدِ افعالِ نبویؐ ایک معیار ہے عبادت کی مقبولیت کا"(۱۳)

"رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مسئلہ مختلف صورتوں سے زیر بحث آتا ہے اور ہر صورت اس میں اک نئی اہمیت پیدا کرتی ہے۔ مثلاً ایک شخص غور کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کس قدر ایذا پہنچائی گئی اور وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ایسے عزم وارادہ کا انسان دنیا میں کوئی پیدا نہیں ہوا اور وہ آپؐ پر ایمان لے آتا ہے۔ کوئی شخص آپؐ کے اخلاق وعادات کا مطالعہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ آپؐ نے اپنے سخت دشمنوں کے ساتھ بھی وہ سلوک کیا جو ہر طرح فطرتِ انسانی سے بلند تھا اس لیے وہ یقین کرنے لگتا ہے کہ بے شک آپ کی ہستی نہایت برگزیدہ ہستی تھی اور ایسا مافوق الفطرت وجود جسے جرمنی کا مشہور فلاسفر نیٹشے سوپر مین (انسان اعلیٰ) کہتا ہے۔ صرف اک رسول ہی کا ہو سکتا ہے۔ تیسرا شخص قرآن مجید پر غور کرتا ہے کہ اس الہامی کلام میں کن باتوں کی تعلیم دی گئی ہے اور آخر کار وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ جو ہستی ان الہامات کو لے کر منصۂ شہود پر آتی ہے یقیناً وہ غیر معمولی ہستی ہے اور اس کا دعویٰ نبوت کبھی غلط نہیں ہو سکتا، لیکن ان تمام صورتوں کے علاوہ ایک صورت غور کرنے کی یہ بھی ہے کہ بعثت سے قبل جو جزیرہ نمائے عرب کی حالت تھی اس کو پیشِ نظر رکھا جائے اور پھر انصاف کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنی شدید اور کہنہ ظلمت کو نور میں تبدیل کر دیا اور کیسے کیسے عقائد باطلہ کا استیصال کیا۔" (۱۴)

"رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارک جس قدر متحمل، مستقل جفاکش اور صاحبِ عزم راسخ تھی اسی قدر فطرت الٰہیہ نے آپ کو ابتلاء میں ڈالا اور اسی نسبت سے آپؐ کے سامنے مصائب و تکالیف پیش کر کے آپ کا امتحان لیا، جب آپ نے دینِ الٰہی کی تلقین لوگوں کو شروع کی، جب آپؐ نے خدا کی شریعت حقہ کی جانب کفارِ عرب کو متوجہ کیا تو مخالفت کا ایک طوفان برپا ہو گیا اور ریگستانِ عرب کا ذرہ ذرہ آپ کا دشمن نظر آنے لگا۔ سردارانِ قریش سے لے کر ادنیٰ مزدور تک، جاہل سے لے کر عالم تک اور نجار سے لے کر شاعر تک کوئی ہستی جزیرہ نمائے عرب میں ایسی نہ تھی جس نے (اِلّا ماشاء اللہ) آپؐ کو ایذا نہ پہنچائی ہو"

"یہ فخر صرف مذہب اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس کے پیرو اپنے رسول ﷺ کی اس قدر عزت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص خواب میں بھی زیارتِ حضور کر لیتا ہے تو اس پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور اس کی اس قدر عزت کرنے لگتے ہیں کہ اس کا کلام ان کے لیے وظیفہ کا کام دینے لگتا ہے۔" (۱۵)

"حقیقتاً صرف یہی ایک کتاب قرآن شریف ہے جس نے ہر فردِ انسانی کے لیے ایک قانون کی حیثیت بھی پائی ہے اور ایک رہنما و رہبر ہونے کی بھی۔ پھر اس پر مزید عدل و حق پرستی کا وہ مکمل و جامع نمونہ، دنیائے اخلاق کی وہ بہترین مثال، تہذیب و تمدن، اخلاق و معاشرت کا وہ زبردست معلم جس کی نسبت ہمیں اُمّی ہونے کا بھی یقین ہے جو خاتم النبیین کے ساتھ رحمتہ للعالمین کے شرف سے بھی مشرف ہے اور وہ تنہا غارِ حرا میں اپنی طاعت و عبادت سے لے کر ایک عالم کو مبہوت بنا دینے والا فرد فرید، اپنی صداقت، اپنے دعوے کی صداقت کے لیے خود ایک برہان قاطع۔"(۱۶)

"اصطلاح علم تصوف میں انسان کامل اس شخص کو کہتے ہیں جس نے اپنے تئیں ذاتِ باری میں فنا کر دیا ہے اور وحدانیت کے حقیقی مفہوم کو سمجھ لیا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی نے رسالہ القشیری میں لکھا ہے کہ انسان کامل وہ شخص ہے جو خدا کے اسمائے صفات سے گذر کر عین ذات میں اپنے کو فنا کر دے لیکن انہوں نے انسان کامل نہیں لکھا الکامل التام لکھا ہے۔ انسان کامل کے الفاظ سب سے پہلے فصوص الحکم میں محمد ابن عربی نے استعمال کیے ہیں۔ عبدالکریم الجیلی نے اک مستقل تصنیف ہی الانسان الکامل فی معرفتہ الاواخر والاوایل کے نام سے لکھ دی۔ ان حضرات نے اپنے نظریۂ انسانِ کامل کو اس خیال پر قائم کیا ہے کہ حق اور خلق دونوں مظاہر ہیں عین ذات کے اور قریب قریب یہی وہ دعویٰ تھا جو منصور حلاّج نے کیا تھا۔

محمد ابن العربی فرماتے ہیں کہ "انسان اپنے اندر خالق و مخلوق دونوں کو لیے ہوئے ہے، انسان ایک آئینہ ہے جس کے ذریعہ خدا نے اپنے کو دیکھا اس لیے وہ عالمِ خلق کا سب اولین ہے، خدا کا ہونا ضروری ہے تاکہ ہم عالم ایجاد میں آسکتے اور ہمارا ہونا ضروری تھا کہ خدا اپنے آپ کو ظاہر کرتا۔" الجیلی جو بعض خیالات میں ابن عربی کے مخالف ہیں لکھتے ہیں کہ "ذات وہ ہے جس کے ساتھ اسماء و صفات کا تعلق ہوتا ہے ہر چند ذات و صفات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ عین ذات کا کوئی تعلق اسماء و صفات سے نہیں ہے اور جس وقت اس مسئلہ کو حقیقت سے نیچے اُتار کر احدیت و ہویّت کے درجہ پر لاتے ہیں اس وقت اسماء و صفات کا تعلق اس سے ہوتا ہے جن کا ظہور مخفی تجلیات کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور انسان انہیں تجلّیات کے ذریعہ سے رفتہ رفتہ صعود کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ عین ذات میں مدغم ہو جاتا ہے۔"

جب پہلا درجہ تجلّیات اسماء کا شروع ہوتا ہے تو انسان اس میں اس قدر مبہوت و متحیر ہو جاتا ہے کہ جب تم خدا کو کسی نام سے پکارو تو وہ انسان جواب دینے لگتا ہے کیونکہ وہ نام بالکل

اس پر مستولی ہو گیا ہے۔ دوسرا درجہ تجلیات صفات کا ہے جس سے ہر شخص اپنی اہلیت و قابلیت کے لحاظ سے مستفید ہوتا ہے۔ آخری درجہ تجلیاتِ ذات کا ہے جہاں پہنچ کر انسان کامل بن جاتا ہے، قطب ہو جاتا ہے اور صحیح معنے میں خلیفۂ خدا کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

الجیلی نے صفات ربانی کو چار درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ صفات ذاتی (مثلاً واحد ہونا، قدیم ہونا، خالق ہونا وغیرہ) صفاتِ جمالی، صفات جلالی، صفات کمالی۔ مؤخر الذکر تین درجہ کے صفات دونوں عالم میں ظاہر ہوتی ہیں اور اول الذکر درجہ وہ ہے جہاں پہنچ کر انسان مشکواۃ الحق ہو جاتا ہے۔ ان تمام حالات کو دیکھ کر تمام صوفیائے کرام نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ انسان کامل صرف محمد ﷺ تھے اور بعد کو تمام اولیاء میں انہیں کا جلوہ نمایاں ہوتا ہے جو علے قدر مراتب انسان کامل کے مختلف درجوں سے فیض یاب بنا دیتا ہے۔" (۱۷)

نیاز فتح پوری کی ان نایاب شعری اور نثری تخلیقات کو دیکھتے ہوئے یقین سا ہو جاتا ہے کہ وہ رحیم و کریم ذات اُن کی اِن تحریروں کے طفیل، اُن کی بشری لغزشوں سے در گزر فرما کر، انہیں نصرتِ جاوداں سے نوازے گی کہ ۔

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

جہاں تک لغزشوں کے عذر کا تعلق ہے۔ درج ذیل اقتباس اپنے اندر اعتراف و اعتزار کا ایک ایمائی رنگ لیے ہوئے ہے، جو ان کے ایک مکتوب سے ماخوذ ہے۔

"ہو سکتا ہے میرا دفتر معصیت زیادہ سیاہ ہو، لیکن میں اسے غلط کہہ کر اس کی سیاہی میں زیادہ اضافہ کرنا پسند نہیں کرتا، جو کچھ میرے دل میں ہے وہی کہتا ہوں اور برملا کہتا ہوں اور بقول شخصے "بہ بانگ کوس می خورم" لیکن جو کہنا وہ نہ کرنا، یا جو کرنا اُسے نہ کہنا، اِسے آپ کیا کہیں گے؟ غالباً فہم و فراست۔ درست ہے، لیکن میں پھر وہی سعدؔی کا شعر پڑھوں گا کہ ۔

ہیچ کس بے دامنِ تر نیست، امّا دیگراں
بازی پوشند و ما در آفتاب افگندہ ایم [۱۸]

ماآخذ

۱۔ مضمون، نیاز فتح پوری، ہمہ جہت شخصیت

۲۔ والد مرحوم، میں اور نگار، نگار نیاز نمبر، حصہ اول صفحہ ۳۴
۳۔ نیاز کا مذہب، نگار، نیاز نمبر حصہ اول، صفحہ ۱۱۳۔۱۱۴
۴۔ نیاز فتح پوری، شخصیت اور فن، ڈاکٹر عتیقہ شاہین، صفحہ ۳۱، مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی
۵۔ جدید نثر اردو، نیاز فتح پوری اور نئی نسل جشن طلائی نمبر صفحہ ۱۸۶
۶۔ خدا، قرآن اور محمدؐ، نیاز فتح پوری، نگار اکتوبر ۱۹۵۴، صفحہ ۳۳
۷۔ کلیات عرفی مطبوعہ منشی نول کشور کانپور ۱۸۸۲ء در نعت سرور کونینؐ، صفحہ ۵،۴
۸۔ نگار، نیاز نمبر حصہ دوم، صفحہ ۱۶۲
۹۔ سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ، پروفیسر منیر الحق کعبی، صفحہ ۴۵
۱۰۔ مضمون رسول الرسل ﷺ، نیاز فتح پوری، صوفی (رسولؐ نمبر) نومبر ۱۹۱۹ء صفحہ ۴
۱۱۔ مضمون مجلس میلاد، نیاز، صوفی نومبر ۱۹۲۱ء، صفحہ ۶
۱۲۔ مضمون درود شریف، نیاز، صوفی نومبر ۱۹۲۱ء، صفحہ ۸
۱۳۔ مضمون عمل صالح اور حیات طیب، نیاز، صوفی جنوری، فروری ۱۹۲۱ء صفحہ ۴
۱۴۔ مضمون، مذاہب عرب قبل اسلام، نیاز، صوفی اکتوبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۹
۱۵۔ مضمون، کعب بن زہیر اور قصیدۂ بردہ، نیاز، صوفی اکتوبر ۱۹۲۲ء، صفحہ ۳۲
۱۶۔ مضمون، معجزۂ اسلام، نیاز، صوفی جنوری ۱۹۲۲ء، صفحہ ۲۴
۱۷۔ مضمون، انسانِ کامل، نیاز، صوفی مارچ ۱۹۲۲ء صفحہ ۴۰
۱۸۔ مکتوبات نیاز، حصہ سوم، صفحہ ۱۴۸

جو نعت گو ہے وہ شاعر قریب رب سے ہے
یہ سب کہیں تو مجھے اتفاق سب سے ہے
غزل بھی صنف سخن ہے مگر غزل ہی نہیں
ادب میں نعت بھی شامل بڑے ادب سے ہے

دلاور نگار

جمال الدین کا نعتیہ ترکیب بند

محمد عباس طالب صفوی

مغربی اقوام سے ایران کا ربط و ضبط بادشاہان صفویہ کے عہد میں قائم ہو چکا تھا، لیکن مغرب کی معاشرت اور نشاۃ ثانیہ کے افکار سے ایران آشنا ہوا ناصر الدین شاہ قاچار کے سفر یورپ کے بعد.....
چونکہ ایرانی ذہین قوم ہے اس لیے اس نے یورپ کے طرز تحقیق سے کافی استفادہ کیا اور رضا شاہ پہلوی کے عہد میں ایرانی علماء نے اپنے ملک کے مخطوطات و دواوین کو مستشرقین کی طرح ایڈٹ کرنا شروع کیا۔ انھیں نایاب دواوین میں ایک دیوان "استاد جمالی الدین محمد بن عبدالرزاق اصفہانی" کا بھی تھا جسے حسن وحید دشت گردی مرحوم مدیر مجلہ ارمغاں نے "وزارت فرہنگ" کی مدد سے شائع کیا تھا۔

حسن وحید دشت گردی نے دیباچے میں ظاہر کیا ہے کہ "تذکرہ نویسان متاخر" کو جلال الدین محمد بن عبدالرزاق کے نام میں بھی اشتباہ پیدا ہو گیا تھا کہ مثلاً" آذر نے آتش کدہ میں یہ تحریر کیا کہ "جمال الدین وہو عبدالرزاق از افاضل معروف اصفہاں بلکہ افضل فصحائے جہان است" اور ہدایت نے ریاض العارفین میں یہ الفاظ تحریر کئے کہ "جمال اصفہانی قدس سرہٗ اسمش عبدالرزاق و در فضایل و کمالات یگانۂ آفاق بودہ" لیکن متقدمین نے جمال الدین اور ان کے باپ کے نام کو صحت کے ساتھ تحریر کیا تھا مثلاً" ابن راوندی کے الفاظ ہیں "جمال الدین محمد بن عبدالرزاق الاصفہانی رحمتہ اللہ در وصف جہاں و اہل ایں روزگار خوش قصیدہ گفتہ است۔"

(راحتہ الصدور چھاپ لیڈن صفحہ ۳۳) اور شمس الدین محمد بن قیس نے المعجم میں ان الفاظ میں جمال الدین کا ذکر کیا ہے "جمال الدین محمد بن عبدالرزاق را نعت پیغمبر صلعم قصیدۂ ترجیع ہست والحق سخت نیکو آمدہ۔"

جمال الدین محمد بن عبدالرزاق کی ولادت کے سال کے متعلق حسن وحید خاموش ہیں بہرنوع چونکہ علامہ اقبال نے مشہور مستشرق ڈاکٹر ریو کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ جمال الدین کا انتقال ۵۸۸ھ میں ہوا تھا اور چونکہ جمال الدین کے اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی عمر کم از کم ۵۵ سال کی ضرور تھی۔

چہ ماند عمر چو پنجاہ و پنج سال گزشت　　　که گشت سرو تو چو خیزراں بنفشہ سمن

اس لیے حسن وحید کا ان دونوں لیلوں سے یہ استنباط صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جمال الدین کی ولادت چھٹی صدی ہجری کے اوایل میں ہوتی تھی۔ حسن وحید نے جمال الدین کے درج ذیل دو شعروں سے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ جمال الدین مایل بہ تشیع تھے:۔

خدائے عزوجل برزمیں دو شاخ نشاند | زیک نہال بروں آختہ حسینؑ و حسنؑ
یکے زتیغ بکنند آب نا دادہ | یکے بتیغ بزہر آب دادہ اند حزن

حالانکہ اگر محض مدح حسنین کو دلیل تشیع قرار دیا گیا تو پھر ہر مسلمان۔ شاعر کو مایل بتشیع فرض کرنا ہوگا۔ جمال الدین کا ایک شعر جیسے حسن وحید نے بھی جمال الدین کے راسخ العقیدہ حنفی ہونے کا بیّن ثبوت ہے ۔

بجق احمد مرسل بملت اسلام | باجتہاد ائمہ بمذھب نعمان

حسن وحید دشت گردی نے جو نسخہ مرتب کیا ہے اس کی ابتداء ایک نعتیہ ترکیب بند سے کی ہے اور یہ ترکیب بند حقیقتاً "دیوان کی جان ہے"۔

حسن وحید کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے کہ اگرچہ سعدی کا مشہور ترجیع بند مضامین عشق پر مشتمل ہے اور جمال الدین کا ترکیب بند مدح پیغمبر پر اور اگرچہ معاشقہ' مدح سے کہیں زیادہ "دل پسند" ہوتا ہے تاہم جو "رشاقت و سلاست" جمال الدین کے ترکیب بند میں ہے وہ سعدی کے ترجیع بند میں نہیں ہے۔ حسن وحید نے سعدی اور جمال الدین کے دو دو شعر بھی نقل کیے ہیں جن کا تقابل لطف سے خالی نہیں ہے۔

سعدی۔ (۱) من در ہمہ قول ہا فصیم | در وصف شمایل تو آخرس
(۲) آخر بزکوٰۃ تندرستی | فریاد دل شکستاں رس

جمال الدین (۳) در مدح تو ہر جماد ناطق | در وصف تو ہر فصیح اخرس
(۴) ہم کوس نبوت تو در پیش | ہم چتر رسالت تو از پس

ترکیب بند یہ ہے:۔

اے از بر سدرہ شاہ راہت | وے قبّۂ عرش تکیہ گاہت
اے طاق نہم رواق بالا' | بشکستہ ز گوشۂ کلاہت
ہم عقل دویدہ در رکابت | ہم شرع خزیدہ در پناہت
اے چرخ کبود ژندہ دلقے | در گردن پیر خانقاہت
مہ طاسک گردن سمندت | شب طرۂ پرچم سیاہت
جبرئیل مقیم آستانت | افلاک حریم بارگاہت

چرخ ارچہ رفیع، خاک پایت — عقل ارچہ بزرگ طفل راہت
خورد است خدا زروئے تعظیم — سوگند بروئے ہم چہ ماہت
ایزد کہ رقیب جاں خرد کرد
نام تو ردیف نام خود کرد

اے نام تو دست گیر آدم — وے خلق تو پائے مرد عالم
فراش درت کلیم عمراں — چاؤش رہت مسیح مریم
از نام محمت سیے — حلقہ شدہ ایں بلند طارم
تو در عدم و گرفتہ قدرت — اقطاع وجود زیر خاتم
در خدمت انبیاء مشرف — وز حرمت آدمی مکرم
از امر مبارک تو رفتہ — ہم بر سر حرمت خود آدم
تا بودہ بوقت خلوت تو — نے عرش ونہ جبرئیل محرم
نایافتہ عزت التفاتے — پیش تو زمین و آسماں ہم
کونین نوالۂ زجودت
افلاک طفیلی وجودت

روح اللہ با تو خرسوارے — روح القدست رکاب دارے
از مطبخ تو سپہر دودے — وز موکب تو زمیں غبارے
در شرح رموز غیب گویت — برساختہ عقل کاروبارے
عفوت زگناہ عذر خواہے — جودت زسوال شرمسارے
این کیسۂ ہر نیاز مندے — واں عدت ہر گناہگارے
بر بوئے شفاعت تو ماند است — ابنیس چناں امیدوارے
بارے چہ شود اگر بشوید؟ — لطف تو گلیم خاکسارے
بی خرد کیست تا امیدی — در عہد چو تو بزرگوارے
آنجا کہ ز تو نوالہ دیہند،
ہفت و شش و پنج و چار ہیچند

اے مسند تو ورائے افلاک — صدر تو و خاک تو وہ خاشاک
ہرچ آں سمت حدوث دارد — در دیدۂ ہمت تو خاشاک
طغرائے جلال تو لعمرک — منشور ولایت تو لولاک

نہ حقہ وطلت مہر بہشت   دست تو و دامن تو زاں پاک
در عہد نبوت تو آدم   پوشیدہ ہنوز خرقۂ خاک
تو کردہ اشارت از سرانگشت   مہ قرطۂ پرنیاں زدہ چاک
در راہ تو زخم محض مرہم   برباد تو زہر عین تریاک
نقش صفحات رایت تو   لولاک لما خلقت الافلاک

خواب تو ولاینام قلبی
خوان تو ابیت عند ربی

اے آرزوئے قد لقایت   وے قبلۂ آسماں سرایت
در عالم نطق ہیچ ناطق   ناگفتہ سزائے تو ثنایت
ہر جائے کہ خواجۂ غلامت   ہر جائے کہ خسروے گدایت
جاندار وے عاشقاں حدیثت   قفل دل گمرہاں دعایت
ہم تابش اختراں زرویت   ہم جنبش آسماں برایت
بر دیدۂ آسماں قدم نہ   تا سرمہ کشد زخاک . پایت
بر شہپر جبرئیل نہ زیں   تالاف زند ز کبریایت
اندر خیمۂ سپہر و انجم   برتافتہ دہ یک عطایت

اے کہ بزیر پائے کونین
بگذشتہ ز حد قاب قوسین

اے از نفس تو صبح زادہ   آہت در آسماں کشادہ
علم تو فضول جہل بردہ   حلم تو غرور کفر دادہ
در حضرت قدس مسند تو   برزروۂ لامکاں نہادہ
آدم زمشیمۂ عدم تام   در حجر نبوت تو زادہ
تو کردہ چو جاں فلک سوار   در گرد تو انبیا پیادہ
خورشید فلک چو سایہ در آب   در پیش تو بر سر استادہ
از لطف و زعنفت آب و آتش   اندر عرق و تب اوفتادہ
آں در برسا دہ غوط خوردہ   ویں در دل فارس جاں بدادہ

خاک قدم تو اہل عالم
زیر علم تو نسل آدم

اے حجرۂ دل بتو منور، وے عالم جاں زتو معطر
اے شخص تو عصمت مجسّم وے ذات تو رحمت مصور
بے یاد تو ذکرہا مزوّر، بے نام تو در دہا ابتر،
خاک تونہال شاخ طوبیٰ دست تو زہاب آب کوثر
اے از نفس نسیم خلقت نہ گوئے فلک چو گوئے عنبر
از معصمک، اللہ اینت جوشن وز مغفرک اللہ انت مغفر
تو اینی از حدوث گوباش عالم ہمہ خشک یا ہمہ تر
تو فارغی از وجود گو شو، بطحاہمہ سنگ یا ہمہ زر

طاؤس ملائکہ بریدت
سرخیل مقرباں مریدت

اے دست کش تو ایں مقرنس وے دست خوش تو ایں مقوس
اے خاشکدانت سقف ارزق وے شاد روانت چرخ اطلس
از بنگہ تو کمینہ شش طاق، ایں چرخ معلق مدس
چوں روح زعیب ہا منزہ چوں عقل زنقص ہا مقدس
شد شر رواں بضر نامت ایں فلس مکس معلس
در مدح تو ہر جماد ناطق، در وصف تو ہر فصیح اخرس
از عہد تو تا بدور آدم در خیل تو ہرچہ ز انبیاء کس
ہم کوس نبوت تو درپیش ہم چتر رسالت تو از پس

فلج ندب بقیت وحدی
قفل در "لانبی بعدی"

اے شرع تو چیرہ چوں بشب روز، وے خیل توبرستارہ پیروز
اے عقل گرہ کشائے معنی در حلقۂ درس تو نو آموز
اے تیغ تو کفر راکفن باف نعلین تو عرش را کلہ دوز
اے مذہب ہا زبعثت تو، چوں کتب ہا بعید نو روز
از موئے تو رنگ کسوت شب وازنور تو نور چہرۂ روز
حلم تو شرف دوزخ آشام خشم تو عظیم آسماں سوز
ماہ سرخیمہ جلالت... در عالم علو مجلس افروز

نعت رنگ ۵

بنمودہ نشان روئے فردا آئینۂ معجز تو امروز

اے گفتہ صحیح و کردہ تصریح
در دست تو سنگ ریزہ تسبیح

اے سایہ زخاک برگرفتہ واز روئے تو نور خود گرفتہ
اے بال کشادہ باز چترت عالم ہمہ زیر پر گرفتہ
طوطیٔ شکر نثار نطقت جاں ہا ہمہ در شکر گرفتہ
افگندہ وجود را پس پشت پس فقر کمندہ بر گرفتہ
از بہر قبول توبۂ خویش آدم سخن تو در گرفتہ
آں جا کہ جنیبت تو رفرف عیسیٰ دم لاشہ خر گرفتہ
آں جا کہ نشیمن تو طوبیٰ موسیٰ رہ طور برگرفتہ
در مکتب جاں زشوق نامت لوح ارنی ز سر گرفتہ

تا حصن تو نسج عنکبوت است
احصن نہ کہ اوھن البیوت است

ہر آدمیٔ کہ او ثنا گفت ہرچ آں نہ ثنائے تو خطا گفت
خود خاطر شاعری چہ سنجد نعت تو سزائے تو خدا گفت
گرچہ نہ سزائے حضرت تست بپذیر ہر آنچہ ایں گدا گفت
ہر چند فضول گوئے مردیست آخر نہ ثنائے مصطفیٰ گفت
رد عمل ہر آنچہ گفت یا کرد نادانی کرد و نا سزا گفت
زاں گفتہ و کردہ گر بپرسند کز بہر چہ کرد یا چرا کرد
ایں خواہد بود عدۃ او کفارۂ ہرچہ کرد یا گفت
تو محو کن از جریدۂ او ہر ہرزہ کہ از سر ہوا گفت

چوں نیست بضاعتے زطاعت
از ما گنہ و ز تو شفاعت

"وقت" کا تلازمہ

(میری نعتوں میں)

عاصی کرنالی

ہم کوئی ہوں ہم کہیں ہوں، ہم کچھ بھی سوچ رہے ہوں ہم کچھ بھی کر رہے ہوں، ہم دائرہ وقت ہی میں ہوں گے۔ ہم ایک لمحے کے لیے بھی اس خطِ تقدیر سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے۔ ازل سے ابد تک ہم ہیں اور حصارِ وقت ٬وقت بہت سے اجزا میں تقسیم ہے۔ یہ وقت کے چھوٹے بڑے پیمانے ہیں۔ لحہ، ثانیہ، دقیقہ، ساعت، شام و سحر، روز و شب، ماہ و سال اور صدیاں۔ وقت ان سب پیمانوں اور میزانوں سے ہماری حیات کا حساب و شمار کر رہا ہے۔ اس "زماں" کا ایک ہمزاد "مکاں" ہے۔ اس کی اپنی قیود اور زنجیریں ہیں جن میں ہمارا وجودِ حیات لپٹا ہوا اور جکڑا ہوا ہے۔ وقت ایک حقیقت ہے اور اس کے اطلاقات ہمارے انفاس پر حکمران اور ہمارے نظامِ فکر و عمل پر غالب ہیں۔ اس کے علاوہ وقت کی مجازی اور وجدانی کیفیتیں ہیں۔ تشبیہاتی، استعاراتی اور تمثیلی ذائقے ہیں۔ اس کی معنوی جہتیں اور تفہیماتی گنجائشیں ہیں جہاں وقت کا یہ تلازمہ اپنا رنگ بدلتا اور اپنے متنوع مظاہر میں رونما ہوتا ہے۔ انسانی تخیل اس کی تنگ دامانی میں وسعتیں پیدا کر لیتا ہے اور اس تلازمے کو اپنی ضرورتوں کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ کہیں کہیں تخیل ہماری حیات کو وقت کی گرفت سے آزاد کر لیتا ہے اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم وہاں ہیں جہاں زماں و مکاں کا ہاتھ ہم تک رسا نہیں ہے۔ مثلاً میری غزل کا ایک شعر:

محبت لا مکان ولازماں راستوں پہ چلتی ہے
یہ رہرو وادیٔ امروز و فردا میں نہیں ہوتا

شاعری کے اپنے محسوسات اور وجدانیات ہیں۔ اس کی اپنی فضا ہے جہاں وقت عجیب و غریب کرشمہ کاریاں دکھلاتا ہے۔ اس کے اپنے باطنی موسم ہیں۔ اپنے لیل و نہار ہیں۔ اپنے مناظر و مظاہر ہیں۔ کہیں کوئی لمحہ پھیل کر صدی بن جاتا ہے۔ کہیں کوئی صدی سمٹ کر لمحے کو تنگنائے میں محدود ہو جاتی ہے۔

نعت وہ اشرف و افضل شاعری ہے جس میں شاعر کا جوہرِ تخلیق اس کی فطری استعداد، اور اس کی فنی بصیرت و فراست پوری توانائیوں اور صداقتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔

شاعر کا خلوص، عشق، عقیدت، اطاعت، سوز و گداز اور دردمندی مل جل کر نعت کو وجود میں لاتی ہے۔
نعت میں کبھی مہجوری و مشتاقی کے مضامین ہوتے ہیں کبھی حاضری و حضوری کے۔ کبھی گریہ فراق کبھی نشاط دید، کبھی ذاتی کیفیات، کبھی اجتماعی احوال۔ نعت کا شاعر متنوع اور رنگا رنگ محسوسات و جذبات کو وقت کے تلازمے کی مدد سے بیان کرتا ہے۔ یہاں یہ تلازمہ اس کے تخیل کی گرفت میں ہوتا ہے۔ اور وہ اس تلازمے سے نت نئی کیفیتیں نچوڑتا اور رنگ برنگے ذائقے کشید کرتا ہے۔

اور اس طرح وقت کے بے شمار نئے معانی و مفاہیم تشکیل دے کر جہاں اپنے جذبہ و فکر کو پیرایۂ ظہور بخشتا ہے وہیں شعر کے فنی و معنوی محاسن میں اضافہ کرتا ہے۔

یہاں ایک اور بات لائقِ ذکر ہے کہ ہر شعر میں کوئی نہ کوئی لفظ ایسا ہوتا ہے جس سے ہمارا جذبہ یا خیال بندھا ہوتا ہے۔ وہ لفظ ہمارے تخلیقی عمل کا منشاو مورد ہوتا ہے اور اسے شعر میں کلیدی اور محوری مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہی اساسی لفظ اس شعر کا موضوع ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں بعض شعری کتب اس طرح مرتب کی گئی ہیں جن میں موضوع وار تقسیم کے ساتھ یکساں اور ہم کیفیت اشعار کو یکجا کر دیا گیا ہے...... وقت اور اس کے تمام اجزا (تلازمات) کے بارے میں بھی یہی لائحہ عمل ہونا چاہیے۔ یعنی یہ دیکھنا چاہیے کہ جو شعر ہم نے چنا ہے وہاں وقت کا کوئی جزو (تلازمہ) کلیدی حیثیت رکھتا ہے اور خیال کا محور ہے؟

چنانچہ مجھے خیال پیدا ہوا کہ نعت کے حوالے سے میں تلازمات وقت کے دائرے میں منتخب اشعار درج کروں اور کیونکہ اپنی نعتیں سہل الحصول ہیں اس لیے انہی میں سے اشعار چنوں۔ امید ہے کہ باذوق قارئین اس موضوع کی تازگی کے اعتبار سے میری اس کاوش کو استحسان کی نظر سے دیکھیں گے اور اچھا ہوگا کہ انہی خطوط پر چل کر بعض شعرا یا نقاد حضرات کسی نہ کسی کلیدی لفظ کی بنیاد پر اچھے اشعار کو یک جا کرنے کے دل چسپ اور مفید عمل سے گزرنا پسند فرمائیں۔

میری تا حال تین نعتیہ تصانیف ہیں۔ مدحت۔ نعتوں کے گلاب اور حرفِ شیریں۔ اُنہی کا مختصر انتخاب تلازمۂ وقت کے حوالے سے ہدیۂ نظر ہے:

لمحہ۔ (صدی):

جس دن سے ہوئی چہرہ کشا تیری تجلی
اس دن سے مہ و سال کا ہر لمحہ سحر ہے

کیا ٹھکانہ ہے ترے ذکر کی شیرینی کا
یعنی اڑتے ہوئے لمحات ٹھہر جاتے ہیں

اس شہر میں ہاتھوں سے نکل جاتی ہیں صدیاں
اک لمحہ گزر جائے اگر بے خبری کا

جمالِ گنبدِ خضرا پہ پڑ رہی ہے نظر
ابد کے نرخِ گراں پر بھی میں عطا نہ کروں
اب مجھ کو درودوں کے تسلسل سے نہ روکو
تیری شرع ہے نافذ سب قرونِ ماضی پر
چودہ صدیوں کا سفر طے کر چکا ہے ارتقا

صبح وشام، روز وشب

مری شبوں مری صبحوں میں تیرا ذکرِ جمیل
کرتا تھا تب بھی نور ترا عرس تاباں
اے شبِ ملکتان! تو سلامت رہے
اب شام نہیں آئے گی، اب رات نہ ہو گی
تو خود بہار ہے تو کسے انتظارِ صبح
ذہن بیدار نہ تھے اُن کی نظر ہونے تک
وہ مہرِ مُبین جب سے ہے جلوہ گر
طیبہ میں سدا صبحِ مسلسل کا سماں ہے

ازل، ابد

ایک تو سرورِ ازل ہے، دوسری سرحد ابد
ہے ازل سے ہر زبان و ہر قلم پر اُن کی نعت
خس کی صورت بہے جاتے ہیں ازل ہو کر ابد
اے روحِ ازل! تیرے قدموں کی خاطر
اے جانِ ابد! تیرے تلطف کی طلب میں
اب ترا عہدِ نبوت کفِ ایام میں ہے
آخری نبوت کے ایک ایک لمحے میں

زمان و مکاں

کھڑے ہیں دیدۂ حیراں لیے زمان و مکاں
وہ سبھی کے نبیؐ ہیں، اس کی دلیل

یہ لمحہ پھیل کے یارب دوام ہو جائے
تڑپ تڑپ کے ملا ہے یہ لمحہ موجود
اک لمحہ جو رک جاؤں تو صدیوں کا زیاں ہے
تیری تابع منشور آنے والی سب صدیاں
تیری ہی جانب پلٹ کر دیکھتا ہے آج بھی

یہ آفتاب یہ مہتاب میرے گھر میں رہا
جب صبح جھانکتی تھی گریبانِ شام سے
اب تو مدینے کی سحر چاہیے
ایسی ترے آنے سے یہاں صبح ہوئی ہے
کلیاں چٹکنے لگتی ہیں طیبہ میں شام سے
کتنی صدیوں کا اندھیرا تھا سحر ہونے تک
سحر ہی سحر ہے، سحر ہی سحر
جس شہر میں سورج ہے، وہاں رات کہاں ہے

درمیاں سارا علاقہ ہے مرے سرکارؐ کا
اور ابھی تک نعت کے مضمون کی تمہید ہے
موج میں اپنی بہا جاتا ہے دریا تیرا
گزری ہوئی صدیاں پلٹ آئی ہیں عدم سے
آئندہ زمانے لگے بیٹھے ہیں قدم سے
ازل آغاز میں ہے اور ابد انجام میں ہے
بے شمار ازل ملفوف، اَن گنت ابد پنہاں

تیرے جمال کی تقریبِ رونمائی ہے
ہر زمان و مکاں سے ملتی ہے

سبز گنبد کی رفعتیں اللہ! ایک حد لامکاں سے ملتی ہے

ترے مدینے سے آگے نہ وقت ہے نہ مقام
حدِ زمان و مکاں اس جگہ تمام ہوئی

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ
اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ ۙ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ۙ مٰلِکِ یَومِ الدِّینِ ؕ اِیَّاکَ نَعبُدُ وَاِیَّاکَ نَستَعِینُ ؕ اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِینَ اَنعَمتَ عَلَیھِم ۙ۵ غَیرِ المَغضُوبِ عَلَیھِم وَلَا الضَّآلِّینَ ؏

برائے ایصال ثواب والدۂ ماجدہ غلام مجتبیٰ احدی

منفرد لہجے کا نعت گو شاعر سرشار صدیقی

واصل عثمانی

کسی شاعر کے فنی کمالات کا اگر صحیح طور پر اندازہ لگانا ہو تو اس امر کا بہ نظر غائر مطالعہ از بس ضروری ہے کہ وہ شعر و سخن کے ہفتخواں طے کرنے میں کن کن مراحل سے گذرا ہے اور اس سفر میں اسے کتنی جانفشانی و جاندھی سے کام لینا پڑا ہے۔ صنف سخن کے ان گنت مراحل میں سے نعت گوئی بھی ایک بہت نازک اور دشوار گذار مرحلہ ہے جہاں بڑے بڑوں کے قلم اپنی راہ بھٹک کر کہیں سے کہیں نکل جاتے ہیں نعت گوئی ایک ایسا پیانہ اور معیار ہے جس کے ذریعے اک ذی شعور اور قادر الکلام شاعر اپنی فنکاری کا مظاہرہ عقیدت و محبت کے باوصف ادب کے حدود اور قیود میں رہتے ہوئے اس انداز سے کرتا ہے کہ نہ تو افراط و مبالغہ کی فضا طاری ہونے پائے اور نہ تفریط کی گرم ہوائیں دبے پاؤں در آنے کی جسارت کریں جہاں کہیں بھی شاعر نے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے ہوش و حواس کھوئے ہیں ادب کی حدود سے گذر کر خدا جانے وہ کس دنیا میں پرواز کرنے لگتا ہے اور اسے یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ صراط مستقیم سے پرے نکل چکا ہے ہر چند کہ وہ نعت رسولؐ کے مرغزار میں بہ ظاہر گل رنگیں کھلانے کی سعی بلیغ کرتا ہے مگر اس کی اس کوشش سے ایسی جھاڑیاں نشو و نما پاتی ہیں جس سے شرک و بدعت کے خار نمودار ہوتے ہیں اور ان جاں نثارانِ رسول کی عظمت کا دامن تار تار کر دیتے ہیں جنہیں عبد و معبود کے حفظ مراتب کا خیال ہمہ وقت دامنگیر رہتا ہے۔ جب کوئی صحیح العقیدہ شاعر عجز و انکسار کا جیتا جاگتا مجسمہ جامۂ ادب زیب تن کئے ہاتھوں میں عشق رسول کی مشعل اٹھائے ایوان نعت میں داخل ہوتا ہے تو اس کے اشعار سے قصرِ مدحتِ رسولؐ جگمگا اٹھتا ہے اور محبت و خلوص بھرے لفظ معنی کے گلہائے رنگیں سے وہ خوشبو بکھرتی ہے کہ لوگ خود بخود متوجہ ہو جاتے ہیں اور ان نعتیہ اشعار کو اپنے دل و جگر میں بسا کر اپنی زندگی کا ہر گوشہ اور ہر لمحہ معطر اور منور کر لیتے ہیں۔

یوں تو ابتدائے آفرینش سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت میں کسی نہ کسی طور سے نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کی مثالیں ملتی ہیں مگر اردو ادب کے حوالے سے عہد قدیم سے لے کر عہدِ جدید کے نو آموز شعرا نے بڑے نفیس طور طریقے سے سرورِ کائناتؐ کے حضور گلہائے عقیدت پیش کرنے کا شرف حاصل کیا ہے مگر غزل کے اسلوب میں اپنے اعلیٰ خیالات و جذبات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عبادت سمجھ کر پیش کرنے کا سہرا اس رند پارسا کو نصیب ہوا ہے۔ جس کا نام نامی اسم گرامی سرشار

صدیقی ہے جس نے ندائے حاضری گوش گذار ہوتے ہی خم وپیمانہ کو توڑ تاڑ کر سر جھوڑائے جھورائے سراپا عجزو انکسار کی شکل میں سرکار دوعالم کی خدمت میں لبیک کہنے کا شرف یہ کہتے ہوئے حاصل کرلیا ہے۔ "سرکش نفس پہ قابو پانا میرے بس کی بات کہاں تھی۔ ان کا اشارہ پایا تب یہ وحشی زیر دام آیا ہے" اس کی حاضری کے انداز بھی جداگانہ اور والہانہ تھے۔ آنکھیں نم۔ دست وپا لرزیدہ اور دل جوش مسرت سے لبریز۔ اپنے دل کی تمام باتیں بشمولیت اعتراف گناہ ندامت قلب کے ساتھ اپنے آقا اور سردار کی خدمت میں پیش کرکے سکون کا سانس لیتا ہے۔

سرشار نے صرف اسی عقیدت اور اپنی شاعرانہ قابلیت وریاضت کے بل بوتے پر نعتیں نہیں لکھیں بلکہ سراپا شوق اور ہمہ اضطراب کی کیفیت کو ادب واحترام کی تنگنائے سے گذارا ہے یہی سبب ہے کہ مدحت رسولؐ کے ایسے یادگار زمانہ اور شاہکار اسے خزانہ قدرت سے عطا کیے گئے جن سے نعت گوئی میں ایک نئے لہجے اور اسلوب کا اضافہ ہوا۔ دوسرے نعت گو شعرا اس پرواز تخیل اور اس فنکارانہ صلاحیت پر اسے بہ نظر استعجاب تکتے رہ جاتے ہیں۔

"یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے"

سرشار صدیقی جن کا لب ولہجہ اردو شاعری اور خاص طور سے غزل میں بہت تیز و تیکھا ہے جب نعت گوئی کے میدان میں قدم رکھتے ہیں تو یہاں بھی اپنے لہجے کی انفرادیت برقرار رکھتے ہیں جو ان کی شناخت کا ضامن ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تیز و تیکھے لہجے کی جگہ ان کے نعتیہ تغزل میں نرم ونازک لہجہ اس ڈھب سے حلول کر گیا ہے کہ ان کی شناخت بڑی آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ انھیں خود بھی اس کا احساس ہے کہ وہ نعتیہ شاعری میں ایک ایسا جدید لہجہ تراش رہے ہیں جو آئندہ نسلوں کیلئے مشعل راہ ثابت ہوگا۔

اظہار عقیدت میں جو لہجہ تراشوں میں — وہ میرے زمانے کا انداز بیاں ٹھہرے

خلوص نعت کا جذبہ ہے مشترک سرشار — جدا ہوں سب سے میں اظہار کے قرینے میں

یہ اسی سراپا رحمت وخیر وبرکت کا فیضان ہے کہ سرشار صدیقی جیسے شوریدہ بیاں اور تیکھے انداز کا شاعر جب دربار رسالتؐ میں حاضری کی سعادت حاصل کرتا ہے تو اس کے اسلوب اور اظہار کے قرینے میں عجیب قسم کی گھلاوٹ۔ کشش۔ اور نرم ونازک طرز اظہار کا لطف نمایاں ہو جاتا ہے کیونکہ یہ شعر گوئی سے زیادہ عبادت سمجھ کر شعر کہتے ہیں۔

نعتوں میں برتتے ہیں آداب عبادت کے — ہر چند غزل میں ہم شوریدہ بیاں ٹھہرے

سرشار نے غزل اور نعت میں ایسا ربط باہمی تخلیق کیا ہے کہ ان کی غزل میں نعت جیسی پاکیزگی اور

نعت میں غزل جیسی دلآویزی و نشتریت پیوست ہو گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتوں میں غزل کا تاثر محسوس کرتے ہوئے سبحان اللہ اور نعت جیسی کیفیت کا ادراک ہوتے ہی صلِ اللہ کہنے کو دل بیقرار ہو جاتا ہے۔

مطلعِ فکر پہ روشن ہے رسالت کا کنول
کہ مجھے نعت کے اسلوب میں لکھنی ہے غزل
یہ اسی ذاتِ گرامی کا کرم ہے سرشار
جگمگا اٹھا مری نعت سے ایوانِ غزل

ان کے مزاج کا یہ رخ صرف لہجے تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ ان کی رنگینیٔ حیات کو اپنی گرفت میں سمیٹ لیتا ہے اور ان کی زندگی کے گذشتہ ایام سے بالکل الگ تھلگ کر کے ایک دوسری دنیا میں لے جاتا ہے۔ اس طرح ان کی آزادانہ روش اور منتشر الخیالی کو ایک مرکز پر مجتمع ہونے کا وہ نادر موقع دستیاب ہو جاتا ہے جہاں وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

سرکار کے قدموں سے اٹھ کر دلِ دیوانہ
جائے تو کہاں جائے ٹھہرے تو کہاں ٹھہرے
عمر بھر سو کے کاٹ دی سرشار
بس اٹھو زندگی کی شام آئی
پھر کسی روح کے صحرا کا مقدر جاگا
پھر مدینے سے اٹھے لطف و کرم کے بادل

غزل میں جو ایک نادیدہ سی کسک اور کاٹ ہوتی ہے وہ سرشار کی نعتوں میں بھی کارفرما ہے غزل کی نشتریت اور نعت کی حلاوت کا امتزاج ان کی نعت گوئی کا خاصہ ہے۔ جس میں ایک گونہ کیف و سرور ہوتا ہے۔ اور ایک سرمدی لے ظہور پذیر ہوتی ہے جس سے روح تک گنگنا اٹھتی ہے اس قبیل کے یہ نعتیہ اشعار ملاحظہ کیجئے۔

اس نام پہ دل دھڑکا پھر گھر میں کہاں ٹھہرے
ہم کو یہ اشارے بھی آوازِ اذاں ٹھہرے
تقدیر پہ چھوڑا ہے اس ناقۂ ہستی کو
یہ کعبہ ہے وہ طیبہ دیکھیں تو کہاں ٹھہرے

کچھ بھی بجز درود نہ یاد آئے اور میں۔ دیوانوں کی طرح سے طوافِ حرم کروں

ہر چند کہ انھیں شعر و غزل سے نسبت دیرینہ ہے مگر نعتوں کی سمت ان کی توجہ بس واجبی سی تھی۔ دیارِ نبیؐ سے ان کی طلبی کیا ہوئی کہ نعت گوئی کی دنیا میں ایک بےمثال اور لازوال قسم کا ولولہ۔ جوش و جذبہ ان کے یہاں نمودار ہوا۔ اور ان کا قلم مدحتِ رسول میں یوں لب کشا ہوا کہ مدح و نعت۔ منقبت کے بیشمار خوش رنگ گل ان کی دنیائے شاعری میں لہلہا اٹھے۔ باغِ رسالتؐ کے اک اک گوشے سے انھوں نے کسب

فیض کر کے اپنی کائنات شعر گوئی کو معتبر کیا ہے اور حقیقتاً یہی ان کی اساس زندگی ٹھہری۔
سرشار صدیقی کی مدینہ منورہ پہنچنے پر ایسی کیفیت ہو جاتی ہے جیسے کسی گم کردہ راہ کے سامنے خلاف توقع منزل مراد آگئی ہو اور وہ اس عالم استغراق میں پڑ گیا ہو کہ آخر تمام عمر کی جدوجہد اور سعی بلیغ کے بعد جس منزل کے حصول کا کہیں دور دور تک نشان اور سراغ نہیں تھا وہ یکبارگی خود کیسے مجھ تک آگئی یا میں اس تک پہنچا دیا گیا۔ یہ عالم بیداری ہے کہ عالم خواب۔ کیا کیا جائے۔ مدینہ کی فضا انھیں سب کچھ بھلا کر اپنی آغوش کیف واثر میں جذب کر لیتی ہے اور وہ اس دلکش و دلفریب فضا میں غرق ہو جاتے ہیں سرشار کی کیفیت کا اندازہ لگایئے جب ان کی بیقرار روح اور بے چین دل کو اپنا دار القرار نظر آتا ہے تو وہ دیار نبیؐ پر ٹکٹکی لگا کر خدا جانے کیا کچھ سوچنے لگتے ہیں ان پر ایک ایسا عالم طاری ہوتا ہے کہ وہ مدینہ کے ماسواسب کچھ بھول جاتے ہیں اور ان کا عالم قابل دید ہوتا ہے۔ .

دور سے اک جھلک نظر آئی　　　پھر تو دیکھا کیے مدینے کو

اس دور سے مدینے کی ایک جھلک دیکھنے پر سرشار کا جو حال ہوا اس کا اندازہ وہی لگا سکتا جو پہلی بار اشتیاق و ذوق و شوق سے مدینے کی سمت رواں دواں رہا ہو اور پھر یکایک جب اس کو مدینۃ النبی آرامگاہ رسولؐ اللہ سے مشکبیز ہواؤں نے آکر اپنی آغوش میں لے لیا ہو تو اس کے دل کی کیفیت کیا رہی ہو گی۔ جس طرح جلوۂ محبوب کی زیارت پر کسی عاشق صادق کا حال ہوتا ہے وہی سرشار کا بھی حال ہوا۔ ادب و محبت دونوں ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے اور وہ ان محسوسات میں گم ہو گئے جس کا اظہار ان کے قلم سے کچھ اس طرح ہوا۔

دور سے گنبدِ خضریٰ دیکھ کے دل اس طور سے دھڑکا تھا
روح کے گہرے سناٹے میں جیسے شورِ نشور ہوا

سرشار کو رسولؐ اللہ کی محبت یوں اپنا اسیر کر لیتی ہے کہ وہ ایک ایک سنگریزے۔۔۔سے مدینہ منورہ کے محبت کرنے لگتے ہیں جس پر بھی رسولؐ اللہ کی ایک نظر پڑ گئی اسے وہ معتبر اور مقتدر سمجھ کر اپنے خزینۂ شاعری میں اعلیٰ مقام دیتے ہیں۔ ان تمام سلسلوں اور رشتوں کو وہ اپنی نعتیہ شاعری میں سمو لیتے ہیں جن سے اس رحمت عالم کے تعلق کا اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ کی ذات سے لے کر بلال حبشیؓ تک کو انھوں نے اپنی نعتوں میں یوں جذب کر لیا ہے کہ اس سے خود سرشار صدیقی کی حضورؐ سے نیاز مندی کا بیّن ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ اس تلاش و جستجو میں۔ حمد۔ نعت منقبت کے بہت دلکش اور اثر انگیز گل و گلزار انھوں نے سجائے اور آراستہ کیے ہیں۔ اللہ سبحان تعالیٰ کی حمد اصحاب رسولؐ کا ذکر۔ اُمّ النبی کا تذکرہ۔ حلیمہ سعدیہؓ سے

اظہار عقیدت حضرت خدیجہ الکبریٰ کی مدح اور ایسے ہی نہ جانے کتنے موضوعات ہیں جن کی دلفریبی اور دلکشی کی دہلیز پر سرشار صدیقی کے قلم معجز رقم نے جبیں سائی کی ہے۔ حضور اکرم کی ذات مقدس کا ذرا سا بھی سایہ جس پر پڑ گیا ہے خواہ وہ غار حرا ہو یا غار ثور سرشار صدیقی کی پرواز تخیل نے انھیں اپنی گرفت میں لے کر اس سلیقے سے پیش کیا ہے کہ ہر ایک پر منبع نور کا گمان گذرتا ہے۔ جس کے متعلق وہ خود اپنی کتاب "اساس" (نعتیہ مجموعہ) میں یوں رقم طراز ہیں۔

"یہ نظمیں میں نے اپنے وجود کی بازیافت اپنے عقیدے کی
تجدید اپنے ایمان کی توثیق اپنی عبدیت کے اعتراف اور
اپنے جذبے کی شہادت کے طور پر تحریر کی ہیں"

سرکار دوعالمؐ سے صدیقی رشتہ کی مناسبت سے جس اپنائیت اور یگانگت کا احساس ان کی نعتوں میں جھلکتا ہے اس کا تذکرہ نہ کرنا ان کے ساتھ زیادتی کا مترادف ہوگا۔ انھیں اپنی صدیقیت پر فخر بھی ہے اور ناز بھی۔ فخر و ناز کی اس ملی جلی کیفیت کا اظہار ان کی نعتوں میں کچھ اس طرح ہوتا ہے۔

جز نسبتِ صدیقی کیا نام و نسب اپنا ہم ان کے رفیقوں کے قدموں کے نشاں ٹھہرے
حق گوئی میراث مرے اجداد کی تھی پہنچا دی ہے بچوں کو یہ امانت بھی
سب سے پہلے گواہی میرے جد نے دی پھر تو یہ منصب مجھ تک سلسلہ وار چلا

حضور اکرم پر ان کی فریفتگی اور والہانہ پن جگہ جگہ ان کی نعتوں میں نمایاں ہے جسے انھوں نے اپنے جد امجد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حاصل کیا ہے اس کا زندہ ثبوت ان کا وہ معرکتہ الآراء قطعہ ہے جو صدیق اکبر کی رفاقت دیرینہ اور شیفتگی کی اعلیٰ مثال ہے۔

نبیؐ کے بعد مرا جد ہے جسکا پہلا گواہ وہ رمز "اشهدان لا اله الا الله"
وہ شہر علم فیصل یقیں میں ہے آباد حصار بازوئے صدیقؓ ہے کہ شہر پناہ

طوالت کے سبب سے ہم اختصار سے کام لیتے ہوئے ان کی نعتیہ شاعری کے متعلق مزید کچھ اور لکھنا مناسب نہیں سمجھتے صرف مدینہ منورہ سے واپسی پر ان کے دلی جذبات اور ان کی نعتیہ شاعری پر کچھ عرض کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ سرشار جب پہلی بار مدینہ منورہ سے واپس ہوتے ہیں تو اس احساس کے ساتھ کہ جیسے وہ ایک بہت عظیم سلطنت ایک گرانمایہ سرمایۂ حیات چھوڑ کر واپس آگئے ہیں انھیں اپنے اندر ایک خلا سا محسوس ہوتا ہے جیسے ان کی زندگی کی تمام رعنائیاں اور سرشاریاں محو ہو چکی ہوں اور ایک عالم بے خودی و تنہائی میں پرواز کر رہے ہوں۔ وہ اس فضا کی کیفیت کے متعلق غور و فکر کرتے ہیں جہاں انھوں نے

خواب کی مانند چند دن گذارے ہوں حالانکہ دس سال سے برابر وہ مکہ و مدینہ کی فضاؤں سے فیضیاب و مستفیض ہو رہے ہیں مگر ان کے دلی جذبات کا وہی عالم ہے جو پہلی واپسی میں ہوا تھا جب انہوں نے ایسے دلگداز اشعار رقم کیے تھے۔

سرشار واپسی پہ یہ عالم ہے جس طرح
ہم ساری کائنات کہیں چھوڑ آئے ہیں

ہوائے کوئے مدینہ فضائے صحنِ حرم
یہ دل مسلسل اسی کیف دلپذیر میں ہے

خدا کرے ان کا یہ جذبہ اور یہ لگن آخر دم تک قائم رہے اور نعت گوئی میں ان کو وہ مقام حاصل ہو جائے جو حسان ثابتؓ "زہیرؓ" جامیؒ۔ رومیؒ۔ محسنؒ کاکورویؒ اور حالی کو حاصل ہے۔

شاخ غزل پہ مدحت کے خوشنما پھول

......یہ جو سلسلے ہیں کلام کے

عزیز احسن

غزل کی مخالفت تو بہت ہوئی لیکن پوری اردو شاعری کے سرمائے میں کیفیت و کمیت کے اعتبار سے ہمیشہ اسی صنف سخن کا پلّا بھاری رہا ہے۔ نعت رسول ﷺ کا بھی ایک بڑا سرمایہ اسی شعری ہیئت میں تخلیقی سطح پر ابھرا ہے۔ جن شعرا نے اس ظالم صنف شعر کا مزاج سمجھ کر اسے احساس و تاثر کی زبان دی ہے، خاصی حد تک کامیاب شاعری کرتے رہے ہیں۔ غزل گو شعرا کی یہی کامیابی ہے کہ ان کے ہزاروں اشعار ضرب المثل کے طور پر زبان زد خاص و عام ہوتے رہے ہیں۔

نسیم سحر غزل کے مزاج شناس بھی ہیں اور اس صنف کو اپنا تخلیقی نقطۂ ثقل بھی سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تخلیقات کے مطبوعہ سرمائے میں پانچ میں سے چار کتابیں غزلوں پر مشتمل ہیں ...... اور اب حمدیہ و نعتیہ کلام بھی غزل ہی کا مادّی پیکر لیے ہوئے ...... "یہ جو سلسلے ہیں کلام کے" ...... خوبصورت نام سے سامنے آیا ہے۔ اس مجموعے میں شامل حمدیہ و نعتیہ غزلوں کی ایمائیت بھی ہے اور تازہ کاری کا ہنر بھی ہے۔

صوفیوں نے خالق کائنات کے حوالے سے جب بھی سوچا انہیں مخلوقات کی کثرت میں وحدت رب کائنات دکھائی دی تو انھوں نے وحدۃ الوجود کا نعرہ بلند کیا۔ ہماری غزل پر تصوف کے اسی مسلک کے اثرات نمایاں رہے ہیں۔ نسیم سحر کے یہ اشعار بھی اس طرز احساس کے آئینہ دار ہیں

ایک صورت ہے سب کی صورت میں
دیکھتی ہیں جہاں جہاں آنکھیں۔
ہر جگہ اس کو دیکھ لیتے ہیں
اور بظاہر کہیں نہیں ہے وہ

لیکن چونکہ نسیم سحر صوفی نہیں ہیں، وہ شاہد و مشہود کی اکائی کے بھی قائل نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مشاہدۂ حق کے لئے مضطرب نظر آتے ہیں اور اس اضطراب کو یہ زبان دیتے ہیں

کب تک پھریں گے دربدری کے نگر میں ہم!
ظاہر نہ ہو مگر کوئی اپنا نشان بھی دے

یہ اسلوب اپنی ذات، رب کائنات اور کائنات سے مکالمہ کرنے کی شاعرانہ کوشش کے نتیجے میں ابھرا

ہے اور ان کے رومانی طرز تخلیق میں حقیقتوں کے بیان میں احساس کی چنگاریاں روشن ہو گئی ہیں

وہ تو کئی انداز سے مجھ پر ہوتا رہتا ہے ظاہر
میں اس کو پہچان نہ پاؤں تو میری کم فہمی ہے

۔ اس شعر میں خود کلامی کے انداز میں اپنی آگہی سے شکایت کی گئی ہے۔ یہاں شاعر کی ذات میں پوری انسانیت کا طرز احساس سمٹ آیا ہے کیونکہ ادراک کی نارسی کا مرحلہ تو تمام انسانوں کو در پیش ہے۔

کچھ دنوں سے میں حمد و نعت میں شعری جوہر یا شاعرانہ اسلوب کی تلاش میں مصروف ہوں۔ میرے خیال میں شاعری کی اس مقدس وادی میں بیشتر ایسے شعرا داخل ہوئے ہیں جو شاعرانہ رویّے، شاعرانہ اسلوب اظہار یا شاعرانہ طرز احساس سے کوسوں دور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شعر کی جمالیاتی قدروں سے آگاہ شعرا جب ان مقدس موضوعات کو چھیڑتے ہیں تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ نسیم سحر کا حمدیہ و نعتیہ کلام پڑھ کر بھی مجھے اس لیے مسرت ہوئی کہ وہ شعر کی جمالیاتی قدروں اور غزل کی مخصوص زبان سے واقف ہیں۔

آج کے عہد میں مسلمان عملی، قولی، فعلی اور نظری طور پر خاصی حد تک اپنی پہچان کھو چکے ہیں۔ وضع میں نصاریٰ اور تمدن میں ہنود سے مشابہت رکھنے والے مسلمانوں میں جو سوچنے والے ذہن اور ملّی حمیت رکھنے والے حساس لوگ ہیں ان کے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ انھیں (یعنی پوری امت مسلمہ کو) اپنی پہچان مل جائے۔ آج کی شعری کاوشوں میں نعتیہ شاعری کی طرف شعرا کا غالب رجحان بھی اسی بے چینی کا غمّاز ہے۔ نسیم سحر کہتے ہیں

کچھ اس کے سوا اور طلب ہے بھی مری کیا؟
بس یہ کہ مجھے آپ سے پہچان عطا ہو!

اپنی پہچان کے لئے جو فکری و حسی سفر شاعر نے (یا اس کی قوم نے) کیا ہے اس کی روداد بھی نسیم سحر نے شعروں میں رقم کر دی ہے اور اس لاسمتی سفر کی لاحاصلی کا اظہار بھی بڑے واشگاف الفاظ میں کر دیا ہے۔

زمانے بھر میں کہیں بھی امان پا نہ سکا
غلام آپ سے جائے پناہ مانگتا ہے

یہ قافلہ جسے چلنا تھا صرف سوئے حرم
بھٹک گیا ہے بہت، سیدھی راہ مانگتا ہے

وہ جس کو اور کوئی روشنی نہ راس آئی
کرن اب آپ سے وہ روسیاہ مانگتا ہے

شاعر نے اس طلب کا اظہار بھی اسی وقت کیا جب اسے یہ احساس ہو گیا کہ اب تک کے سفر کی بے سمتی نے اسے کہیں کا نہیں رکھا اور اب اسے صرف اسی ہستی کا سایہ درکار ہے جس کا کوئی سایہ نہیں تھا۔ درج ذیل اشعار میں شاعر کے احساس کی لطافت اور بیان کی متانت کے ساتھ ساتھ تاثر کی وحدت بھی لائق تحسین ہے

یہ آرزو بھی بڑی حسیں ہے
جو میری رگ رگ میں جاگزیں ہے
سوائے اس کے کوئی تمنا نہیں
وجود میں اب کہاں کہیں ہے؟
انہی کا سایا مجھے عطا ہو
کہ جن کا سایا کہیں نہیں ہے

یہ نعتیہ شاعری پڑھتے وقت یہ احساس ہوتا ہے کہ شاعر نے اپنی قلب ماہیئت (-METAMOR PHOSIS) کا احوال بھی بڑے سلیقے سے شعروں میں ڈھال دیا ہے۔ شاعر پر جب حبّ نبی ﷺ کے طفیل آگہی کے در وا ہوئے اور تفہیم پیام نبوی آسان ہوئی تو وہ اپنے آپ کو نیا اہل کتاب سمجھنے لگا

سمجھ میں آنے لگی سیرتِ رسول کریمؐ
نئے سرے سے میں اہلِ کتاب ہونے لگا

"اہل کتاب" کا اس قدر بھرپور، برجستہ اور وسیع المفہوم استعمال شاید ہی کسی اور نعت گو نے کیا ہو۔ اس شعر میں شاعر نے اپنی پچھلی زندگی کے رائیگاں گزرنے پر اپنا احساس زیاں کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ احساس کے اس مرحلے سے گزر کر شاعر نے حضور ﷺ کی ذات و صفات، اسوۂ حسنہ، سیرت اطہر اور تعلیمات کے بارے میں اس شدّت سے سوچا کہ اس کے صحیفۂ دل پر اسم نبی ﷺ کا باب منور ہونے لگا

لکھا ہوا تھا محبت سے جس میں اسم نبی
کتاب دل میں منور وہ باب ہونے لگا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی سے شاعر کے دل میں جو نور پیدا ہوا تو اس کے دل میں مدحت نبی ﷺ کا جذبہ موجزن ہوا اور جب مدحت کے مرحلے سے گزرا تو طبعیت کے اس انقباض کی کشادگی کا مرحلہ آ گیا

مدح نبی سے گونجی جو نہی ہمنائے دل
کتنی کشادہ ساری۔ فضا مجھ پہ ہو گئی

مدحِ نبیؐ نے عرفانِ ذات وکائنات کی راہ ہموار کی تو شاعر کو حقیقتِ محمدیہ تک بھی رسائی ہو گئی

تخلیقِ کائنات پہ کچھ غور جب کیا
اک کائنات اور ہی وا مجھ پہ ہو گئی

فیضانِ حبِّ رسالت کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاعر کے دل میں مرسلِ آخر کی یاد نے مستقل بہار کا ساماں پیدا کر دیا

آپ کی یاد کے جب پھول کھلے
روح تک خود کو معطّر پایا

شاعر کی روح یادِ نبیؐ سے معطّر ہو گئی تو اسے اپنے شاعرانہ منصب یعنی "ابلاغِ حسیت" (COM-MUNICATION OF SENSUOUSNESS) کا خیال آیا اور اس نے اپنی سوسائٹی کو اس طرح مخاطب کیا

رہے ہو پہلے بہت دربدر مدینے چلو
بس اب نہ دیکھو ادھر یا اودھر مدینے چلو
سیاہ راتوں کے جنگل میں مت بھٹکتے پھرو
ہر ایک شب کی وہاں ہے سحر مدینے چلو
کسی طرف کا سفر ہو اودھر کا دھیان کرو
کسی طرف ہو تمہارا سفر مدینے چلو

ان اشعار میں مدینے کا ذکر روایتی طرزِ احساس سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں مدینے کی تکرار کسی ذاتی قلبی کیفیت کی غماز نہیں ہے جس میں صرف مدینہ دیکھنے کی آرزو جھلکتی ہے کہ وہ شہرِ دلبر ہے۔ مدینہ دیکھنے کی آرزو کتنی ہی مقدس اور پُر خلوص کیوں نہ ہو اس میں وہ معنوی وسعت پیدا نہیں ہو سکتی ہے جو مدینے کو مرکزِ فکر و نظر کے طور پر پیش کرنے اور محورِ حیاتِ اجتماعی جاننے میں ہے۔ نسیم سحر نے مدینے کو محض شہرِ دلبر کے طور پر نہیں بلکہ حیاتِ ملی کے مرکز کے طور پر یاد کیا ہے۔ مجھے ان کی شاعری میں ایسے شواہد ملے ہیں کہ وہ شعوری طور پر مدینے کو کائنات گیر استعارہ سمجھ کر لکھتے ہیں۔

فقط اک استعارہ ہے مدینہ
نبی کے دم سے پیارا ہے مدینہ
کرے جو بارشِ انوار سب پر

اک ایسا ابر پارہ ہے مدینہ
یہ دنیا ہے اندھیرے کا سمندر
سمندر کا کنارہ ہے مدینہ

درج ذیل دو اشعار اپنی معنوی وسعتوں اور علامتی طرز اظہار کے حوالے سے "مدینے" کے استعمال کی نادر مثال پیش کرتے ہیں۔

عجب سلسلے ہیں، عجب مرحلے ہیں
کہ مکہ کرے اقتدائے مدینہ
جس نے مدینے کی دانش سے پایا فیض نسیم
اس کا رستہ بھی روشن، منزل بھی روشن ہے

مؤخر الذکر شعر میں "مدینے کی دانش" کہہ کر شاعر نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ مدینے کو ایک مکتبۂ فکر (School of Thought) سمجھتا ہے اور اس کا ذکر حیات ملّی کی اجتماعی فلاح کے حوالے سے کرتا ہے محض ذاتی طلب اور تڑپ کے حوالے سے نہیں۔

مدینے کے اس وسیع تصور کے تناظر میں جب ہم یہ اشعار پڑھتے ہیں تو حقیقت محمدیہ کے عرفان کا نقطہ نور کے ایک وسیع ہالے میں تبدیلی ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

زمانے بھر میں اُجالا ہی اور کوئی نہیں
کہا اُن کے نور سا ہالا ہی اور کوئی نہیں
انھی کے دامن شفقت میں پائی ہم نے اماں
کہ اُن سی شفقتوں والا ہی اور کوئی نہیں
ذرا زیادہ مرے حال پہ ہو رحم و کرم
مری طرح تہ و بالا ہی اور کوئی نہیں
میں اُن کے پاس نہ جاؤں تو اور کہاں جاؤں
مجھے سنبھالنے والا ہی اور کوئی نہیں
ہمارا جینا بھی مرنا بھی اُن کے نام پہ ہے
ہمارے پاس حوالہ ہی اور کوئی نہیں

دیکھیے اس نعت کی ردیف میں نسیم سحر نے کتنی معنوی وسعت پیدا کر دی ہے۔ مطلع میں حقیقت محمدیہ

کا اظہار ہے۔ دوسرے شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رافت نمایاں ہے۔ تیسرے شعر میں اُمت کی درماندگی کا حوالہ حصر کے ساتھ ہے۔ بقیہ دو شعروں میں وہی بیان ہے جسے علامہ اقبال نے اس طرح لکھا تھا۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر با او نرسیدی تمام بولہبی است

لیکن علامہ نے دعوت دی ہے جبکہ نسیم سحر نے اپنی ذات کی تخصیص (Particul arity) سے تعمم (Generalisation) کا پہلو نکالا ہے۔

مجھے سنبھالنے والا ہی اور کوئی نہیں

(اُمت کو سنبھالنے والا اور کوئی نہیں)

اصابت فکر اور صباحت شعر دیکھنے کے لیے جب صفحات الٹتے ہیں تو...... "یہ جو سلسلے ہیں کلام کے" میں بہت سے اشعار پر توجہ مرکوز ہو جاتی ہے۔ ایک نعتیہ غزل ملاحظہ ہو۔

ذہن بھی روشن۔ آنکھ بھی روشن۔ دل بھی روشن ہے

بطحا والے کے دم سے منزل بھی روشن ہے

گہرے پانی میں بھی چمکیں روشنیاں اُن کی

اور اُنہی کے پَر تو سے ساحل بھی روشن ہے

جس خلوت میں ذکر نبی ہو وہ بھی تابندہ

اور اُنہی کے نام سے ہر محفل بھی روشن ہے

دست سخی کچھ اتنا فروزاں' اتنا تاباں تھا

دست سوال کے ساتھ دلِ سائل بھی روشن ہے

اُن کے نورِ علم و شعور کی جب سے زکوٰۃ ملی

اندر باہر سے مجھ سا جاہل بھی روشن ہے

اب شاخ غزل پر کھلنے والے نعتیہ پھولوں کی بہار کا کچھ اور منظر بھی دیکھ لیجیے۔

جو آگ مجھ کو جلاتی تھی ہو گئی گلزار

جو میرے سر پہ تھا سورج' سحاب ہونے لگا

یہ جو سلسلے ہیں کلام کے' یہ سخن درود و سلام کے

جو نسیم ہوں مرے ترجماں، مجھے اور کچھ نہیں چاہیے
دروازہ اور کوئی نسیم سحر نہ دیکھ
خود کو نبی کے سایۂ ابر کرم میں رکھ
گلشن کو نمو اُن کی سفارش سے ملی ہے
رعنائیاں اُن کی ہیں ثمر ہو کہ شجر ہو
منشور کوئی دوسرا درکار نہ ہو گا
نافذ جو زمانے میں ہو معیار مدینہ
اے ربِ دو جہاں مرا دامن کشادہ کر
عشقِ رسولؐ لحہ بہ لحہ زیادہ کر
مدحت ترے لبوں پہ ہو جتنی بھی کم سمجھ
آموختہ ہے یہ، تو اسی کا اعادہ کر
طیبہ کی رہ گزر پہ سجادے عقیدتیں
پھر اس پہ تو نسیم سفر پاپیادہ کر
کیا شانِ نبی ہے کہ شہنشاہ بھی چاہیں
نام اُن کا گدایانِ محمدؐ میں لکھا جائے
سوئے کوئے رسولؐ جانا ہے
اور سب کچھ ہی بھول جانا ہے
کتنا مشکل ہے مدینے سے پلٹ کر آنا
اور جانا بہت آسان مدینے کی طرف
ذکر اُن کا زباں پہ لا کے نسیم
ہر بن مُو کو مشکبو کر لیں
نسیم آنکھوں کو اس قابل تو کر لو
تمہیں اُن کا سراپا دیکھنا ہے
جو ہو گیا غلام تری بارگاہ کا
اس کو رہا نہ خوف کسی کج کلاہ کا

اُسی کے اجالے میں کون و مکاں ہیں
کرن اک جو پھوٹی تھی غارِ حرا سے

شعری رویّہ' تغزّل آمیز رومانوی طرزِ احساس' موضوع کا احترام' فکری اصابت اور لفظوں کو برتنے کا ہنر دیکھنے کے لیے میں نے کچھ زیادہ ہی اشعار منتخب کرلیے ہیں سچ یہ ہے کہ یہ اشعار بغیر کسی محنت کاوش کے صفحات پلٹتے ہوئے از خود میری توجہ کا مرکز بن گئے۔ کتاب مختصر ہے یعنی صرف ۱۱۲ صفحات پر مشتمل' اور کلام بھی مختصر ہے' بیشتر صفحات پر تو صرف ایک ایک دو دو اشعار ہی نظر آتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر نے خود بہت محتاط طریقے سے اپنے کلام کا انتخاب کیا ہے۔ یہ تنقیدی شعور تخلیقات میں دائمی ادبی قدر پیدا کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اگر شاعر کا تنقیدی شعور بیدار رہا اور اس نے نعت کی طرف توجہ مبذول رکھی تو امید کی جاسکتی ہے کہ وہ دنیائے مدحت نگاری میں کچھ انمٹ نقوش قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کتاب کے فنّی دریچے سے نسیم سحر کی شاعری کی سحر بڑی تابناک نظر آتی ہے۔

مدحت

رباعیات

ہے نعت کا شوق گو سخنداں تو نہیں
ہاں شکر ہے اور کوئی ارماں تو نہیں
جنت صلہ نعت میں دیتے ہیں مجھے
یہ جنسِ عزیز اتنی ارزاں تو نہیں

کیا بحرِ کرم حضورؐ کا سینہ ہے
دل رافت و مرحمت کا گنجینہ ہے
انوارِ خدا دیکھ لو اس کے اندر
قامت نہیں قد آدم آئینہ ہے

دنیا میں رسول اور بھی لاکھ سہی
زیبا ہے مگر حضور کو تاجِ شہی
ہے خاتمہ، حسن عناصر انؐ پر
ہیں مصرع آخر اس رباعی کی وہ

روشن مجھے اب تیرہ شبی کرنے دے
رنجور ہوں درماں طلبی کرنے دے
ہٹ چشمِ تصور سے الگ اے دنیا
دیدار رسول عربیؐ کرنے دے

ہاتھ آئے نجات کی یہ تدبیر مجھے
پہنچائے درِ نبیؐ پہ تقدیر مجھے
اکسیر کی قدر ہو نظر میں کیا جب
خاکِ درِ مصطفیٰ ہے اکسیر مجھے

کامل ہے جہاں میں دین بے شک تیرا
کیوں بول نہ بالا ہو ابد تک تیرا
سر پر ہے ترے تاج ""الم نشرح"" کا
طرہ ہے ""رفعنالك ذكرك"" تیرا

مولانا حامد حسن قادری

ہر فصل میں پایا گل صحرا تروتازہ — جب دیکھا لگا گنبد خضرا تروتازہ
رہتا ہے شب و روز ہر اک منظر طیبہ — آراستہ، پیراستہ، اجلا، تروتازہ
انداز حیات ان کا ہے قرآن سراپا — ہر آن ہے وہ جلوۂ زیبا تروتازہ
انوار بداماں ہے بہر لحظ وہ اسوہ — وہ قامتِ رعنا ہے ہمیشہ تروتازہ
مفہوم کی خوشبو سے وہ مہکا ہوا ہر لفظ — ہے آج بھی ان کا لب و لہجہ تروتازہ
ہو جس کی اساس ان کی ولا ان کا تعلق — ہر دور میں رہتا ہے وہ جذبہ تروتازہ
میں لاکھ گرفتہ دل و آشفتہ نظر ہوں — رہتی ہے مگر ان کی تمنا تروتازہ
ہونٹوں پہ حُدی نعت کی ہے منزلِ شب میں — یوں رکھتا ہوں سامان سحر کا تروتازہ

موسم کی تمازت سے ہراساں نہیں تائبؔ
سائے میں ہوں رحمت کے شگفتہ تروتازہ

حفیظ تائبؔ

بیٹھا ہوں کچھ اس طرح سر کوئے محمدؐ — دل عرش پہ ہے اور نظر سوئے محمدؐ
یہ دل کی فضا کیا ہے مہکتے ہیں دو عالم — کھل جاتے ہیں جب دوش پہ گیسوئے محمدؐ
رکھے ہیں اسی طاق پہ دل ارض و سما کے — اللہ رے طاقِ خم ابروئے محمدؐ
مصروف جدھر نعت میں ہوتی ہیں زبانیں — آتی ہے اسی سمت سے خوشبوئے محمدؐ
ہے سرو بھی گلشن میں سلامی کے لیے خم — کیا چیز ہے ذکرِ قدِ دلجوئے محمدؐ

اک عمر سے دل میں یہی ارماں ہے کہ شاعرؔ
میں نکہت گل بن کے چلوں سوئے محمدؐ

شاعرؔ لکھنوی

نعت محمدؐ عربی جب شروع ہو — لب پر درود بھی بہ خشوع و خضوع ہو
بے روح ہے بغیر حضوری کے زندگی — مثل حضور محو سجود و رکوع ہو
محشر میں بھی نہ ہو گا اجالا، یقین ہے — جب تک نہ آفتاب شفاعت طلوع ہو
دو گز زمیں مجھے کسی ایسی جگہ ملے — نزد مدینہ جس کا محل و قوع ہو
مانگوں میں صرف حب رسول انامؐ ہی — میری دعا قبول جو رب سموع ہو

فاقے ہیں اور شکم پہ ہے پتھر بندھا ہوا صبر جمیل ایسا کہ درمانِ جوع ہو

راغب خدا گواہ وہ کافر ہے سر بسر
بعد حضورؐ جو بھی نبی شموع ہو

راغبؔ مراد آبادی

درود پہلے پڑھو پھر نبی کا ذکر کرو فضائے نور میں اُس روشنی کا ذکر کرو
خدا گواہ کہ ساری خدائی اُنؐ کی ہے انہیں سے ذکر خدا ہے انہیں کا ذکر کرو
اسی طرح تو ہے ترتیب پہلے کلمے کی خدا کے ساتھ خدا کے نبیؐ کا ذکر کرو
سناؤ مجھ کو یہ تفصیل فقر کی روداد گدانواز کی دریا دلی کا ذکر کرو
خدا کے در سے لیا اپنے در سے بانٹ دیا کوئی ہو ایسا تو ایسے سخی کا ذکر کرو
شہ اممؐ کا بدن اور نشاں چٹائی کے زبانِ اشک سے اس سادگی کا ذکر کرو

غلام آنے کو کہتا ہے جا کہو کوئی
حضور شاہؐ مری بے کلی کا ذکر کرو

حنیف اسعدی

گلبن عشق و خیابان وفا سر سبز ہے تیرےؐ نم سے، آج تک کشت حرا سر سبز ہے
خیر و برکت کا ہے گہوارہ، تری ذات جمیل تجھ سے، شہر وحی کی آب و ہوا سر سبز ہے
تیرے پیکر میں ہوئی قرآن ناطق کی نمود تیری چوکھٹ پر، شجر الہام کا سر سبز ہے
ہیں ترے قول و عمل، تعبیر و تشکیل سنن موج کوثر سے تری، کشت خدا سر سبز ہے
چہرۂ روشن ترا، باغ مدینہ کا گلاب تیرے پرتو سے، حرم کا آئینہ سر سبز ہے
تیری انگشت یقیں، شانہ کش لوح و قلم تیرے ناخن چوم کر، برگ حنا سر سبز ہے
سنگ میں پلتے ہیں ہیرے، آگ میں کھلتے ہیں پھول تجھ سے اس دنیا میں، کیا کیا معجزا سر سبز ہے
تجھ سے عثمانؓ ہیں غنی، تجھ سے علیؓ ہیں ذوالفقار تجھ سے، بوبکرؓ و عمرؓ کا سلسلہ سر سبز ہے
جگمگا اُٹھی "شب اسریٰ" کی گلیوں رہگذر فرش سے تا عرش، تیرا نقش پا سر سبز ہے
دُور تک سایہ کناں ہے رفق و رحمت کا سحاب دھوپ میں جلتے پہاڑوں کی رِدا سر سبز ہے
یہ کریمانہ بصیرت، یہ حکیمانہ شعور نم ہیں تہذیبیں، تمدن کی گھٹا سر سبز ہے

یہ علو فکر، یہ معیار تہذیب امم تیرے دم سے، کاروبار ارتقا سر سبز ہے
تجھ پہ جو پتھر اُچھالا تھا، ستم کے ہاتھ نے اب، اسی پتھر پہ پھولوں کی دعا سر سبز ہے
پندرہ سو سال سے، میں بھی اسی منزل میں ہوں تیرے قدموں کے سبب، جو راستہ سر سبز ہے
تو، مرے فن کی نمو، میرے ہنر کی تازگی تجھ سے، میرا شعلہ، حرف و نوا سر سبز ہے
قرات جبریل، کا آہنگ ہے بین السطور موجہ معنی سے، لفظوں کی قبا سر سبز ہے
مطمئن ہوں میں، خزاں دیدہ بدن رکھتے ہوئے
تیری نسبت سے، بساط مدعا سر سبز ہے

فضا ابن فیضی (بھارت)

یہ آلودہ دامن، یہ آنکھوں کا ساون، یہ قلب تپاں کی لگاتار دھڑکن
مرے ہم وطن بھی یہی تھے، یہی ہیں مرے ہم سفر اے خدائے محمدؐ!

میں احرام بردوش و سودا بسر ایک نازک دورا ہے پہ حیراں کھڑا ہوں
یہ کے کا رستہ، یہ طیبہ کا رستہ، میں جاؤں کدھر اے خدائے محمدؐ!

یہ کعبہ، یہ روضہ رہیں اب مرے سامنے عمر بھر اے خدائے محمدؐ!
جدائی کی بے درد صدیاں نہ آئیں کبھی لوٹ کر اے خدائے محمدؐ!

دکھایا ہے بندہ نوازی سے تو نے جو یہ اپنا در اے خدائے محمدؐ!
تو ہی اب دعاؤں کو بھی مرحمت کر قبول و اثر اے خدائے محمدؐ!

یہ کعبہ نہ زمزم یہ صحن حرم یہ مطاف و مقام و در و بام و مسعیٰ
مجھے تو ہر ایک چیز دیکھی ہوئی آرہی ہے نظر اے خدائے محمدؐ!

مجھے تو مدینے کی گلیوں میں آکر وہ راحت وہ فرحت وہ ٹھنڈک ملی ہے
کوئی آگیا جیسے پردیس سے لوٹ کر اپنے گھر اے خدائے محمدؐ!

بشر آج تک تو نے ایسا نہ پیدا کیا ہے نہ آئندہ پیدا کرے گا
عقیدہ مرا بھی یہی ہے بشر ہے وہ خیر البشر اے خدائے محمدؐ!

حکیم محمود احمد برکاتی

ہنگامِ نمود

وقت کی آنکھ
محوِ سفر تھی
مسلسل......... جلوہ بعدِ جلوہ
اور پھر یہ آنکھ اُس پر رُک گئی
جو آئینہ حُسنِ یقین تھا
جس نے دُنیا میں اپنی آمد سے پہلے
اپنے نغمے سُنے
انبیاء نے جس سے
میثاقِ وفا باندھا
آدم کی تکریم
فرشتوں کا سجدہ
خاک دانِ تیرہ کے انتشار میں زندگی کی نمو
زندگی کے مرحلے
ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف
کہکشائیں
سیارے
یہ سب خیر مقدمی مراحل تھے
اور پھر
"برخیز کہ آدم را ہنگامِ نمود آمد"
اسی ہنگام نمود کو
یوم میلاد محمد ﷺ کہتے ہیں

سید محمد ابوالخیر کشفی

افق دل سے پرے، حدِ سفر سے آگے
کون پہنچا ہے مقامات سفر سے آگے

اک سفر اور بھی ہے پائے سفر سے آزاد
اک مقام اور بھی ہے کوئے خبر سے آگے

کس کی آواز تھی اے اہلِ جہاں! اور بھی ہے
اک جہاں سلسلہ شام و سحر سے آگے

کس کا اعجاز ہے یہ، ریت کے مردہ ذرے
آن کی آن میں تھے شمس و قمر سے آگے

ہوا جولاں گہ صد ولولہ تازہ وہ دشت
قافلے غم کے گزرتے تھے جدھر سے آگے

تازیانہ ہوا ہمت کو وہاں خوف خدا
دم نکلتا تھا جہاں غیر کے ڈر سے آگے

دشت و دریا میں ہوئے قافلہ سالار وہ لوگ
ہول آتا تھا جنھیں اپنے ہی گھر سے آگے

ایک دنیا کے دلوں پر ہوا قبضہ ان کا
جو نپٹ سکتے نہ تھے اپنے ہی سر سے آگے

دم زدن میں ہوئے تہذیب و تمدن کے نقیب
جو شناسا نہ تھا خود عیب و ہنر سے آگے

نہ رہا دہر میں کوئی بھی مقابل ان کا
گر چکے تھے جو زمانے کی نظر سے آگے

ان پہ کھلتے ہیں در رحمت باری کیا کیا
جن کے آگے نہیں در آپ کے در سے آگے

دل کے انداز ہی کچھ اور ہیں اب کے انجم
ورنہ اس دشت پہ بادل کئی برسے آگے

انجم رومانی

طیبہ کے شہر نور کی جب چاندنی ملی
شمس و قمر کی ایک ہی جا روشنی ملی

بخشش کا پھول بن کے کھلی روزِ حشر میں
جو باغِ دل کو نعت کی صورت کلی ملی

عالم کو وجد آ گیا میرے درود سے
لب بستہ کائنات کو بھی نغمگی ملی

پژمردہ میری جاں تھی، سمومِ گناہ سے
آئی شمیم حب نبیؐ تازگی ملی

انؐ کو شفاعتوں کا ملا بحر بیکراں
شاید اسی سبب سے مجھے تشنگی ملی

دونوں جہاں ہیں شاہِ مدینہؐ کی سلطنت
دونوں جہاں میں صرف انھیں سروری ملی

جاتی ہے نعت کی جگہ، تو کیوں غزل کے گھر
پوچھوں گا شہر حرف میں گر شاعری ملی

لالہ صحرائی۔ جہانیاں

قدرت کا دف

وہ مسجدوں سے اذاں کی صدا بلاتی ہے
اٹھو! سحر کی کرن غافلو! جگاتی ہے
پڑھو کہ آیت قرآن کیا بتاتی ہے
خدا کو بھی مرے آقا ﷺ کی یاد بھاتی ہے

سحر نے اپنی شعاعوں سے نور برسایا
وہ آفتاب نے پرچم سنہرا بکھرایا
شفق نے لال دوپٹے کو اور پھیلایا
ہر ایک شے کے تعاقب میں پڑ گیا سایا

وہ شمع حسن کی محفل میں ٹمٹماتی ہے
مجھے تو شاہ مدینہ کی یاد آتی ہے

وہ پھول کھل کے مہکنے لگے بہاروں میں
چراغ شام فروزاں ہیں رہگذاروں میں
وہ روح مست ہوئی جاتی ہے نظاروں میں
وہ جلوے لیتے ہیں انگڑائیاں ستاروں میں

تجلی محفل انجم میں مسکراتی ہے
مجھے تو شاہ مدینہ کی یاد آتی ہے

ہوا وہ کھیت میں پودوں سے پیار کرتی ہے
قمر سے آنکھیں چکوری وہ چار کرتی ہے
وہ چھیڑ چھاڑ گلوں سے بہار کرتی ہے
فضا میں وقت کی گھڑیاں شمار کرتی ہے

صدا پپیہے کی الفت کا رس پلاتی ہے
مجھے تو شاہ مدینہ کی یاد آتی ہے

وہ آسمان پہ تاروں کا جگمگانا ہے
وہ سبز سبز درختوں کا لہلہانا ہے
وہ گلستاں میں بھی کلیوں کا مسکرانا ہے
وہ ٹہنیوں پہ پرندوں کا چہچہانا ہے

نسیم صبح ہر ایک راہ گنگناتی ہے
مجھے تو شاہ مدینہ کی یاد آتی ہے

وہ دیکھ موج بغلگیر ہیں کناروں سے
وہ جھینگروں کی صدا آتی ہے مزاروں سے
وہ ناؤ بہتی چلی جاتی ہے سہاروں سے
وہ جگنوؤں کی چمک بن گئی شراروں سے

خموش رات وہ قدرت کا دف بجاتی ہے
مجھے تو شاہ مدینہ کی یاد آتی ہے

صبا کا جھونکا وہ غنچوں کو گد گداتا ہے — خیال ان کا دل و جسم کو جگاتا ہے
نقاب شب کو رخ صبح سے ہٹاتا ہے — وہ مست بھونرا کہ بکل ہے گنگناتا ہے

چمن میں اوس وہ پھولوں کا منہ دھلاتی ہے
مجھے تو شاہ مدینہ کی یاد آتی ہے

بکل النسائی

مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کا دار القیام

بلند حضرت ایوب کا ستارا ہوا — کہ اک چراغ بھی سورج کا استعارا ہوا
گلی گلی نظر انداز کر گیا ناقہ — انھیں کے گھر پہ پہنچ کر ٹھہر گیا ناقہ
اسی زمیں کی دعا کو قبول ہونا تھا — اسی مکان کو بیت الرسولؐ ہونا تھا
یہی مکان بنا مرکز درود و سلام — ملائکہ کی گزر گاہ بن گئے در و بام
اسی زمین کو تعبیر خواب ہونا تھا — اسی کی خاک کو اک دن گلاب ہونا تھا
کسی بزرگ کے ارمان اس دیار میں تھے — وہ مر چکے تھے مگر خواب انتظار میں تھے
انھیں حضورؐ کی بعثت کی آرزو تھی بہت — نظر میں اپنے صحیفوں کی آبرو تھی بہت
یقین تھا انھیں توریت کے حوالے کا — کہ انتظار تھا اک ایسے آنے والے کا
جو آسمانی بشارت کا آئینہ ہو گا — مدینہ آئے گا نام اس کا مصطفیٰؐ ہو گا
اٹھے گا یوں کہ وہ چھا جائے گا زمانے پر — جھکیں گے دونوں جہاں اس کے آستانے پر
کہیں گے اہل جہاں آخری رسول اسے — مگر کریں گے نہ مشرک کبھی قبول اسے
نکل کے اپنے وطن سے وہ آئے گا اک دن — وہ عمر بھر کو مدینہ بسائے گا اک دن
اسی بزرگ نے اک آستاں بنایا تھا — یہ دردِ عشق تھا جس نے مکاں بنایا تھا
اسی امید پہ روشن رہا چراغ ان کا — اسی خیال میں الجھا رہا دماغ ان کا
مگر یہ لمحہ نہ ان کی حیات میں آیا — وہ نورِ ذات نہ اس کائنات میں آیا
چراغ ان کا ہواؤں میں جھلملانے لگا — خیال موت کا جب ان کے دل میں آنے لگا
تو اک وصیت آخر لکھا کے چھوڑ گئے — مدینے والوں کو شاہد بنا کے چھوڑ گئے
انھیں میں تھے کوئی ایوب کے گھرانے کے — کہ انتظار میں تھے جو نبیؐ کے آنے کے

نبیؐ کے نام ہبہ تھا یہی مکان تھا وہ
نصیب ہونی تھی تعبیر خواب صدیوں میں
فروغِ نورِ رسالت اسی زمیں سے ہوا
مدینہ شہرِ رسالت پناہ ٹھہرا ہے
یہاں سموم بھی، بادِ بہار لگتی ہے
یہاں چٹان بھی ریشم دکھائی دیتی ہے

یہاں کی شام پہ سورج نثار ہوتا ہے
یہاں کی دھوپ بھی لگتی ہے چاندنی کی طرح
یہاں کھجور کی شاخوں پہ چاند اترتا ہے
یہاں پہاڑوں سے آتی ہے پھول کی خوشبو
فرشتے اُڑ کے یہاں آسماں سے آتے ہیں
مدینہ دل کی طرح جسم کائنات میں ہے
مدینہ اپنی مساجد کا کیا شمار کرے
زمیں نے کتنے عروج و زوال دیکھے ہیں
چڑھے ہوئے کئی دریا اتر گئے لیکن
سماعتوں میں اذانِ بلالؓ طاری ہے
صدائے غیب چٹانوں کو چیر جاتی ہے
مدینہ آخری منزل رسولؐ پاک کی ہے
"یہ اعترافِ حقیقت ہے شعر گوئی نہیں
اب اس کے بعد، قصیدے میں کیا کہا جائے

تھا جو امین وصیت یہ خاندان تھا وہ
طلوع ہونا تھا اک آفتاب صدیوں میں
مدینہ نام جو یثرب کا ہے، یہیں سے ہوا
مدینہ نور کی ایک بارگاہ ٹھہرا ہے
یہاں کی ریت درِ شاہوار لگتی ہے
یہاں زمین کی دھڑکن سنائی دیتی ہے

ازل کا نور یہاں آشکار ہوتا ہے
یہاں سکوت برستا ہے راگنی کی طرح
کہ آسمان زمیں کو سلام کرتا ہے
ہوائیں ہوتی ہیں زلفِ رسولؐ کی خوشبو
چراغ بن کے یہاں کہکشاں سے آتے ہیں
یہ ایک سکۂ زر، کاسۂ حیات میں ہے
یہاں خدا بھی اذانوں کا انتظار کرے
اس آئینے نے بہت ماہ و سال دیکھے ہیں
نہ جانے کتنے زمانے گزر گئے لیکن
دل و نگاہ پہ فیضِ رسولؐ جاری ہے
یہیں سے ہو کہ ابد کی لکیر جاتی ہے
یہ شمعِ نور، امانت یہیں کی خاک کی ہے
خدا کے بعد نبیؐ ہیں پھر اور کوئی نہیں
قلم کو چوم لیا جائے، چپ رہا جائے

قیصر الجعفری (بھارت)

اے شہنشاہ حرم، سید مکی مدنی
معدن جود و کرم سید مکی مدنی

آپ کے شہر میں ہے آج مرا آخری دن
دل ہے مغلوب بہ غم سید مکی مدنی

پیش خدمت ہوں کہ میں آپ سے رخصت لے لوں
کرلوں اک نعت رقم سید مکی مدنی

آپ ہی خاصہ خاصانِ رسل، شاہ بشر
اور گنہگار ہیں ہم سید مکی مدنی

آپ سا محسن و شافع نہ زمانے میں کوئی
ہم طلبگار کرم سید مکی مدنی

آپ کے آخری خطبے سے ہوا ہے قائم
ابن آدم کا بھرم سید مکی مدنی

ہوں گناہگار شفاعت کی نظر مانگتا ہوں
کیجیے چشم کرم سید مکی مدنی

آپؐ کے فیض سے دھل جائے مرا کاسہ دل
دل ہے آلودۂ سم سید مکی مدنی

عرض انور ہے اے آپؐ عنایت کیجیے
درد دل جو نہ ہو کم سید مکی مدنی

ڈاکٹر انور سدید

آئینہ آئینہ عکس نور خدا اور محمدؐ
روشنی کا ازل سے ہے اک سلسلہ اور محمدؐ

عرش منزل سفر، ماورا فکر و ادراک سے بھی
زیر پائے سفر سدرۃ المنتہا اور محمدؐ

مہر تصدیق منشور انسانیت پر ابد تک
عرش کی گفتگو درمیان خدا اور محمدؐ

اے خدا میری امت کو روز جزا بخش دینا
تھی لبوں پر یہی اک مسلسل دعا اور محمدؐ

آپ کے در کی آقاؐ غلامی ہے میری سلامی
ورنہ اے دل کہاں تشنہ بے نوا اور محمدؐ

عالم تاب تشنہ

بھروں جھولی در خیر البشرؐ سے
حکم سے فہم سے علم و ہنر سے

اڑا کر لے چلے طیبہ کی جانب
یہی ارمان ہے اپنی مشت پر سے

لٹاؤں گوہر اشک ندامت
مجھے نسبت ہے ان کے سنگ در سے

اندھیرے چھٹ گئے پھیلا اجالا
دلوں کے در کھلے لطف نظر سے

وہ اک لمحہ جوان کے در پہ گزرا
مرا حاصل ہے مسلم عمر بھر سے

ع س مسلم۔

آپ ہی ابتدا آپ ہی انتہا' یا نبیؐ یا نبیؐ
آپ ہی نقطہ اور آپ ہی دائرہ' یا نبیؐ یا نبیؐ

جس کی آغوش میں وسعت دو جہاں ازکراں تاکراں
آپ ہیں درحقیقت وہی دائرہ ' یا نبیؐ یا نبیؐ

حرف کے ظرف میں اتنی وسعت کہاں' اتنی طاقت کہاں
کر سکے جو بیاں تیرے اوصاف کا' یا نبیؐ یا نبیؐ

آپ سے دور ہوں' غم کے گھیرے میں ہوں اور اندھیرے میں ہوں
اپنی ضو بھیج اے نیر حق نما' یا نبیؐ یا نبیؐ

میری ناداریوں کی نہیں کوئی حد' یا نبیؐ المدد
میں طلب ہی طلب تو عطا ہی عطا' یا نبیؐ یا نبیؐ

ختم ہوتی نہیں راہ کی مشکلیں' سخت ہیں منزلیں
جز ترے کون ہو اور مشکل کشا' یا نبیؐ یا نبیؐ

اب جوازن حضوری مجھے بھی ملے غنچہ دل کھلے
آرزو کچھ نہیں اور اس کے سوا' یا نبیؐ یا نبیؐ

جمال پانی پتی

بروح طیب و طاہر درود پڑھتے ہوئے
رواں ہیں طیبہ مسافر درود پڑھتے ہوئے

تجلیات کے اسرار میں نہائے ہوئے
درود خواں ہوئے حاضر درود پڑھتے ہوئے

سلام گنبد خضراء کی شان رفعت کو
نظر اٹھاتے ہیں زائر درود پڑھتے ہوئے

سلام کہتے ہوئے باد شام چلتی ہے
سحر کو آئے ہیں طائر درود پڑھتے ہوئے

مراقبے میں کبھی کی جو سیر ہفت افلاک
ملے تمام مناظر درود پڑھتے ہوئے

بڑے ہی کام کا نکلا ہے ورد نام نبیؐ
ملے کرم کے ذخائر درود پڑھتے ہوئے

خدائے پاک کی رحمت کے پاس ہوتے ہیں
در حضورؐ پہ زائر درود پڑھتے ہوئے

ریاض خاتمہ بالخیر ہو مدینے میں
جو آئے ساعت آخر درود پڑھتے ہوئے

ریاض مجید

ذکر رسول رب سے شب آرائیاں ہوئیں — وابستہ ان سے دہر کی رعنائیاں ہوئیں
دل شاد ان کے نام کی تسبیح سے ہوا — آباد ان کے اسم سے تنہائیاں ہوئیں
اس شہر علم و بحر فراست کے سامنے — شرمندہ ہر زمانے کی دانائیاں ہوئیں
ہم پا شکستہ رہگذر غم میں تھے مگر — کیا کیا ہماری حوصلہ افزائیاں ہوئیں
اسرار کائنات کھلے جتنے دہر پر — ثابت کلام پاک کی سچائیاں ہوئیں
دہلیز مصطفیٰ پہ پہنچنے کی دیر تھی — پھر وہ ہم عاجزوں کی پذیرائیاں ہوئیں
آنکھوں میں بس گئے ہیں مدینے کے بام و در — اس خاک سے عجیب شناسائیاں ہوئیں
محسن ہماری عزتیں قائم انھیں سے ہیں — چھوڑا انھیں تو دہر میں رسوائیاں ہوئیں

محسن احسان

آسان ہو کچھ منزل عرفان محمدؐ — مل جائے اگر گوشہ داماں محمدؐ
بخشی دل انساں کو مئے حرمت انساں — اللہ رے اللہ رے احسان محمدؐ
کیوں چھائے کسی قریہ ہستی پہ اندھیرا — ہو جلوہ فگن جب رخ تابان محمدؐ
اے جاں طلب! تو نے کبھی غور کیا ہے — جو کچھ بھی رہا ہے سر و سامان محمدؐ
ہم دولت کونین کو ٹھکراتے رہے ہیں — ہم روز ازل سے ہیں غلامان محمدؐ
اللہ کے بندوں کو ستانا نہیں اچھا — ہے نقش مرے دل پہ یہ فرمان محمدؐ
دوری در والا سے اگر ہے تو جہنم
جنت ہے سحر لطفِ فراوانِ محمدؐ

سحر انصاری

دونوں جہاں ہیں جس کے سوالی — ہم نے وہ دولت طیبہ میں پالی
آپؐ کی باتیں سب سے ارفع — آپؐ کا رتبہ سب سے عالی
آپؐ کی صورت آپؐ کی سیرت — یہ بھی مثالی وہ بھی مثالی
خالی ہاتھ کہاں پلٹا ہے — آپؐ کے در سے کوئی سوالی
سارے صحابہؓ نجم ہدایت — سب میں نرالی شانِ بلالؓ
ساجد ایسی نعت سناؤ
داد دیں جس کی محسنؔ و حالیؔ

ساجد صدیقی لکھنوی (لکھنو بھارت)

خیر البشرؐ خیر البشرؐ

خلوت غم کو تصور سے سجا دیتا ہے کون
آنسوؤں کے جگنوؤں پر مسکرا دیتا ہے کون
ڈوبنے لگتا ہے دل تو آسرا دیتا ہے کون
لو چراغِ زندگانی کی، بڑھا دیتا ہے کون
ہر ہجوم غم میں دل کو آسرا دیتا ہے کون

کون سمجھے گا یہ مبہم سا اشارا' عشق میں
دور تر ہوتا ہے طوفاں میں کنارا عشق میں
لو، میں کہتا ہوں کہ وہ جیتا' میں ہارا' عشق میں
کون ہے، مجھ کو جو دیتا ہے سہارا' عشق میں
بجھنے لگتا ہے مرا دل تو صدا دیتا ہے کون

جان کیوں چھڑکے نہ دنیا' اُس کی اک اک بات پر
بیعت پیر مغاں کی' ہاتھ رکھ کر ہات پر
دن بھی یورش کر رہا ہے اب اندھیری رات پر
رقص میں ہیں چاند تارے' پردہ ظلمات پر
شامِ شہر عشق میں شمعیں جلا دیتا ہے کون

ہر سفر پر پیچ یا منزل نما ہو' کچھ بھی ہو
واقعہ ہو' سانحہ ہو' حادثا ہو کچھ بھی ہو
وہ کوئی چہرہ ہو یا پھر آئنا ہو کچھ بھی ہو
وادی ایمن ہو یا غار حرا ہو' کچھ بھی ہو
مختلف اُسلوب میں دل کو صدا دیتا ہے کون

کون ہے روحانیت کا نغمہ گر خیر البشرؐ۔ کون ہے نوعِ بشر کا راہ بر' خیر البشرؐ
کون ہے ہر دور کا پیغام بر خیر البشرؐ۔ کون ہے خیر البشرؐ' خیر البشرؐ خیر البشرؐ
دل سے نقشِ ماسوا یکسر مٹا دیتا ہے کون

عنوان چشتی (بھارت)

آنکھ کا روزن بند کریں اور دل کا دریچہ باز کریں
یادِ نبیؐ میں آؤ ہم بھی نعت نئی آغاز کریں

پلکوں پر اشکوں کو سجا کر چھیڑیں راگ جدائی کا
دل کی لحظہ لحظہ دھڑکن کو ان کا ہمراز کریں

پورے شہر وجود میں گونجے نام محمدؐ صلِ علیٰ
روح کے گنبد میں اک لحمہ پیدا یہ آواز کریں

ہم بھی آپؐ کی امت میں ہیں ہم بھی آپؐ سے بیعت ہیں
اس خوش اقبالی پر اتنا کم ہے جتنا ناز کریں

آنکھیں سبز ہرے گنبد کی روز تلاوت کرتی ہیں
ہم کو اذن حضوری دے کر حضرت اور اعزاز کریں

آپ کے نقش کفِ پا سے جو بستی مایہ دار ہوئی
ہم بھی اس میں سر کے بل چل کر سر کو افراز کریں

فہرستِ خدام میں بے شک سب سے نچلا درجہ دیں
لیکن ہم کو پاس بلا کر مستقلاً ممتاز کریں

تحسین فراقی

کیسے رکھتا عرش پر محبوب سے رب فاصلہ
روشنی سے روشنی مل جائے تو کب فاصلہ

فرش سے تا عرش نبضِ وقت ساکت ہو گئی
ایک پل میں ختم تھا معراج کی شب فاصلہ

آنکھ میں اشک ندامت اور لب پر تھا درود
بس اسی رختِ سفر پر طے کیا سب فاصلہ

اہل طیبہ اور مجھ میں صرف اتنا فرق ہے
اُن کا ہے اعزاز قربت میرا منصب فاصلہ

چومتے ہیں مصطفیٰؐ کے نام پر میری زباں
رکھ نہیں سکتے زبان شوق سے لب فاصلہ

دور ہونے پر بھی ہے روضہ نظر کے سامنے
پھر کوئی کیسے لکھے دوری کا مطلب فاصلہ

سرورِ کونینؐ کا درس اخوت بھول کر
آدمی سے آدمی رکھنے لگا اب فاصلہ

سر جھکے تو حشر سے پہلے نہ اٹھے پھر کبھی
ان کے در سے میرے سر کا ہو نہ یارب فاصلہ

دوری طیبہ کہاں حسن تصور کے طفیل
بند کیں آنکھیں تو انجمؔ دور تھا سب فاصلہ

انجم شادانی

طبیعت خوف عصیاں سے اگر غمگین ہوتی ہے
شفاعت مصطفیٰؐ کی باعث تسکین ہوتی ہے

گناہوں پر پشیماں ہو کے جب بے ہوش ہوتا ہوں
خدا کی شان رحمت بر سر بالین ہوتی ہے

تڑپ اٹھتا ہے دل پہلو میں پھر جوش مسرت سے
نظر میں گنبد خضرا کی جب تعیین ہوتی ہے

حبیبِ کبریاؐ سے رونق گلزار ہستی ہے
اسی سے محفل کونین کی تزئین ہوتی ہے

وہی ہیں باعث فخر حبیب کبریا یوسفؔ
جنہیں شام و سحر فکرِ فلاح دین ہوتی ہے

محمد یوسف منہاس

حضورؐ پھر دل مضطر ہوا ہے اذن طلب
زمانہ ہو گیا احوال غم سنائے ہوئے

حضورؐ آج کا انساں ہے پھر نفاق زدہ
چراغ مہر و مروت ہیں سب بجھائے ہوئے

حضورؐ پھر سر افلاک بے ستارہ ہے
فضائے دہر پہ بادل ہیں غم کے چھائے ہوئے

تمام لشکر اعدا میں اپنے چہرے ہیں
یہ ہم ہیں اپنے ہی ہاتھوں سے زخم کھائے ہوئے

حضورؐ آپ ہی کیجئے قلوب کی تالیف
کہ ہم ہیں آج ہزیمت کے غم اٹھائے ہوئے

حضورؐ دور کشاکش میں ہم بھی جیتے ہیں
بس ایک آپ کی رحمت سے لو لگائے ہوئے

یہ دور تند ہواؤں کا دور ہے اس میں
چراغ جلتے ہیں بس آپ کے جلائے ہوئے

پیرزادہ قاسم

چلی ہے لے کے تری یاد مشک بار کہاں
کہاں عنایتؔ عاصی ترا دیار کہاں

یہیں پہ کاش مری زندگی کی شب ہو جائے
نصیب ہوتا ہے بیدار بار بار کہاں

بہار جاں ہے تمہارا خیال دل افروز
تمہاری یاد نہ مہکے تو پھر بہار کہاں

نظر کے سامنے آب رواں کی چادر ہے
اب اس کی اوٹ سے آئے نظر مزار کہاں

صدف سے آنکھ یہ کہتی ہے آج تیرے بھی پاس
گہر تو ہوں گے مگر ایسے آب دار کہاں

غبارِ کوئے نبیؐ سرمہ بصیرت ہے
اب اس غبار سے جائے بھلا سوار کہاں

وہ میرے واسطے راتوں کو گریہ و زاری
ملے گا آپؐ سا دنیا میں غم گسار کہاں

حضورؐ آپ کی امت کا حال ابتر ہے
نہ جانے کھو گیا اسلاف کا وقار کہاں

اور اس زوال و معصیت کے باوجود حضورؐ
یہ قوم اپنے گناہوں پہ شرمسار کہاں

سوائے طیبہ و بطحا کہاں سکون ملے
قرار پائے عنایتؔ کا قلبِ زار کہاں

عنایت علی خاں

اس کو معراجِ نظر کہیے کہ تقدیرِ نظر
سبز گنبد دیکھ کر انمول بن جاتی ہے آنکھ
لب کشائی کی ضرورت ہی نہیں پڑتی امیرؔ
ان کے در پہ خود بہ خود کشکول بن جاتی ہے آنکھ

امیر الاسلام ہاشمی

نعتیہ ماہیے

یہ تجربہ سچا ہے
اس کا ہے یزداں بھی
خادم جو نبی کا ہے

توقیر محمدؐ کی
لفظوں میں ہے میرے
تنویر محمدؐ کی

نبیوں میں ہیں وہ یکتا
پیکر روشن ہے
خود سایہ محمدؐ کا

عرفان کی منزل ہے
ارشاد ہے حق کا
انسان وہ کامل ہے

ہر زخم کا مرہم ہیں
انسان کی خاطر
وہ محسن اعظم ہیں

انور مینائی (کولار۔ بھارت)

چند کھجوریں، جو کی روٹی، ایک پیالہ پانی کا
طور طریقے درویشی کے منصب ہے سلطانی کا

مسند، منبر، گاؤ تکیہ، قصر، حویلی کچھ بھی نہیں
دیا چٹائی پر ہے روشن تہذیب عمرانی کا

خدمت گاروں کا لشکر ہے اور نہ فوج کنیزوں کی
یہ شاہی دربار ہے کوئی یا مسکن حیرانی کا

اسم محمدؐ اک صفحے پر ملا کتاب ہستی میں
جا نہ سکا پھر اس سے آگے شوق ورق گردانی کا

حکمت نے دروازہ کھولا اس امی کی دستک پر
جس کا خلق نمونہ ٹھہرا تعلیم قرآنی کا

کون و مکاں کا مقصد و محور آدم کی اولاد میں ہے
اس سے زیادہ اور شرف ہو کیا نسل انسانی کا

بھٹکی ہوئی بھیڑوں کو لانا رستے پر کچھ سہل نہیں
جانتے ہیں سب کتنا مشکل کام ہے گلہ بانی کا

سادہ پوشوں کے حلقے میں چادر اوڑھ کے بیٹھا ہے
مرہم ساز یہی ہے دیکھو ہر زخم امکانی کا

غار نشینی سے ہجرت تک کیسے کیسے موڑ آئے
پیکر رحمت سے کب چھوٹا جادہ فیض رسانی کا

الہامی باتیں کرتے ہیں شاعر بھی پیغمبر بھی
لقب انہیں گلزار ہے زیبا تمغۂ رحمانی کا

گلزار بخاری

میں چپ کھڑا ہوا ہوں دربارِ مصطفےٰؐ میں
آنکھوں سے بولتا ہوں دربار مصطفےٰؐ میں

میرا وجود جیسے گم ہو کے رہ گیا ہے
خود سے بچھڑ گیا ہوں دربار مصطفےٰؐ میں

محسوس ہو رہا ہے صدیاں سمٹ گئی ہیں
کچھ دیر ہی رہا ہوں دربار مصطفےٰؐ میں

کیا اب بھی میرے رب کا مجھ پر کرم نہ ہو گا
اب تو میں آگیا ہوں دربار مصطفےٰؐ میں

آنسو ندامتوں کے ہیں چشم تر سے جاری
چھپ چھپ کے رو رہا ہوں دربار مصطفےٰؐ میں

اللہ میری قسمت برسات رحمتوں کی
آنکھوں سے دیکھتا ہوں دربار مصطفےٰؐ میں

دل میں سما گئی ہے اپنائیت کی خوشبو
جس شخص سے ملا ہوں دربار مصطفےٰؐ میں

کرنیں نکل رہی ہیں میرے وجود سے بھی
خورشید بن گیا ہوں دربار مصطفےٰؐ میں

اعجازؔ میری مٹی اب ہو گئی سوارت
میں کیمیا بنا ہوں دربار مصطفےٰؐ میں

اعجاز رحمانی

اشکوں کی زباں اور ہے لفظوں کی زباں اور
مدحت کے لیے چاہیے انداز بیاں اور

مدحت کا تقاضا ہے کہ اللہ سے مانگو
دل اور، نظر اور، دہن اور زباں اور

کیا مدح کرے آدمی ممدوح خدا کی
بندے کا بیاں اور ہے اللہ کا بیاں اور

بالا ہے بہت نرخِ غم عشق محمدؐ
لعل و گہرائے دیدہ خونابہ فشاں اور

کعبے میں جھکا سر تو مدینے میں جھکا دل
اللہ کا گھر اور محمدؐ کا مکاں اور

سانسوں میں نہیں آئی ابھی بوئے مدینہ
کچھ دور ابھی قافلہ۔ عمر رواں اور

ہوتا ہے ایازؔ آئینہ ذہن مجلّا
مدحت سے نکھرتا ہے مرا حسنِ بیاں اور

ایاز صدیقی

نعت کے شعروں میں آتے ہی گل تر ہو گئے
حرف یوں منظر میں آئے جزوِ منظر ہو گئے

وہ انا پیکر سراپا آگ تھا جن کا...... وجود
شبنمی لہجے کی ٹھنڈک سے مسخر ہو گئے

سنگ زادوں کو ہنر کی روشنی بخشی گئی
شہر آذر کے مکیں بھی آئینہ گر ہو گئے

بے کراں اس ذاتِ عالی سے خیال و فکر کو
وسعتیں اتنی ملیں قطرے سمندر ہو گئے

دیکھ کر ذاتِ محمد سامری اوصاف لوگ
حیرتوں میں اس قدر ڈوبے کہ پتھر ہو گئے

رہ گزارِ فکر میں ان کی رفاقت کے طفیل
بار جو کل تک گراں تر تھے سبک تر ہو گئے

رفیع الدین راز

خدا دکھائے یہ منظر نبیؐ کی مسجد میں
ہو اعتکاف میسر نبیؐ کی مسجد میں

خدا کرے کہ وہ سجدہ ہو آخری سجدہ
جھکے تو پھر نہ اٹھے سر نبیؐ کی مسجد میں

گناہ گار گناہوں کی مغفرت مانگیں
بہشت کے ہیں کھلے در نبیؐ کی مسجد میں

قدم قدم پہ درود و سلام لازم ہے
عمل یہ ہو نہ مؤخر نبیؐ کی مسجد میں

ملے گی آپ کو معراج انؐ کے قدموں میں
سلام کیجئے جا کر نبیؐ کی مسجد میں

زمیں پہ عرش معلی کی زینتیں دیکھو
خدا کو پاؤ گے جا کر نبیؐ کی مسجد میں

نزول رحمت باری ہے ہر گھڑی لوگو
ہر ایک دل ہے منور نبیؐ کی مسجد میں

یہ نعت ہی مری بخشش کا آسرا ہو گی
یہ نعت اتری ہے دل پر نبیؐ کی مسجد میں

ہے چہرہ چہرہ کریمیؔ سوال اس در پر
ہے آنکھ آنکھ سمندر نبیؐ کی مسجد میں

آفتاب کریمیؔ

نعتیہ گیت

شہر طیبہ کو جاتی ہواؤ! میرے سینے سے بھی لگ کے جانا
پیش کر کے سلاموں کی ڈالی، میرا سب حال اُن کو بتانا

یہ بھی کہنا کہ رو رو کے کوئی داستاں درد کی کہہ رہا ہے
شب کے جنگل میں مدت سے آقاؐ ہجر کی سختیاں سہہ رہا ہے
بن کے اشکوں کا گہرا سمندر، اپنے الفاظ میں بہہ رہا ہے
وہ ریاضؔ آپؐ کا جو ہے شاعر، اپنے در پر اُسے بھی بلانا

شہر طیبہ کو جاتی ہواؤ! میرے سینے سے بھی لگ کے جانا
پیش کر کے سلاموں کی ڈالی، میرا سب حال اُنؐ کو بتانا

یہ بھی کہنا کہ گرداب غم میں دھوپ دشتِ بلا کی کڑی ہے
کشتیٔ ملتِ بے وسیلہ یا سیت کے بھنور میں کھڑی ہے
در بدر آپؐ کی ساری امت غیر کی ٹھوکروں پر پڑی ہے
عظمت عہد رفتہ کا مژدہ' زخم خوردہ قلم کو سنانا

شہر طیبہ کو جاتی ہواؤ! میرے سینے سے بھی لگ کے جانا
پیش کر کے سلاموں کی ڈالی' میرا سب حال اُنؐ کو بتانا

یہ بھی کہنا کہ تشنہ زمینیں آپؐ کی دے رہی ہیں دہائی
حرف مبہم سے لپٹی ہوئی ہے عہد بے نور کی نارسائی
کب ملے گی غلاموں کو آقاؐ' اس گرفت قضا سے رہائی
گنبد سبز کے زیر سایہ' رتجگا عمر بھر کا منانا

شہر طیبہ کو جاتی ہواؤ! میرے سینے سے بھی لگ کے جانا
پیش کر کے سلاموں کی ڈالی' میرا سب حال اُنؐ کو بتانا

ریاض حسین چودھری

خدا شاہد وہی سجدہ گہہ اہل وفا ٹھہرے
جبین سنگ پر سرکارؐ کے جو نقش پا ٹھہرے
مماثل تو کجا اس کے مقابل کوئی کیا ٹھہرے
وہ انساں جو صفات و ذات حق کا آئینہ ٹھہرے
تعجب کیا اگر آیات قرآنی کی چھاؤں میں
خدا کی حمد لکھوں اور نعت مصطفیٰؐ ٹھہرے
محمدؐ کے سوا ایسا کوئی بندہ نہیں دیکھا
کہ دوران عبادت شرط جسکا تذکرہ ٹھہرے
اگر نعت محمدؐ لہجہ قرآں میں ڈھل جائے
نگاہ صاحبان علم و فن میں معجزہ ٹھہرے
اسے خیر الورا' خیر البشر' خیر الامم کہئے
برائے دشمن جاں جس کے ہونٹوں پر دعا ٹھہرے
قمر شق ہو وفاؔ خورشید مغرب سے پلٹ آئے
وہ چاہیں تو چراغوں کی حفاظت پہ ہوا ٹھہرے

قمر عباس وفاؔ کانپوری

نعتیہ ہائیکو

آیا ایک بشر
سب کے لیے رحمت بن کر
لاکھوں سلام اس پر

آپ ہی مثل کتاب
ویسی دنیا، جیسا دین
بالکل ایک نصاب

جو ہے خیر الانام
نور مجسم، حسن تمام
اُس پر صلوٰۃ و سلام

عرش نشیں کا سلام
آپ ہی کی صورت میں آیا
فرش زمیں کے نام

شفیق الدین شارق

تمنا بن کے جب دل میں مدینہ جگمگاتا ہے۔

جمال سید عالم سے سینہ جگمگاتا ہے
اندھیری سوچ میں کتنے ستارے جاگ اٹھتے ہیں
تن تشنہ میں ساون کا مہینہ جگمگاتا ہے
اترتی ہے کہیں سے ہولے ہولے اک مسرت سی
نصیب قعر غم زینہ بہ زینہ جگمگاتا ہے
منارے نور کے جیسے اُبھر آتے ہیں طوفاں میں
بھنور کی دھند میں ڈوبا سفینہ جگمگاتا ہے
کبھی مہکے ہوئے کچھ لفظ ہونٹوں پر تھرکتے ہیں
کبھی پلکوں پہ کوئی آبگینہ جگمگاتا ہے
تمنا بن کے جب دل میں مدینہ جگمگاتا ہے

احمد صغیر صدیقی

تخلیقِ اوّل

روحِ کائنات کے نام

خدا نے
ایک پیکر میں
اپنا تمام تخلیقی نور بھر دینے کے بعد
جو کچھ بچ رہا
اس سے
ساتوں آسمان
سورج
چاند
ستارے
سیارے
معلوم
نامعلوم انسان
فرشتے
حور
ملائک
اور بے شمار
جنتیں تخلیق کر دیں
تاکہ
اس نور پیکر کی عظمتوں
اور اس کی توصیف کے لیے
چاروں دشاؤں سے
درود و سلام کی
بارشیں ہوتی رہیں
خدا کا تخلیقی عمل ابھی جاری ہے

افتخار امام [illegible]یقی (بھارت)

ادا اس طرح سے حق ہو شہ بطحا کی الفت کا
کھلے ایوان شخصیت میں اک گلزار سیرت کا
لکھی جائے جب ان کی نعت پھیلے نور ہر جانب
کیا جائے جب ان کا ذکر برسے ابر رحمت کا
الٰہی! نعت لکھنی ہے ترے محبوب کی مجھ کو
عطا ہو جائے مجھکو بھی سلیقہ ان کی مدحت کا
مجھے بھی سیدالکونین سے الفت کا دعویٰ ہے
پڑے مجھ پہ بھی پرتو نیرِّ بطحا کی سیرت کا
ذرا سوچا تھا ان کی زندگی کس طرح گزری تھی
کہ میرے ذہن و دل پہ کھل گیا روزن بصیرت کا
امین علم و حکمت تھے مسلماں ہر زمانے میں
کیا ہر باب لیکن آج خود پہ بند حکمت کا
فضیلت کا مسلمانوں میں اک معیار تھا تقویٰ
مدار اب ہو گیا دنیا کی دولت پہ فضیلت کا
مگر یہ تیرگیٔ زر پرستی ختم کیونکر ہو
کوئی انجم نہیں ہے مطلع دل پہ قناعت کا
اگر دل کا تعلق رحمت عالم سے محکم ہے
تو پھر ان بستیوں میں کیوں ہوا ہے راج ظلمت کا
مسائل کے یہ اژدر کیوں ڈراتے ہیں مسلماں کو
لہو پیتا ہے کیوں عفریت ہر لحظہ سیاست کا
تفاوت کیوں نہیں مٹتا ہے طرز زیست کا یارو!
کمر افلاس کی خم ہے تو سر اونچا امارت کا
اگر ہے جذبۂ حب نبیؐ میں کچھ بھی سچائی
تو پھر کیوں سرنگوں ہے آج تک پرچم صداقت کا

کہیں ہم نفس کی اپنے' پرستش تو نہیں کرتے
کہیں دھوکا تو ہم کھاتے نہیں حب رسالت کا؟

بنام عشق احمدؐ خواہشوں کو پوجتے رہنا
اڑاتے ہوں کہیں ہم خود نہ یوں خاکہ شریعت کا
انا تسکین پاتی ہے نمائش گاہ میں اکثر
برابر گرم ہے بازار ہر جانب رعونت کا
مگر اس کیفیت میں مست ہیں ہم اور نازاں ہیں
ٹپکتا ہی نہیں آنسو کبھی کوئی ندامت کا
بایں احوال شاہ بحر و بر کا ذکر جاری ہے
خیال اک لمحہ بھی آتا نہیں دل کی نفاست کا
الٰہی! آگہی کے ساتھ توفیق عمل بھی دے
کریں مدحت تو کچھ مقصد بھی سمجھیں ان کی بعثت کا
بدل دے اب تو یارب دل کی بستی کی فضائیں بھی
کہ پھر تعمیر ہو اخلاص پر ایواں مودّت کا
وہ جن کی ذات ہے وجہ وجود عالم امکاں
وہ جن کا نور ہے نقش نخستیں ساری خلقت کا
انہی کے اسوۂ کامل کو پھر اپنا سکیں ہم بھی
کہ جن کے نام سے اونچا ہے پرچم آدمیت کا
ابھی کہنا بہت کچھ تھا مجھے نعت پیمبر میں
ٹھکانہ ہی نہیں کوئی مرے مضموں کی وسعت کا
مگر یہ سوچ کر اکثر خجالت مجھ کو ہوتی ہے
کہ میں خود بھی تو ہوں مارا ہوا اپنی ہی غفلت کا
عمل کی ساعتیں ہر روز کل پر ٹلتی جاتی ہیں
عمل سے پیشتر دل منتظر رہتا ہے مہلت کا
الٰہی! اب مرے احساس کو اتنی جلا دیدے
مجھے ہو پاس ہر کلمہ مرے آقاؐ کی نسبت کا
عزیز احمد رضا خاں کا سا عشق مصطفےٰ مانگو
تو شاید حق ادا ہو جائے کچھ آقاؐ کی مدحت کا

عزیز احسن

بنورِ ساقیِ کوثرؐ جہان روشن ہے
ضمیر و قلب منور ہیں جان روشن ہے

نشانیاں تو شبِ قدر کی ہیں اس شب میں
دمک رہی ہے زمیں، آسمان روشن ہے

عطا ہوئی ہے شبِ قدر میں یہ نعت مجھے!
بہ یمن سورتِ "اقرا" بیان روشن ہے

نقوشِ پائے محمدؐ کے نور سے اب بھی
حرا و ثور کی اک اک چٹان روشن ہے

بفیضِ حمدِ خدا و درودِ پیغمبر!
زباں ہے نور فشاں اور بیان روشن ہے

نعیم اُنؐ کی شفاعت کا آسرا ہے مجھے!
شعاعِ مہرِ یقیں سے، گمان روشن ہے

سید نعیم حامد علی (مدینہ منور)

اگر میں عہدِ رسالت مآب میں ہوتا
ضرور حلقۂ عالی جنابؐ میں ہوتا

جو میری سوچ مہکتی ثنا کے پھولوں سے
تو ہر عمل مرا شاملِ ثواب میں ہوتا

مرے سوال کی لکنت پہ مسکراتے حضورؐ
کرم کا بہتا سمندر جواب میں ہوتا

اگر اعانتِ دیں کے لئے بلاتے حضورؐ
تو میرا ہاتھ بھی دستِ جناب میں ہوتا

میں ایک ایک صدا پر لپٹتا قدموں سے
جو میرا نام بھی شاملِ خطاب میں ہوتا

میں آنکھ کھول کے پھر خواب کی دعا کرتا
مرا نصیب جو بیدار خواب میں ہوتا

میں جان اپنی نچھاور حضورؐ پر کرتا
مرا بھی ذکر شہیدوں کے باب میں ہوتا

ڈاکٹر خالد عباس الاسدی (مدینہ منورہ)

قلم ہاتھوں میں لینا بعد میں۔ پہلے دعا کرنا
کہ ممکن ہو قمر سے نورِ اول کی ثناء کرنا
تیرے محبوب کی تعریف کرنے کا ارادہ ہے
خداوندا۔ گھڑی بھر کے لیے قدرت عطا کرنا
پریشاں ہوں کہ لفظوں سے کوئی لغزش نہ ہو جائے
کہ آساں تو نہیں حق نعت احمد کا ادا کرنا
پھر اس کے بعد میں ہوں اور ان کے حکم کی تعمیل
وفا کرنا۔ وفا کرنا۔ وفا کرنا۔ وفا کرنا
صدا آئی کہ جا تیرے قلم کو روشنی بخشی
کہ تعظیمِ نبی کرنا ہے تعظیم خدا کرنا
تری بندہ نوازی ہے کہ اپنے نور کو یارب
بشر مانند کر دینا پھر اس کو مصطفیٰؐ کرنا
تری رحمانیت ہی تھی کہ رحمت بن کے وہ آئے
وگرنہ کام بندوں کا تھا بندوں پر جفا کرنا
خداوندا میں عاصی ہوں۔ مریضِ خود نمائی بھی
وہ شافع ہیں۔ مسیحا تو۔ مرض کی تو دوا کرنا
قمرؔ اس وقت تو حاضر ہے پیغمبر کی خدمت میں
تو ہم سب کی طرف سے بھی کرم کی التجا کرنا

سید قمر زیدی

ازل ابد کے درمیان رشتہ قبول وہ
بنائے خلق کائنات آخری رسولؐ وہ
بلند سے بلند تر عمیق سے عمیق تر
زمیں پہ آسمان کا وسیلہ نزول وہ
ہر ایک شعبہ حیات آئینہ بنا ہوا
وہ ضابطہ بہ ضابطہ اصول در اصول وہ
طبق سب آسمان کے پرت اک اک زمین کی
لے آیا اختتام تک سفر کو دے کے طول وہ
نفاذ کفر ہر طرف' ورود جہل چار سو
بنا کے خارزار میں بنا تھا کھل کے پھول وہ
مرے تمام غم غلط درست اسکا اک ملال
مری خوشی کے واسطے رہا بہت ملول وہ

غلام مرتضیٰ راہی (بھارت)

شفیع عاصیاں تم ہو حبیب کبریا تم ہو
تمہارے دم سے ہے روشن چراغ خانہ کعبہ
کہاں دیکھے کسی نے زندگی میں آسماں ساتوں
تمہاری رحمتوں سے عاصیوں کو بھی امیدیں ہیں
وہ پچھتائیں گے جو لائے نہ ایماں تم پہ دنیا میں
تمہارے بعد کیا دعوئی کرے کوئی نبوت کا
دکھائے معجزہ شق القمر کا اور کیا کوئی
فقیروں کی طرح رہ کر بھی تم نے بادشاہی کی
یہی اک آرزو باقی رہی ہے قلب ساحرؔ میں

شہنشاہِ دو عالم ہو محمد مصطفیٰؐ تم ہو
جو جلوہ طور پر چمکا وہی نور ہدا تم ہو
شرف تم کو یہ حاصل ہے امیر الانبیاء تم ہو
یتیموں کی دعا تم ہو مریضوں کی دوا تم ہو
مسلمانوں کا روز حشر بے شک آسرا تم ہو
تمہیں ہو سب سے اول اور ختم الانبیاء تم ہو
بہر صورت یہ ثابت ہے کہ محبوب خدا تم ہو
جو مدہم ہو نہیں سکتی کبھی ایسا ضیاء تم ہو
وہاں موت آئے اس کو جس جگہ جلوہ نما تم ہو

ساحر شیوی (برطانیہ)

خامہ وحی الٰہی لیے آدم سے لکھا
اپنی اُمت کے لیے اپنا شفاعت نامہ
اپنے اخلاق سے نفرت کی بجھا دی آتش
ہجر کے زخموں کی جب آپؐ نے روداد سنی
بابِ سیرابی کو تکمیل عطا آپؐ نے کی
چہرۂ مکہ پہ فاروق کا ایمان ہے ثبت
واقعہ کن فیکوں وقت کی پیشانی پر
آپؐ نے نامہ آزادی برائے انساں

آپؐ نے متن میں سیرت اکرم سے لکھا
آپؐ نے آخرِ شب دیدہ پرنم سے لکھا
آپؐ نے دھوپ کو بھی خامہ شبنم سے لکھا
اس کا انجام سدا پیار کے مرہم سے لکھا
جد نے صحرائے عرب پر جسے زمزم سے لکھا
نعرۂ حق نے جسے خانہ ارقم سے لکھا
رب نے بھی روزِ ازل سید عالمؐ سے لکھا
راکھ ہوتے ہوئے آتش کدۂ جم سے لکھا

منصورؔ ملتانی

نعت لکھنے کا شرف جس کو عطا ہو جائے
ایسی برسات کریں آنکھیں کہ روکے نہ رکے
یہ گنہگار درِ طیبہ پہ پہنچے جس دم
مرہم شوق زیارت کا لگاتے رہیو
ہاشمی حب نبیؐ اور فزوں ہو دل میں

اہل دنیا کی نظر میں وہ بڑا ہو جائے
ذکرِ آقاؐ جو بس اک بار ذرا ہو جائے
بابِ رحمت اسی اک لمحے میں وا ہو جائے
جادۂ حق پہ اگر آبلہ پا ہو جائے
وجہ بخشش سر محشر یہ نوا ہو جائے

انور جاوید ہاشمی

تمہاری یاد سے رنگوں کا سلسلہ روشن زمین دل پہ ہوا جب سے نقش پا روشن
مسیح جان تمنا حیات نو کے امیں تمہارے در پہ جو آجائے وہ قضا روشن
وہ کالے ہاتھ کے پتھر ہی خود گواہی دیں لہولہان سراپا مگر دعا روشن
غروب ہونے لگے جب حیات کا سورج ہمارے ہونٹوں پہ ہو ذکر مصطفیٰ روشن
یہ بزم معنی و افکار والضحیٰ واللیل یہ حسن طٰہٰ و یٰسین کا سلسلہ روشن

خیال بن کے وہ آئے ہیں کعبۂ دل میں
حلیم ذہن کا غار حرا ہوا روشن

حلیم حاذق (بھارت)

نعتیہ ماہیے

روشن ہیں نگینے سے
گو شہر ہیں سب سوہنے، پر کم ہیں مدینے سے

واللہ زمانے سب
سرکارؐ کی عظمت کے گاتے ہیں ترانے سب

مولا کی عطائیں ہیں
کیسے نہ ملے جنت، آقا کی دعائیں ہیں

سرکارؐ! خبر لیجیے
گھیرا ہے مصائب نے، للہ کرم کیجیے

دو جگ ہیں تحیر میں
جبریل زبوں صیدے، واللیل تصور میں

میں بندۂ سیلانی
ہے زادِ سفر میرا، آقا کی ثناء خوانی

دل چیر کے جب دیکھا
کندہ تھے وہاں انورؔ، سرکارؐ کے نقش پا

ہے دھوم سخاوت کی
آقا! یہ گدا آنکھیں، تشنہ ہیں زیارت کی

کیا ناز عبادت پر؟
اپنا تو بھروسا ہے، آقاؐ کی شفاعت پر

جب اُن کا ہو افرماں
آجائیں گے طیبہ میں، مجھ ایسے تہی داماں

اس بات کی ہے خنکی
کونین کی الجھن کا، حل ایک نظر ان کی

یہ رمز ہے ایمانی
ان ہی کی بشریت کا ظاہر بھی ہے نورانی

کیا بات مدینے کی!
کنجی ہے جہاں حق کے، ہر ایک خزینے کی

طیبہ کی ہواؤں میں
خوشبو ہے عجب انورؔ، تا عرش فضاؤں میں

ہے لطف تلاوت میں
قرآن کی ہر آیت، آقاؐ کی ہے مدحت میں

اس شان پہ جاں واری
سرکار کی ہر نسبت، کونین سے ہے پیاری

یہی راہ ہے بخشش کی
اپنا تو سہارا ہے، سرکار کی رحمت ہی

افضال احمد انورؔ

آپؐ کے آتے ہی ہو گیا یہ جہاں — ضوفشاں، ضوفشاں، ضوفشاں، ضوفشاں
مدحِ آقا میں ہر شے ہے رطب اللساں — بے گماں، بے گماں، بے گماں، بے گماں
آپؐ ہی کے سبب سے خدا بھی ہوا — مہرباں، مہرباں، مہرباں، مہرباں
جز نبی مکرم کے رب کا ہے کون — رازداں، رازداں، رازداں، رزداں
ان کی گردِ کفِ پا کا ہے معجزہ — کہکشاں، کہکشاں، کہکشاں، کہکشاں
کس نے پیغام حق کو مکمل کیا — سرورِ مرسلاں، سرورِ مرسلاں

میرا انگ انگ سرکار ہے آپؐ کا
مدح خواں، مدح خواں، مدح خواں، مدح خواں
سب جہانوں کے سر پر فقط آپؐ ہیں
سائباں، سائباں، سائباں، سائباں
ان کی رحمت کی حد کا پتا چل گیا
بے کراں، بے کراں، بے کراں، بے کراں
نسبت شاہ سے یہ زمیں بھی ہوئی
آسماں، آسماں، آسماں، آسماں
طائرِ قلبِ جامیؔ رہے آپؐ کا!
نغمہ خواں، نغمہ خواں، نغمہ خواں، نغمہ خواں

سید معراج جامی

نکہت گل بھی وہی رونق منظر بھی وہی
سب کو سیراب جو کرتا ہے سمندر بھی وہی
انؐ کے ہی واسطے یہ لوح و قلم ارض و سما
فخر آدم بھی وہی شان پیمبر بھی وہی
میرا ماضی مرا فردا ہے انھیں سے روشن
میرے ہر دور کے خورشید پیمبر بھی وہی
نام لیتے ہی ٹھہر جاتی ہے موج سرکش
میری کشتی کا محافظ مرا لنگر بھی وہی
ذہن و احساس میں اوراک میں خوشبو ان کی
آنکھ کا نور وہی روح کے اندر بھی وہی
وہ غریبوں کی نوا ٹوٹے ہوئے دل کی صدا
بے سہاروں کے لیے اس کا محور بھی وہی
تیرہ و تار فضاؤں کے لیے ماہ مبیں
مشعل راہ وہی دین کا رہبر بھی وہی
نور ہی نور ظفر ذات گرامی انؐ کی
جن سے روشن ہوئی دنیا مرے اندر بھی وہی

ظفر اقبال ظفرؔ (بھارت)

ہر گھڑی تیری توجہ ہے مرے شامل نعت
للہ الحمد تصور ہے ترا حاصلِ نعت
محفلِ نعت سجاتا ہوں سر خلوت جاں
خلوتِ جاں کو سجاتا ہوں سرِ محفلِ نعت
حیرت آباد تجلی ہے زمین طیبہ
معتکف فکر جہاں، شوقِ جہاں مائلِ نعت
خضر راہ کہاں خامہ حسانؓ سب کا
ہر مسافر کے مقدر میں کہاں منزلِ نعت
عشق کے گولڑہ مکتب سے سند یافتہ ہوں
نسبتِ مہر علی شاہ سے ہوں فاضلِ نعت
کوئی دیکھے تو دُر افشانی طبع مواج
شعر ہیں یا دُر نایاب سر ساحلِ نعت
ڈھونڈتے ہی رہو افضل کو غزل خوانوں میں
وہ تو اک شخص تھا جو کب کا ہوا واصلِ نعت

محمد افضل خاکسارؔ

ہر گھڑی انؐ کے ذکر پر جلوے
وجد کرتے ہیں کس قدر جلوے

جب تصور کیا محمدؐ کا
ہو گئے حاصل نظر جلوے

خواب میں جب سے ان کا در دیکھا
ہو گئے میرے ہمسفر جلوے

دامن مصطفیٰؐ میں آتے ہی
ہو گئے کتنے معتبر جلوے

میں رخ مصطفیٰؐ کا شیدا ہوں
کر گئے میرے دل میں گھر جلوے

ان سے وابستگی کے باعث ہیں
اعتبار دل و نظر جلوے

یہ عطا ہیں رسول اکرمؐ کی
کیوں نہ ہوں مرکز نظر جلوے

اختر سعیدی

بدلی یوں آج وقت کی رفتار یا نبیؐ
بکنے لگی ہے رفعت کردار یا نبیؐ

اس عہد ناسپاس میں ہر سمت ان دنوں
ہے گرم حرص و آز کا بازار یا نبیؐ

کیسے کٹیں گی عمر پریشاں کی ساعتیں
ملتا نہیں ہے سایہ دیوار یا نبیؐ

تنہائیوں کے دشت میں پہنے کھڑا ہوں میں
احساس کا لباس گراں بار یا نبیؐ

جس پر فریب خوردہ بہاروں کو ناز ہو
کب آئے گی وہ صبح ضیا بار یا نبیؐ

ہم خستگان شہر معاصی ترے سوا
ہوں کس کی رحمتوں کے طلب گار یا نبیؐ

مٹ جائے ظلم و جبر کی یہ رات اور پھر
پیدا ہوں صبح خیر کے آثار یا نبیؐ

جو مصلحت زدہ ہیں زمانے کے خوف سے
دے ان لبوں کو جراتِ اظہار یا نبیؐ

اب کس کو دیں صدا کہ ہمارا جہان میں
تیرے بغیر کون ہے غمخوار یا نبیؐ

اس تیرگی میں تابشِ فکر ادیبؔ سے
روشن ہو شمعِ عظمتِ کردار یا نبیؐ

محمد احمد ادیبؔ

سوچ کا محور

وہ اک سراپا
کہ جس کو سوچوں
تو دھندلی راہوں کے پار
اک روشنی کا منبع
اور اس کی کرنوں کی طشتری سے
ہر ایک بھٹکی نگاہ پالے
ازل سے تا بہ ابد کا رشتہ

وہ اک سراپا
کہ جس کو سوچوں
تو رنگ و خوشبو بکھر سے جائیں
کنول کھلیں اور گلاب مہکیں
ہوائیں مدحت کے گیت گائیں
مجھے بتائیں
درود سے لم یزل کا رشتہ

ڈاکٹر شگفتہ شیریں

یہ روز و شب کی مسافتیں ہیں جو زندگی کی
کہیں تو اِن میں بھی ساعتیں ہوں گی حاضری کی

ہر ایک موسم کو نکہتیں بانٹتا رہیگا
وہ سبز گنبد کہ جس نے عالم میں روشنی کی

بس ان کی چشم کرم کا اک آسرا بہت ہے
وہی تو رُوداد سن رہے ہیں ہر امتی کی

اُنھی سے قائم ہے آدمیت کی شان عظمت
مثال دیتی رہے گی دنیا مرے نبیؐ کی

ہزار سورج بھی وہ اُجالا نہ کر سکیں گے
مہ عرب کی تجلیوں نے جو روشنی کی

حضور باب کرم کھلے اب تو حاضری کا
دُعاؤں میں سب سے پہلے ہم نے دعا یہی کی

رئیس اُن کے کرم سے جو آشنا ہوا ہے
اُسے طلب ہے نہ مال و زر کی نہ خسروی کی

رئیس احمد

نبیؐ کا ذکر ہے چاروں طرف فضاؤں میں
رچی ہوئی ہیں عجب خوشبوئیں ہواؤں میں

مرا بھی ذکر کیا جائے ان گداؤں میں
جو سو رہے ہیں کھجوروں کی نرم چھاؤں میں

کبوتر ان حرم خواب میں ملے ہیں مجھے
اڑا ہوں میں بھی کئی بار ان فضاؤں میں

دعا سے قبل درود اور دعا کے بعد درود
قبولیت کی سند ہے مری دعاؤں میں

دیارِ طیبہ سے رخصت کا ذکر کیا فیصلؔ
کہ واپسی کی سکت ہی نہیں ہے پاؤں میں

فیصل عظیم

کھویا کھویا ہے دل ہونٹ چپ، آنکھ نم، ہیں مواجہ پہ ہم
روبرو ان کے لایا ہے ان کا کرم ہیں مواجہ پہ ہم

لمحے لمحے پہ آیات کا نور ہے نعت کا نور ہے
نور افشاں درودی فضا دم بہ دم ہیں مواجہ پہ ہم

ایک کونے میں ہیں سر جھکائے ہوئے منہ چھپائے ہوئے
گردنیں ہیں کہ بارِ ندامت سے خم ہیں مواجہ پہ ہم

آنسوؤں کی زباں کر رہی ہے بیاں ان سے احوالِ جاں
صرف اپنا نہیں پوری امت کا غم ہیں مواجہ پہ ہم

مسکراتی ہوئی ہر تجلی ملی کیا تسلی ملی
دور ہوتے گئے سارے رنج و الم ہیں مواجہ پہ ہم

ہر اندھیرا مقدر کا چھٹنے لگا دور ہٹنے لگا
قریۂ نور میں آ گئے ہیں قدم ہیں مواجہ پہ ہم

سب طلب گار حرفِ شفاعت کے ہیں اُن کی رحمت کے ہیں
چہرے چہرے پہ ہے اک سوالِ کرم ہیں مواجہ پہ ہم

صبیح رحمانی

بہر زماں بہر زباں ﷺ

ایک مختصر تعارف

پروفیسر ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق

انوار بے شمار محدود نہیں رحمت کی شاہراد مسدود نہیں
معلوم ہے کچھ تم کو محمدؐ کا مقام؟ وہ امت اسلام میں محدود نہیں

فراق گورکھپوری

یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی بلندی کا سلسلہ آپ ﷺ کی ولادت ہی کے بعد شروع ہو گیا تھا جب کہ آپ ﷺ کا نام مبارک محمد ﷺ رکھا گیا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کو کس خوبی سے بیان کیا ہے:۔

وَ شَقَّ لَہٗ مِن اسمِہ کی یُجِلَّہٗ فذُو العرشِ محمُودٌ وَ ھٰذَا مُحَمَّدٗ

اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم مبارک اپنے نام سے مشتق کیا چنانچہ جہاں عرش والا محمود ہے تو آپؐ محمد ہیں۔ پھر آپؐ ہی جوانی میں آپ ہی کی خلق عظیم نے کفار مکہ کو اس درجہ متاثر کیا کہ سبھی آپ کو صادق اور امین کے نام سے پکارنے لگے۔ اسی دور میں نبوت سے کچھ قبل خانہ کعبہ کی تعمیر کے موقع پر سنگ اسود کے نصب کرنے کا جھگڑا نکل آیا اور قبائل کے درمیان خونریزی کی نوبت آگئی تو آپ ﷺ ہی کو ثالث مقرر کر کے آپؐ کے فیصلے پر عمل کیا گیا۔ پھر جب نبوت کا دور آیا اور آپؐ نے توحید کا پیغام قوم تک پہنچایا تو بت پرستوں کے لیے یہ بات شاق گزری آپ کی شدید مخالفت میں آپ کو شاعر' کاہن' ساحر مجنوں تو کہدیا۔ آپ کی ستودہ صفات شخصیت کی عظمت ان کے دلوں سے اب بھی نہ نکل سکی یہاں تک کہ اس حال میں بھی انہوں نے آپ کو عرب کی سیادت' دولت' امارت بلکہ بادشاہت تک پیش کی کیوں کہ انہیں آپ کی شخصی عظمت کا انکار کبھی نہیں رہا۔

آپ کی اس عظمت کے اعتراف میں اور آپ کی صفات حسنہ کو اجاگر کرنے کی خاطر نبوت سے قبل اور اس کے بعد بھی جن غیر مسلم شعرائے عرب نے اشعار کہے ان میں ورقہ بن نوفل ابو طالب اور اعشیٰ کے نام لیے جاتے ہیں۔ عرب سے جب اسلام باہر نکلا اور فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو فارسی زبان میں نعت کی مقبولیت بڑھی۔ اس کے اسباب مختلف ہیں جن کا تعلق فطری اور قومی خصوصیات سے ہے یہاں تک کہ وہ وقت بھی آگیا کہ فارسی کا قدم اس راہ میں عربی سے بھی آگے بڑھ گیا۔ یہی فارسی جب ہندوستان پہنچی تو ملکی

ادب پر اس کی روایت غالب رہیں۔ اردو زبان جس نے ہندوستان کی مشترکہ زبان کی حیثیت سے فروغ پایا اور ہندو مسلم اشتراک نے اس کی ترقی میں حصہ لیا در اصل اس فارسی کی ساختہ اور پرداختہ ہے۔ انگریزوں نے سیاسی مصالح کی بناء پر لاکھ کوشش کی ہندو مسلم یکجہتی کے رشتے کو مٹا دیں لیکن وہ اس میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے اور یہ رشتہ قائم رہا اور آج بھی قائم ہے۔"

اردو زبان نے جس سرعت سے ترقی کے مدارج طے کئے اس کی مثال دنیا کی کسی اور زبان میں نہیں ملتی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اردو کی پرداخت کے لیے ایسے مربی مل گئے جو فارسی کے علمائے علم و ادب کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ انہیں کی آغوش میں اردو پروان چڑھی۔ یہی راز اردو زبان و ادب کی حیرت انگیز ترقی کا ہے۔ بایں ہمہ اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر زبان اپنی ملکی روایات اور ملکی مزاج کو لیکر ابھرتی ہے۔ اردو زبان نے بھی اپنی انفرادیت باقی رکھی اور جو بھی اثر فارسی کا قبول کیا اپنے اصل مزاج کو قائم رکھ کر قبول کیا۔ اردو نے نعتیہ شاعری بھی اسی راہ سے داخل ہوئی اور اردو نعت پر فارسی نعت کی روایات غالب رہیں یہی روایات اردو کا ادبی مزاج بلکہ مذہب بن گئیں۔ اس ادبیات کے مذہب کو سبھی نے قبول کر لیا اور اس میں ہندو اور مسلمان کا امتیاز مٹ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دیگر اصناف سخن کے ساتھ نعت کے فروغ میں بھی ہندو اور مسلمان دوش بدوش رہے۔ کلام کی ابتدا حمد نعت اور منقبت سے کرنا قرار پایا۔

غرض یہ کہ نعت کو ایک صنف شاعری اور فن کی حیثیت سے سبھی اردو شعرا نے اپنایا اور مذہب اور عقیدہ اس میں مانع نہ آیا بلکہ نعت خود شاعر کا عقیدہ بن گئی۔ اردو کی نعتیہ شاعری کا کوئی دور ایسا نہیں ہے جس میں ممتاز غیر مسلم نعت گو شعراء نہ پائے جاتے ہوں۔ راجا مکھن لال مکھن، منشی شنکر لال ساقی، کشن پرشاد شاد، درگا سہائے سرور، دلورام کوثری، عرش ملسیانی، پروفیسر جگن ناتھ آزاد وغیرہ نعت گو شعراء میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ بہر حال غیر مسلم شعراء کا میلان طبع نعت گوئی کی طرف جس وجہ سے بھی رہا ہو اس کی بنیاد طبیعت کی سلامت روی اور من پسندی ہے۔ جب یہ طبقہ نعت گو شعراء کی برادری میں شامل ہو گیا تو ہمارا بھی مذہبی، ادبی، علمی، اور اخلاقی فرض ہے کہ ہم ان کے نعتیہ کلام کو روشنی میں لائیں۔ مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کو پاکستان میں نعتیہ ادب کے ہر پہلو پر اس کے فروغ اور اس کی تشہیر کے سلسلے میں جو کام ہو رہا ہے وہ نہایت حوصلہ افزا ہے۔ میں جب موجودہ دور کو دیکھتا ہوں اور سنہ ۱۹۲۴ء کو یاد کرتا ہوں جب کہ میں نے اس موضوع پر پی ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری کے لیے کام شروع کیا تھا تو محسوس کرتا ہوں کہ اب تو دنیا ہی بدل گئی۔ پاکستان میں نعت کی ایک نئی دنیا آباد ہو گئی۔ اس تبدیلی کے اسباب پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ برصغیر کے مسلمانوں نے جو حکومت الٰہیہ کے قیام کا خواب دیکھا تھا وہ تو خواب و خیال ہی رہا مگر شاید یہ وہی

جذبہ ہے جو سیاسی دنیا سے کنارہ کش ہو کر اپنی تسخیر کے لیے علم و ادب کی دنیا میں آگیا اور نعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نظام مصطفوی کا بدل بنالیا۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ آج پاکستان کی شعری دنیا پر نعت کی حکمرانی ہے۔ اس کے شعراء اس کے سیرت نگار کے اس کے اپنے دیگر علمی اور ادبی مشاغل کے ساتھ اپنی صلاحیتیں نعت نبیؐ کے فروغ میں صرف کر رہے ہیں۔ وہ سب حبِ رسولؐ کے جذبے سے سرشار ہیں۔ ان میں کم عمر بھی ہیں، جوان بھی ہیں ادھیڑ عمر کے بھی ہیں اور بوڑھے بھی ہیں مگر نعت کے تعلق سے حبِ رسولؐ کے جذب و شوق میں سب نوجوان ہیں ایسے صاحب توجہ کہ جن کی مختصر سی مبارک صحبت نے مجھے اپنا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا۔ اس دور میں نعتیہ ادب پر پاکستان میں جس لگن اور خلوص سے کام ہو رہا ہے اسے دیکھ کر خوشی بھی ہوتی ہے اور رشک بھی آتا ہے۔

اس نعت کی نئی دنیا کے رہنے والے اولوالعزم نفوس میں ہمارے محترم جناب نور احمد میر ٹھی بھی ہیں جو نعتیہ ادب کو فروغ دینے میں جان و دل سے لگے ہوئے ہیں۔ ان کی زیر نظر گراں قدر تالیف "بہر زماں بہر زباں ﷺ" غیر مسلم نعت گو شعراء کا جامع تذکرہ ہے جو موصوف کی علمی اور ادبی تحقیق کا قیمتی سرمایہ ہے۔ اس میں جملہ ۳۳۶ غیر مسلم نعت گو شعراء کے حالات اور کلام کے نمونے درج ہیں۔ حسب ضرورت مختصر تبصرہ بھی شامل کیا گیا۔ جہاں شاعر کے حالات دستیاب نہ ہو سکے وہاں فقط کلام کا نمونہ دیدیا گیا ہے۔ گویا یہ تحقیقی کام زمانہ قبل اسلام سے لیکر آج تک غیر مسلم نعت گو شعراء کی تاریخ ہے۔ شروع میں جناب ڈاکٹر جمیل جالبی کے پیش لفظ کے بعد پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا ابتدائیہ ہے۔ پھر مؤلف کے قلم سے مقدمہ کے طور پر غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کی تاریخ اور اس کا تجزیہ ہے جو نہایت دقیع اور مفید تحقیقی کام ہے۔

موصوف نے اپنے اس مقدمہ میں نعت کی تعریف بھی بیان کی ہے' نعت کی اصل سے بھی بحث کی ہے اور نعت کی عمومی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ غیر مسلم نعت گو شعرائے کلام پر یہ ایک جامع تبصرہ بھی ہے جس میں موضوع کے گوناگوں پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور معلومات کا ایک خزانہ جمع کیا گیا ہے۔ جو مواد فراہم کیا گیا ہے اسے نہایت خوش اسلوبی سے دلکش انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مصنف نے نعت کو مسلمانوں کی عقیدت اور ایمان کا مظہر قرار دیا ہے اور اسے غیر مسلموں کے لیے بین المذاہب یکجہتی کی علامت کہا ہے۔ اس طرح انہوں نے نعت کے عمل کی وسعت کی صحیح شناخت کی ہے۔

اس کتاب میں دنیا کی مشہور تیرہ زبانوں کے کئی شعراء شامل ہیں جن کے کلام کے نمونوں کے

ساتھ ان کے ترجمے بھی دیے گئے ہیں۔

جناب نور احمد میرٹھی کی زیر نظر تالیف "بہر زماں بہر زباں ﷺ" دقیع تحقیقی کام کے علاوہ ایک اہم تبلیغی کارنامہ بھی ہے جس کے ذریعے موصوف نے سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے اس حقیقت کو اور زیادہ اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کرۂ ارض پر مسلمانوں کے علاوہ ایک ایسا بیدار مغز حق پسند اور صاحب فکر و نظر انسانوں کا طبقہ زمانۂ قدیم سے رہا ہے اور آج بھی ہے جس نے کسی نہ کسی درجے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی اور شخصی عظمت کو پہچانا اس کا ادراک کیا اس کا اعتراف کیا اور فکر سخن کی راہ سے اس کا اعلان بھی کیا۔ ان حضرات کا تذکرہ اور ان کا تعارف علمی اور ادبی فریضے کے علاوہ دینی فریضہ ہے جو موصوف نے انجام دیا ہے۔ یہ کام اسلام کی حقانیت اور صداقت کی شہادت میں ایک اہم دستاویز اور قوی دلیل ہے جو دنیا کے سامنے پیش کی گئی ہے۔

یہ بات کسی اہل قلم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جو کام محترم و مکرم جناب نور احمد میرٹھی نے انجام دیا ہے اس کے لیے نعت سے شغف اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دلی وابستگی کے علاوہ وسعت مطالعہ گہری علمی قابلیت' خداداد ذہانت و ذکاوت' عزم و استقلال' صبر و تحمل سبھی درکار ہیں۔ بحمد للہ موصوف ان تمام صعوبتوں اور مشکل مراحل سے کامیاب گزر گئے۔ اُن کا یہ تحقیقی کارنامہ اُن کی اعلیٰ علمی قابلیت' بلند تحقیقی مذاق' دینی تڑپ' نعت سے گہری دلچسپی' درک و بصیرت اور اولوالعزمی کا ثبوت ہے جو معنوی اور صوری حسن و جمال سے آراستہ و پیراستہ ہو کر منظر عام پر آیا ہے جسے دیکھ کر اور پڑھ کر دلی مسرت ہوئی ہے۔ بلکہ ایمان میں تازگی پیدا ہوئی۔

مجھے یہ عرض کرتے ہوئے خوشی ہے کہ جناب نور احمد میرٹھی نے اس دقیع تحقیقی کارنامے کے ذریعے نہ صرف اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے راہ ہموار کی ہے بلکہ نعت سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے معلومات کا قیمتی ذخیرہ فراہم کیا ہے۔ میں تہِ دل سے موصوف کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اس کام کے ذریعے نور احمد کی روشنی دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل جائے۔

برلبِ کوثر

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی

مسلمان اپنے اسلامی عقائد اور پیغام کو لے کر جب ساری دنیا میں پھیل گئے تو وہ جہاں بھی گئے مقامی تہذیبوں سے متاثر ہونے کے باوجود، جس چیز نے انھیں دوسری تہذیبوں سے ممتاز و ممیز رکھا وہ توحید و رسالت کا عقیدہ تھا۔ توحید کا جزوی تصور تو دوسرے مذاہب میں تھا لیکن رسالت کا تصور ان کے یہاں موجود نہیں تھا۔ رسولِ اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ کا نبی برحق ماننا، ان کی تعلیمات اور ان کے نمونۂ زندگی کی پیروی کرنا اور ان کی ذات سے غیر معمولی محبت کرنا، ایمان بالرسالت کا اصل مفہوم ہے۔ اسلام کے ان بنیادی عقائد نے زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کیا۔ جہاں ہماری معاشرت بدلی، معاشیات و سیاسیات میں تبدیلی آئی وہیں تہذیب و تمدن و ثقافت بھی متاثر ہوئی۔ خصوصاً فنونِ لطیفہ و شعروادب نے گہرا اثر قبول کیا۔

ادبیاتِ اسلامی میں ربِ ذوالجلال کی "حمد" اور اس کے حضور "مناجات" کو بڑا مرتبہ حاصل ہے مگر "و رفعنا لک ذکرک" کی تفسیر و تعبیر "نعت شریف" کی بے پناہ مقبولیت کی صورت میں سامنے آئی۔ ایک مسلمان کے نزدیک خدا کے بعد سب سے زیادہ محبت کی مستحق آنحضرت ﷺ کی ذاتِ مبارک ہے جو دین و دنیا کی تمام خیر و برکت کا باعث ہے۔ چنانچہ دنیا بھر کے مسلمان خواہ وہ کسی بھی خطہ و علاقہ کے رہنے والے ہوں اور وہ جو بھی زبانیں بولتے ہوں اُن میں نعتیہ ادب کا وجود ایک فطری امر ہے۔

اردو میں نعت کا فن عربی اور فارسی زبان کے زیرِ اثر آگے بڑھا ہے۔ نعت گوئی کی ابتدا یوں تو عربی زبان سے ہوئی ہے، عربی زبان نے اپنی دوسری خوبیوں کے ساتھ فارسی شاعری کو نعت گوئی کا فن بھی عطا

کیا۔ فارسی زبان نعت گوئی اور مدحِ رسول ﷺ میں سب سے زیادہ خوش نصیب اور سرمایہ دار ہے۔ اس موضوع پر جتنا پُر سوز و مؤثر، زندہ و تابندہ، نرم و شیریں اور والہانہ انداز کا کلام فارسی زبان میں ملتا ہے، اتنا کسی اور زبان میں نہیں۔ ہاں اس کے بعد اردو زبان کا نمبر آتا ہے جو خود فارسی ادب کی خوشہ چیں بلکہ ایک لحاظ سے اس کی پیداوار ہے۔ اردو میں نعت گوئی کی روایت نئی نہیں بہت پرانی ہے۔ اتنی ہی پرانی جتنی کہ خود اردو شاعری ہے۔ قدیم دکنی شعرا سے لے کر آج تک اردو کا شاید ہی کوئی شاعر ہو جس نے نعتیہ اشعار نہ کہے ہوں۔ عصر حاضر میں تو نعت گوئی کا ایک مضبوط رجحان پیدا ہوا ہے۔ جو اب تحریکِ نعت کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ بے شمار شعرا نے اپنے فکر و فہم کے مطابق سرورِ کائنات ﷺ کے حضور اردو کی مختلف اصنافِ سخن اور جدید شعری ہیئتوں میں اپنے حسنِ ارادت کو لفظوں کا جامہ پہنایا ہے۔

جناب کوثر جعفری بھگلی اس دور کے ایک ایسے ہی خوش قسمت شاعر ہیں، جنہوں نے دوسری اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کے ساتھ ساتھ والہانہ وار فتگی کے ساتھ نعتیہ اشعار بھی کہے ہیں۔ حال ہی میں ان کی غزلوں کا مجموعہ "موجِ سخن" کے عنواں سے شائع ہوا ہے اور اب اُن کا ایک نعتیہ مجموعہ پیشِ نظر ہے جو عنقریب زیورِ طبع سے آراستہ ہونے والا ہے۔ کوثر جعفری کے لہجے میں ایک انکسار اور آنکھوں میں جو شرافت ہے اِن دونوں کے مجموعے کو ہی ادب کہتے ہیں کیوں کہ ؎

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

اسی ادب نے انہیں نعت گو بنادیا ہے۔ جن کی نعتوں میں روایتی اسلوب و انداز کے باوجود جذبے کی سچائی، احساس کی شدت اور بے پایاں خلوص ہے۔ جس میں بحرِ محبت کی طغیانی و آبشارِ عقیدت کی روانی ہے۔

کوثر جعفری کی نعتیہ شاعری دل کی شاعری ہے۔ جو دل والوں کو متاثر کرتی ہے۔ ان کی نعتوں میں جذبہ کی صداقت کے ساتھ ساتھ اظہار کا سلیقہ اور انتہائی احتیاط بھی موجود ہے۔ نعتیہ شاعری ہمیشہ سے ہی "با محمد ہوشیار" کا تقاضا کرتی ہے۔ نعت کی دنیا بھی ایسی ہے جس میں ہر ایک کے لیے لازمی ہے کہ جوشِ عقیدت میں ان حدود کو تجاوز نہ کر جائے جو اسلام نے مقرر کیے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ نعت نگاری تلوار کی دھار پر چلنا ہے کیوں کہ یہاں جوشِ جنوں میں بھی ارتکابِ شرک روا نہیں، جوشِ عقیدت میں فرقِ مراتب کو قائم رکھنا ایسے شاعر کے لیے بدرجہا مشکل ہو جاتا ہے جس کی زبان نعت گوئی میں نغمہ سرا ہے۔ اس لیے کہ اگر ایک خالقِ کائنات ہے تو دوسرا سرورِ کائنات ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ خدا ایک ہے تو دوسرا محبوبِ خدا ہے۔ یہ فرق جتنا باریک ہے اتنا ہی بنیادی بھی ہے اور اسی لیے ہر شاعر ہمیشہ نعت لکھتے ہوئے ڈرتا اور گھبراتا ہے۔ چنانچہ کوثر کہتے ہیں۔

یا الٰہی میں ثناء خواں ہوں ترے محبوب کا
اس میں کچھ لغزش نہ ہو اس غم سے تھرّاتا ہے دل

مجھ کو ذکرِ شہِ لولاکؐ سے ملتا ہے سکوں
خوفِ لغزش سے مگر دل مرا تھراتا ہے

عشقِ رسول کے بغیر نعت گوئی ممکن نہیں۔ بقول میرؔ تقی میر "عشق بن یہ ادب نہیں ہوتا" حقیقت یہ ہے کہ کوثرؔ جعفری کا پورا مجموعۂ نعت عشقِ رسولؐ میں ڈوبا ہوا ہے اور قاری بھی ان کی نعتیں پڑھ کر اسی عشق کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے اور جب دوبارہ سطح پر واپس آجاتا ہے تو اس کی روح مطہر و معطر ہوتی ہے۔ یہ عشقِ رسول کا فیضان ہے جس نے اُن سے یہ نعتیں کہلوائیں۔

عشقِ نبیؐ کا درد مجھے بھی نصیب ہے — خواہاں نہیں ہوں میں کسی عیش و سرور کا
ہے سودائے عشقِ نبیؐ میرے سر میں — بگولے نہ آئیں مری رہ گزر میں
محبت میں نہیں اندیشہ سود و زیاں مجھ کو — کہ بخشا ہے نبیؐ کے عشق نے دردِ نہاں مجھ کو
وہ مفلس ہی سہی کرتے ہیں زردار احترام اس کا — متاعِ عشقِ محبوبِ خدا جس کا خزانہ ہو

عشقِ نبی کا لازمی تقاضا "اتباعِ نبیؐ" ہے اور دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ شاعر کو جہاں متاعِ عشقِ رسولؐ حاصل ہے وہیں وہ اسوۂ رسولؐ پر گامزن ہونے کی ضرورت و اہمیت سے بھی واقف ہے۔ آج یہ امت درسِ ہدایت کو بھول کر جن آلام و آزمائش سے دوچار ہے اس کا علاج صرف اطاعتِ رسولؐ ہی ہے۔ ملاحظہ ہو کوثرؔ کہتے ہیں۔

بھٹک کر، بھول کر درسِ ہدایت یا رسول اللہؐ — گھری ہے کفر کے نرغے میں امت یا رسول اللہؐ
بڑا دعویٰ ہے ہم کو آپ سے عشق و محبت کا — مگر ہوتی نہیں ہم سے اِطاعت یا رسول اللہ
عشق وہ ہے کہ محمدؐ کی اطاعت ہم کریں — ورنہ بے طاعت محبت سے تو مرجھاتا ہے دل
خیال آتا ہے جب راہِ وفا میں پیش قدمی کا — امام الانبیاؐ کے نقشِ پا کو یاد کرتا ہوں
فرق آئے، ہر مو نہ اطاعت میں نبیؐ کی — شامل ہے مرے رب کی خوشی ان کی خوشی میں
محمدؐ کی اطاعت میں ہماری زیست گزرے گی — تو فضلِ حق سے ہوگا خلد میں کوثرؔ مقام اپنا

عصرِ حاضر کا انسان جس بحران، اضطراب، بے چینی اور پریشانی میں مبتلا ہے اس کے تمام مسائل کا حل اور دکھ درد کا علاج رحمتِ عالم ﷺ سے نسبتِ غلامی میں ہے۔ انسان کو حقیقی امن، روحانی سکون اور دل کا قرار، ذکرِ رسولِ پاک سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ کوثر کہتے ہیں۔

نبی کے نام سے ہوتی ہے موت بھی آساں
نبی کے ذکر سے روشن حیات ہوتی ہے

دل کو قرار مل گیا اور روح کو سکوں
کوثر کرشمہ دیکھیے نعتِ حضورؐ کا

محمد کی محبت سے سکونِ دل میسر ہے
ملی ہے اس عقیدت سے حیاتِ جاوداں مجھ کو

مدحتِ سرکارِ دو عالم ﷺ تو ہر صاحبِ توفیق شاعر کرتا ہے اور ہر سعید روح آپ کی مدح و ثنا میں معروف ہے مگر کیفِ حضوری کی دولت خدا اپنے فضل سے ہی کسی کو عطا کرتا ہے۔ کوثر جعفری کے یہاں بھی حاضری و حضوری کی تمنا اور کیفیات کا بیان بڑی دلآویزی کے ساتھ ہوا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

اُٹھائی جب نظر تو گنبدِ خضریٰ پہ جا ٹھہری
نظر والو ہماری بھی ذرا حدِ نظر دیکھو

دل مرا شہرِ نبیؐ میں ہے جہاں بھی میں ہوں
شوقِ دیدار چل اب مجھ کو خدارا لے کر

تڑپتا ہوں میں دیدارِ محمدؐ کو ترستا ہوں
مجھے یارب جمالِ رُوح پرور کی تمنا ہے

نظر کے سامنے خیرالوریٰ کا آستانہ ہو
اسی پر یا الٰہی ختم اب میرا فسانہ ہو

مضطرب ہے رات دن ان کی حضوری کے لیے
فرطِ عصیاں سے مگر جانے کو شرماتا ہے دل

سیر تو شہرِ نبیؐ کی کر چکا ہوں ایک بار
پھر بھی طیبہ کا سفر کرنے کا ارماں اور ہے

یہ حسرت ہے مدینے میں ٹھکانہ ہو مرا کوثر
ملے گا ایسا دنیا میں کہاں دارالاماں مجھ کو

آخر میں ایک بات عرض کرتا چلوں کہ جناب کوثر کی نعتوں میں جب آب کوثر اور ساقیِ کوثر کا ذکر بار بار پڑھنے کو ملا تو مجھے اپنے بچپن کی وہ بات بے اختیار یاد آگئی جب میں چھ سات سال کی عمر کا طفلِ مکتب تھا اور گھر کی خانقاہ کے مدرسے میں پڑھتا تھا۔ جدِ امجد محبوب اولیا حضرت مولانا شاہ محمد قاسم عثمانی فردوسیؒ کے حجرہ کے اُسارے میں وہ طغریٰ آج بھی آویزاں ہے جس میں ایک مصرعہ تحریر ہے "برلبِ کوثر محمدؐ قاسم است" شعور کی پہلی منزل پر غالباً سب سے پہلا مصرعہ جو میری زبان نے ادا کیا وہ یہی تھا اور اکابر صوفیاء کی مختلف

نعتوں کی محفلوں میں بزرگوں سے نعتیہ کلام سنتے سنتے وہ پہلا شعر جو بالکل ابتدائی عمر میں مجھے یاد ہوا تھا سو اب تک یاد ہے۔

صبا بسوئے مدینہ روکن — ازیں دعا گو سلام برخواں
بگردِ شاہِ مدینہ گردو — بصد تضرع پیام برخواں

ظاہر ہے اس وقت اس کے معنی مطالب سے میں نا آشنا تھا مگر سنِ شعور کو پہنچ کر جب بچپن کے صوفیانہ ماحول، بزرگوں کی نظر کرم اور فیضانِ سرکار دوعالم ﷺ کے صدقے میں "نعت" کو اپنے مطالعہ کا خصوصی موضوع بنانے کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ یہ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی عارفانہ نعت کا ایک شعر ہے۔

اب ذرا دیکھیے کہ کوثرؔ صاحب نے اپنے تخلص سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی تشنہ لبی، جامِ کوثر اور ساقیٔ کوثر کا ذکر کس عقیدت و محبت اور حسنِ کلام کے ساتھ کیا ہے۔

نہ ہے ارمان صہبا کا نہ ساغر کی تمنا ہے
تمنا ہے تو مجھ کو جامِ کوثر کی تمنا ہے

قسیم کوثر و تسنیم ہیں خدا کے حبیبؐ
بس ایک جام دلِ بے قرار مانگے ہے

رہے گا مست و بے خود عاشق مضطر محمدؐ کا
کرے گا نوش جب وہ ساغر کوثر محمدؐ کا

مجھ تشنہ کام شوق کی تقدیر جاگ اُٹھی
کوثرؔ زباں پہ ساقیٔ کوثر کی بات ہے

مجھے یقین ہے زم زم کے نام سے کوثرؔ
حرم کے صحن میں کوثر کے جام چلتے ہیں

مختصر یہ کہ کوثرؔ جعفری کی نعتوں کے ہر لفظ میں محبت اور ہر مصرے میں عقیدت کے پھول کھلتے ہیں۔ جس سے مشامِ جاں معطر اور قلب و نظر منور ہو جاتے ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ اُن کے فن کو کمالِ فن تک پہنچائے اور ان کے کلام کو تاثیر کلام سے آشنا کرے۔ آمین

بہار میں نعتیہ شاعری

تبصرہ: محمود عالم

ڈاکٹر فرحانہ شاہین کی یہ کتاب در حقیقت ان کی ریسرچ تھیس ہے جو انھوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے لکھی تھی۔ یہ مقالہ پروفیسر طیب ابدالی صاحب صدر شعبۂ اردو مگدھ یونیورسٹی کی نگرانی میں لکھا گیا ہے۔ یہ مقالہ چھ ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول میں 'مصنفہ نے نعت کی مختصر اور جامع تعریف اور عربی و فارسی میں اس کے ارتقا کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ باب دوم میں اردو میں نعتیہ اور منقبتی شاعری کا تدریجی ارتقا پیش کیا گیا ہے اور اس ضمن میں جنوبی اور شمالی ہند دونوں کی خدمات پیش کی گئی ہیں۔ باب سوم میں بہار میں اردو کی نعتیہ شاعری کا آغاز و ارتقا پیش کیا گیا ہے۔ باب چہارم میں صنف نعت پر اردو غزل اور قصیدہ کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ باب پنجم میں بہار کے چند اہم نعت گو شعرا کی کاوشوں کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ چھٹے باب میں جو "حاصل کلام" کے عنوان سے ہے۔ مصنفہ نے ایک جامع فہرست پیش کی ہے کہ شاعری کے کس فارم میں کس کس شاعر نے نعتیہ کلام پیش کیا ہے۔ اس ضمن میں درود و سلام قصیدہ، مثنوی، مسدس، مخمس، نظم، آزاد نظم، تضمین، رباعی و قطعہ متعلقات اور نعتیہ غزل غرض کہ ہر فارم میں نعت کہنے والے شعراء کی ایک طویل فہرست دی گئی ہے۔ شعرائے بہار کی فہرست الگ پیش کی گئی ہے۔ اخیر میں کتابیات شامل ہے جس میں ۲۷۰ کتب اور ۴۳ رسائل و جرائد کے نام درج ہیں۔ جن سے ریسرچ اسکالر نے استفادہ کیا ہے۔

کتاب کا عنوان...... "بہار میں اردو کی نعتیہ شاعری کا تنقیدی مطالعہ" ہے لیکن اس خاص عنوان سے متعلق صرف ۲۸۰ صفحات ہیں بقیہ نصف سے زیادہ حصہ میں نعتیہ شاعری کا عمومی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ نقوش کی سیرت نمبر کی دسویں جلد میں بقیہ شاعری کا مجموعی مطالعہ اور اہم شعراء کے کلام کے انتخاب موجود ہے۔ اس خاص نمبر کی موجودگی میں عمومی مطالعہ کو شامل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ریسرچ اسکالر مقالہ کا خاکہ بناتے وقت اپنے نگراں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ اور "بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید" کے اصول پر عمل کرتا ہے محترمہ کی مجبوری ظاہر ہے کہ ان کے نگراں مجازاً نہیں حقیقتاً "پیر" ہیں۔ نعتیہ شاعری کے عمومی جائزہ میں اگر غیر معروف اور غیر اہم نام شامل نہ ہو تو تعجب کی بات نہیں۔ لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ چند ہم عصر 'معروف اور اہم نعت گو شعراء کا ذکر بھی اس تحقیقی مقالہ میں نہیں ہے۔ مثلاً حفیظ میرٹھی 'فراز سلطان پوری اور عزیز بگھروی کا ذکر تک نہیں جب کہ ان حضرات کا مجموعۂ کلام

شائع ہو چکا ہے۔ جنوبی ہند کے شعراء میں کلیم احمد قریشی نقشبندی کا ذکر نہیں جن کے نعتیہ کلام کا مجموعہ "نورٌ علیٰ نور" حیدر آباد سے دوبارہ طبع ہو چکا ہے۔ بہار کے شعراء میں اہم نعت گو شعراء وہ ذکر نہیں ہے۔ رمز عظیم آبادی، مولانا شبنم کمالی، مولانا طہٰ کمال ندوی صاحب، مولانا سید شاہ محمد اسماعیل روح اور اصغر امام فلسفی کا کہیں ذکر نہیں۔ مولانا سید احمد عروج قادری علیہ الرحمہ (مدیر ماہنامہ زندگی رامپور) تک کا ذکر نہیں جن کا مجموعہ کلام "سمت سفر" بہت قبل شائع ہو چکا ہے۔

محترمہ فرحانہ شاہین نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ "میں نے بالعموم بیشتر نعت گو شعراء کا ذکر کیا ہے لیکن پھر بھی ممکن ہے بہت سے ایسے نعت گو شعراء کا ذکر یہاں نہیں ہو پایا ہوگا جنھوں نے نعت گوئی میں اپنا ایک اہم مقام بنایا ہے۔" اس نہ ہونے کی وجہ محترمہ یہ بتاتی ہیں کہ ..."چونکہ اردو نعت گویوں کی کمی نہیں۔ ان کی تعداد متعین ہی نہیں کی جا سکتی۔ اس کی فہرست کافی طویل تر ہو سکتی ہے اور تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی میں تو اور بھی مشکل امر ہے چونکہ اسے مدت متعینہ میں مکمل کرنا ہوتا ہے۔" (صفحہ ۱۸)

یونیورسٹی میں مقالہ داخل کرنے کی مدت تو حقیقی طور پر متعین ہوتی ہے لیکن کتابی شکل میں طبع کرنے کی کون سی جلدی تھی اور آخر اس مرحلہ میں اس کمی کو کیوں نہیں پورا کیا گیا جس کا احساس خود مصنفہ کو ہے۔ محترمہ کی ایک مجبوری اور بھی ہے کہ صنف نازک سے تعلق کی وجہ سے وہ پٹنہ گیا اور آرہ کے علاوہ دیگر مقامات کی لائبریری سے استفادہ نہ کر سکیں۔ اس طرح مگدھ یونیورسٹی کے اردو کے اساتذہ کے علاوہ کسی دوسرے سے علمی استفادہ کا موقع نہ مل سکا۔ بہار کے اردو کے اساتذہ بڑے قناعت پسند واقع ہوئے ہیں۔ (آٹھ آٹھ مہینے تک تنخواہ نہیں ملتی پھر بھی زندہ ہیں)۔ علم کے معاملہ میں بھی وہ زیادہ حریص نہیں ہیں۔ محترمہ کتاب کی طباعت سے پہلے، جناب ڈاکٹر عبدالمغنی، جناب شمس الرحمن فاروقی، پروفیسر عنوان چشتی اور مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی جیسے اہل علم سے خط و کتابت کے ذریعہ ہی ربط قائم کرتیں تو ان کی یہ کتاب اس خاص موضوع پر ایک اہم ماخذ بن جاتی۔

کتاب بلاشبہ ضخیم ہے لیکن ضخامت کی ایک بڑی وجہ تکرار بھی ہے۔ پروفیسر علیم اللہ حالی صاحب کا شکریہ "عرض حقیقت" میں تین بار ادا کیا گیا ہے۔ خاں بہادر خدا بخش خاں کی اہلیہ کا نام اکثر جگہ "جمیلہ راضیہ خاتون" لکھا ہے۔ جب کہ صفحہ ۳۲۴ جہاں تفصیلی ذکر ہے وہاں "جمیلہ رضیہ خاتون" لکھا ہے۔ محترمہ نے "کتابیات" میں اسمائے کتب اور اسمائے مصنفین، مرتبین و مترجمین دینے پر اکتفا کیا ہے۔ جب کہ ہر ریسرچ اسکالر جانتا ہے کہ کتابیات میں، عنوان کتاب، مصنف، مرتب، مترجم کا نام، مقام اشاعت، ناشر، سال اشاعت اور صفحات کی تعداد لازماً دیے جاتے ہیں۔ مخطوطہ ہونے کی شکل میں کتب خانہ کا نام اور اندراج نمبر بھی

کنیلاگ نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مصنفہ نے یہ سب دینے کی زحمت نہیں کی۔

کتاب کے فلیپ پر ڈاکٹر علیم اللہ حالی اور پروفیسر طیب ابدالی کے گرانقدر احساسات ہیں۔ جناب طیب ابدالی صاحب کی یہ رائے اپنی عزیز شاگردہ کے بارے میں درست ہے کہ انہوں نے "تمام بڑے شاعروں کے کلام کا تجزیہ دقت نظری سے کیا اور بڑی خوش اسلوبی سے اس کا محاکمہ بھی پیش کیا۔" مصنفہ نے نعتیہ اشعار کے انتخاب میں بلند ذوقی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ نعت کے اکثر اشعار پڑھتے وقت آنکھیں نم رہیں۔ بالخصوص سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اشعار پڑھ کر بہت دیر تک آنکھیں اشکبار رہیں۔ محترمہ رضیہ خاتون جمیلہ کا یہ شعر

تعظیم کو ہماری ملک کیوں نہ آئیں کے محبوب کی فدائی ہوں شیدا حبیب کی

پڑھ کر یہ یقین ہو گیا کہ عشق حقیقی اور روحانی محبت کا لطیف جذبہ ہم مردوں کے مقابلے میں صنف نازک کو کہیں زیادہ عطا ہوا ہے۔ نعتیہ اشعار کا انتخاب اس قدر عمدہ ہے کہ ہر شعر قابل قدر ہے۔ لیکن بعض شعراء کے اشعار اپنی اثر آفرینی میں لاجواب ہیں۔ مولانا حسن رضا خاں بریلوی کا کلام بھی اس نوعیت کا ہے۔

اللہ تعالی محترمہ شاہین کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین۔ امید ہے کہ اس کا دوسرا ایڈیشن اس کمی اور خامی سے پاک ہوگا جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا سال طباعت جنوری ۱۹۹۷ء ہے قیمت ۲۹۰ روپے ہے۔ مصنفہ کے پتے شاہین۔ علی گنج گیا۔ بہار انڈیا سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

حاصل مطالعہ

شفیق الدین شارق

نبی الحرمین

یہ جناب صوفی مسعود احمد رہبر چشتی کا مجموعۂ کلام ہے۔ اس سے قبل ان کے تین نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ مجموعۂ نعت ۱۹۵۵ء۔ گلہائے نعت ۱۹۶۰ء اور رہبر رہبراں ۱۹۹۳ء۔ زیر نظر مجموعہ ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ۶۶ برس تھی۔

رہبر چشتی کا تعلق تصوف سے ہے۔ آپ مبلغ اسلام، مقرر، نعت خواں، نعت نگار اور صاحب خلافت و اجازت بزرگ ہیں۔ ان شعبوں کی طرف زیادہ فعال ہونے کی وجہ سے آپ زبان و بیان، محاوروں کے استعمال اور شاعری کے فن سے متعلق نکات پر زیادہ توجہ نہیں دے سکے۔ چونکہ طبیعت میں وجد و سرور کی کیفیت غالب ہے اس لیے وہ فطری انداز میں سادہ بیانی کی طور پر اشعار میں منتقل ہو جاتی ہے۔ کہیں کہیں زور طبع حد سے تجاوز بھی کر جاتا ہے۔ صوفی صاحب اپنے پیش لفظ میں خود لکھتے ہیں۔ "ان نعتوں میں اہل فن اگر کوئی خامی محسوس کریں تو وہ صرف نظر کرتے ہوئے صرف اور صرف میری عقیدت اور محبت کو ہی ذہن میں رکھیں۔" خلوص نیت اور صداقت اظہار بے شک قابل صد احترام ہیں لیکن نعتیہ شاعری کو دائرۂ ادب میں لانے کے لیے اس کے اپنی فنی متعلقات کا التزام بھی لازم ہے۔ صوفی صاحب مرزا مظہر جان جاناں اور میر درد کی شاخ میں تو شامل نہیں لیکن چونکہ نعت کی روح سے آگاہی رکھتے ہیں اور صالح احساسات کے حامل ہیں اس لیے نعت گوئی کے میدان میں رواں ہیں اور مدحت سرکار اور ذکر آقائے نامدار میں مگن ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری ان کے باطنی ترنم سے ہم آہنگ ہے۔ اس میں فیض روحانی کے دھنک کے کئی رنگ پائے جاتے ہیں اور ایک رنگین اُجالا سا محسوس ہوتا ہے۔ وہ صرف مافی الضمیر کے اظہار پر اکتفا کرتے ہیں۔ چند منتخب اشعار

ب تو ہر شئے میں وہی جلوہ نظر آتا ہے چھاگیا میری بصیرت پہ اجالا کیسا
پنے دشمن سے بھی ہو خلق و مروت کا سلوک یہ سبق اس نے دیا ہم کو نرالا کیسا
واذات مصطفےٰ کے کوئی آئینہ کہ جس میں ہو جمال آئینہ گر، نہ ہوا نہ ہے نہ ہوگا
منسوب کر کے ان کی غلامی سے زندگی ہم اپنی زندگی کو نہ کیوں معتبر کریں

ہیں جیب و گریباں کے پُرزے اور شدت غم سے نم آنکھیں
اظہار ندامت کی خاطر یہ حال ہمارا کافی ہے

مندرجہ بالا اشعار میں کیف و سرور کے ساتھ متوازی لہر بھی جاری و ساری ہے۔ اگر مناسب انتخاب کے ساتھ یہ مجموعہ مرتب ہوتا تو بہتر تھا۔ ۱۶۰ صفحات کی اس کتاب کا ہدیہ ایک سو روپے ہے اور مرکزی انجمن رہبر اسلام و آستانۂ محبوبیہ چشتیہ ۳۱ ۔ ۳۳ ایچ ریٹہ پلاٹ۔ شاہ فیصل کالونی ۲۔ کراچی۔ ۷۵۲۳۰ نے شائع کی ہے۔

محراب حرم

اس نعتیہ مجموعے کے شاعر پروفیسر رحمان خاور ہیں۔ وہ ایک خوش فکر اور پختہ مشق شاعر ہیں۔ غزل میں اپنا ایک خاص لہجہ رکھتے ہیں۔ اس لہجہ کی جھلک ان کی نعتوں میں دکھائی دیتی ہے۔ اس کتاب میں ان کی چھ حمدیں اور ۶۷ ۔ نعتیں شامل ہیں۔ حمدوں میں ان کا اطمینان قلب نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔ تسلیم و رضا کے خوگر ہیں اور ہر حال میں صابر و شاکر رہتے ہیں۔ کہتے ہیں اور قابل رشک بن کر کہتے ہیں۔

بغیر جنبش لب ہی مجھے ملا سب کچھ کہ میرے دست دعا میں اثر خدا نے دیا

ان کی پہلی نعت کا مطلع بھی کچھ اسی بھرپور انداز میں ہے

کیا کچھ یہ فیض ساقیٔ کوثر نہیں ہوں میں دریا نہیں ہوں میں کہ سمندر نہیں ہوں میں

نعت کا بہت اچھا مطلع ہے۔ دریا اور سمندر کی علامتوں سے نہایت وسیع المفہوم اور بلیغ مضمون بیان کر دیا ہے۔

ان نعتوں میں زیارت روضۂ رسول کے لیے بے تابانہ تڑپ پائی جاتی ہے اور مجبوری کی صورت میں تصوراتی رسائی کا حصول ہی دل کا چین ٹھہرتا ہے۔ یادِ شہِ ابرارؐ سے زندگی کا رستہ ہموار رکھتے ہیں۔ دیدار مصطفےٰ کی خواہش اجالا بن کر تمام راہوں کو روشن کر دیتی ہے۔ ذکر رسول اکرمؐ سے گھر میں رونق رہتی ہے۔

رحمان خاور اکیلے نہیں رہتے ایک جہان شوق کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ بیان کی سادگی مُد اثر ہے۔

ذہن و دل پہ چھایا ہے وہ اثر مدینے کا — رات دن خیالوں میں ہے سفر مدینے کا
کیا خوب یہ فیضان رسول عربی ہے — جو سانس ہے سینے میں وہ مکی مدنی ہے
دنیا کے نہ دنیا کی یہ دولت کے لیے ہے — سینے میں تو دل اُن کی محبت کے لیے ہے

ایسے متعدد اشعار ہیں جن سے یہ نعتیں سجی ہوئی ہیں لیکن کہیں کہیں سہو بھی ہو گیا ہے جو نظر ثانی کا محتاج ہے۔ مثلاً

جیسے خاص بندوں پر لطف خاص ہوتا ہے — ہے ہم عاصیوں پر وہ تیرا لطف عام اللہ

اس شعر کے دوسرے مصرع میں عاصیوں کا عین ساقط ہو گیا ہے۔ پہلے مصرع میں لفظ "جیسے" سے خاص و عام میں مماثلت کے بجائے معنوی تضاد پیدا ہو گیا ہے۔ ایک اور شعر ہے۔

اللہ رے اک گوشہ شہر شہ بطحا — حاصل ہے مجھے تخت سلیمان مدینہ

اس شعر میں جغرافیائی غلطی کی علاوہ بے ادبی کا پہلو بھی در آگیا ہے۔ احتیاط لازم ہے ورنہ اچھی اور صاف ستھری شاعری بھی داغ دار ہو جاتی ہے۔ ۱۱۲ صفحات کی اس کتاب کا ہدیہ ۷۵/ روپے ہے اور ناشر ہے بساط ادب (پاکستان) ای ۳۔ ریلیکس اپارٹمنٹس۔ بلاک ۲۰۔ ایف بی ایریا۔ کراچی۔

نغمات طیبات

یہ کتاب جناب عزیز الدین خاکی القادری کا تیسرا نعتیہ مجموعہ ہے اور نفیس پیشکش کے ساتھ ہے۔ کتاب کے سرورق کی پشت پر اپنی عکسی تصویر کے ساتھ اپنا تعارف رباعی کی صورت میں یوں کراتے ہیں۔

ہر چند کہ تخلیق مری خاک سے ہے — ہستی مری کمتر خس و خاشاک سے ہے
ہوں خاک نشیں' خاک کا پتلا خاکی — صد شکر کہ نسبت شہِ لولاک سے ہے

یہ ایک عمدہ رباعی ہے۔ چوتھا مصرع رباعی کی جان ہے اور اسی نسبت سے یہ پہلے نعت خواں اور پھر نعت گو بھی ہو گئے۔ اچھی نعت کہتے ہیں۔ اس مجموعے کی ہجری اور عیسوی سنہ میں چھ تاریخیں اشاعت کی جناب صابر براروی نے کہیں اور جناب مختار اجمیری نے چار کہیں۔ جناب ادیب رائے پوری جو خود بھی نہ صرف ایک اچھے نعت گو ہیں بلکہ نعت کی تاریخ اور تنقید بھی لکھنے والے ہیں خاکی کی نعتیہ شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "خاکی اپنے مافی الضمیر کو نہایت سادگی سے بیان کر دیتے ہیں۔ یہ ان کے کلام کی خوبی ہے۔ کہیں کہیں اس قدر برجستہ شعر کہے ہیں کہ بے حد خوشی ہوتی ہے۔ ان کی شاعری کا مقصد محبت رسول

صلی اللہ علیہ وسلم میں قدم بقدم آگے بڑھ کر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ لیکن سادگی کو پرکاری کی اور بے خودی کو ہشیاری کی اشد ضرورت ہے۔" اس ایک رائے میں تحسین تنقید اور مشورہ تینوں باتیں آگئی ہیں اور شاعر کی توجہ کے لیے ہیں۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں ایک حمد اور اکتالیس نعتیں ہیں۔ ایک آزاد نظم بعنوان "استغاثہ بحضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔ دوسرا حصہ "بستان مناقب" کے نام سے ہے۔ اس میں خلفائے راشدینؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسینؓ اور سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کے علاوہ دیگر ۲۳ علماء و اولیاء کی مناقب ہیں۔ اس سلسلے کی ایک اہم کڑی حضرت حسن کی منقبت کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ تاریخ وسیر کے مطالعے کے بعد اس کمی کو آسانی سے پورا کیا جاسکتا ہے۔ نمونتہً چند اشعار نعتوں سے انتخاب

صاحب قرآن کی باتیں کریں
حاصل ایمان کی باتیں کریں

مرتبہ سارے مراتب سے ہے اونچا تیرا
کون لکھ سکتا ہے قرآں سا قصیدہ تیرا

کیا بتاؤں در سرکار سے کیا ملتا ہے
جتنا ملتا ہے وہاں بیش بہا ملتا ہے

شکل بشریت میں جو خود مظہر حق ہو
کیا چشم فلک تو نے وہ انساں نہیں دیکھا

حضور اگر نہ بخشتے شعار و فکر و آگہی
نہ آتی حشر تک کہیں بہار فکر و آگہی

عزیز الدین خاکی کے یہاں ذکر کا پھیلاؤ ہے لیکن فکر کی گہرائی اور خیال کی بلندی کا حصول ابھی باقی ہے۔ یقین ہے کہ ان کے جذبے کی شدت، نیت کا خلوص اور اظہار کی صداقت اس منزل کو سر کرنے میں ان کی ممد و معاون ہوں گی۔ اس کے لیے مطالعہ کی کثرت اور ریاضت کی مشقت لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ حامی و ناصر ہے۔ کتاب خوبصورت چھپی ہے۔ ۱۶۸ صفحات ہیں ہدیہ سو روپے ہے۔ ناشر ہیں۔ تنظیم استحکام نعت (ٹرسٹ) پاکستان۔ قادری ہاؤس۔ ۶۲۰۔ ۳۳ ربی۔ کورنگی ۲/½۔ کراچی۔ ۳۱۔

شہر نعت

فیصل آباد نہ صرف زراعت کے لحاظ سے سرسبز و شاداب اور صنعت خصوصاً ٹیکسٹائل کے لحاظ سے بامراد و کامیاب ہے بلکہ شعر و ادب خصوصاً نعت کے لحاظ سے بھی بہرہ یاب ہے۔ فیصل آباد شہر کا نام بھی ہے اور ڈویژن کا بھی۔ اس میں تین اضلاع فیصل آباد، جھنگ، ٹوبہ ٹیک سنگھ شامل ہیں۔ جناب آسف بشیر چشتی نے فیصل آباد ڈویژن کے ۲۳۲ اردو شعراء ۷۲ پنجابی شعراء اور ۱۲ شاعرات کی اردو اور پنجابی ایک ایک منتخب نعت یکجا کر کے ان کا ایک خوبصورت مجموعہ "شہر نعت" کے نام سے شائع کیا ہے۔

اس کتاب کے شرکاء میں معروف اور غیر معروف بزرگ 'نوجوان' حیات اور مرحومین شعراء سب شامل ہیں۔ نعت اور متعلق موضوعات پر تحقیقی کام کرکے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والے ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی' ڈاکٹر ریاض مجید' ڈاکٹر انور محمود خالد اور ڈاکٹر احسن زیدی کے اسمائے گرامی بھی ان میں شامل ہیں۔ قومی سیرت ایوارڈ حاصل کرنے والوں میں محترم حافظ لدھیانوی' ڈاکٹر ریاض مجید' پروفیسر عارف رضا اور نتیر محمد ندیم باری جیسے حضرات شامل ہیں۔ ان سب کا تعلق فیصل آباد سے ہے لہذا نعت نگاری میں کراچی اور لاہور کے بعد فیصل آباد ایک اہم اور امیر "شہر نعت" ہے۔ یہ کتاب اسی حوالے سے مرتب کی گئی ہے۔ مرتب کے مضمون کے بعد پانچ مضامین نعت گوئی اور فیصل آباد میں فروغ نعت نگاری کا اچھا تعارف پیش کرتے ہیں۔ فیصل آباد میں قیام پاکستان سے قبل ہی یہ سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

کتاب کے شروع میں ڈاکٹر ریاض مجید کی ایک حمد' محمد حسین اقبال کی ایک عربی نعت اور ضیاء محمد ضیاء اور میر غلام محمد امام جلوی کی ایک ایک فارسی نعت ہے۔ یہ نعتیہ مجموعہ آصف بشیر چشتی کی طرف سے گویا بارش کا پہلا قطرہ ہے اور ایک تحفہ ہے فیصل آباد کے حوالے سے۔ اس میں حسن عقیدت کا اظہار ہے' معیار کی قید نہیں تاکہ تعارف امکانی حد تک مکمل ہو سکے۔ جناب شبیر احمد قادری کے الفاظ میں: "یہ انتخاب اور بھی بہتر ہو سکتا تھا اور اس کی گنجائش بہر حال موجود تھی اور ہے مگر یہ کام کسی اور وقت کے لیے یا پھر کسی دوسرے انتخاب کے لیے اٹھا رکھا گیا ہے۔ اور یہ بات مؤلف کی اس موضوع اور صاحب موضوع صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ فیصل آباد ڈویژن کے شعرائے کرام سے فرط حسن عقیدت پر دال ہے۔"

یہ کاوش بہر صورت داد و تحسین کی مستحق ہے۔ کیف و سرور اور فکر و شعور سے بھرپور بہت سے اچھے اچھے اشعار اس نعتیہ مجموعے میں پڑھنے کو ملتے ہیں۔ کتاب کے صفحہ ۲۱۱ پر جناب ناز خیالوی کی ایک نعت سے چند اشعار:

حسب توفیق سبھی لکھتے ہیں بے حد اب بھی ۔۔۔ پر نہ پوری ہوئی توصیف محمدؐ اب بھی
تیری توصیف کے ہو باب پڑھے ہیں میں نے ۔۔۔ خود کو لکھتا ہوں میں ناواقف ابجد اب بھی
دردی دھوپ سے میں اب بھی ہوں محفوظ یہاں ۔۔۔ ہے پنہ گاہ تری یاد کا برگد اب بھی
قابل ناز ہے تاریخ محبت کے لیے ۔۔۔ تیرے حبشی کا جمال رخ اسود اب بھی

۳۲۸ صفحات کی اس کتاب کا ہدیہ ۲۲۵ روپے ہے اور ناشر ہیں مجلس معین ادب۔ چشتیہ دربار۔ ۸۔ اسلامیہ پارک۔ فیصل آباد۔

غزوات رحمتہ للعالمینؐ

بعض لوگ دیوان حافظ کا استعمال یہ کرتے ہیں کہ لسان غیب سمجھ کر اس سے فال نکالتے ہیں۔ بعض شعرائے کرام اپنے دواوین کے نام اپنے کلام سے لیتے ہیں۔ محترم نعیم صدیقی نے اپنے نعتیہ مجموعے "نوری ندیاں رواں" کا نام کلام اقبال سے اخذ کیا۔ جناب محمد صادق نے تو اپنا قلمی نام "لالۂ صحرائی" بھی اقبال کے کلام ہی سے پسند کیا اور اس کی علامتی معنویت کو اپنا لیا۔

حرمین شریفین میں مانگی جانے والی ان کی دعائیں قبول ہوئیں۔ زیر مطالعہ کتاب کی تصنیف سے ساڑھے پانچ سال پہلے جسے شعر گوئی کا خیال تک نہ آیا اس نے سو حمدیں، نو سو نعتیں اور اتنی ہی تعداد میں قومی و ملی نظمیں لکھ لیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ غزوات رحمتہ للعالمین کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ منظوم کر لیا۔ جناب عاصی کرنالی کی تحریک پر تین ماہ میں اس کام کی تکمیل میں لالۂ صحرائی کے تاریخی شعور، دینی جذبے اور تخلیقی صلاحیتوں کا کمال نظر آتا ہے۔ یقیناً یہ عطیۂ خداوندی ہے۔ اسلام میں جہاد کا کیا مقام ہے، جہاد سے قبل، جہاد کے دوران اور جہاد کے بعد مسلمانوں کا کیا طریقۂ کار ہے اس کی بھی وضاحت کر دی ہے اور شاعری کی زبان میں یہ بتایا ہے کہ میدان جہاد میں بھی حضور اکرمؐ کی رحمتہ للعالمینی اپنے معجز نمائی سے کس طرح سر بلند اور غالب رہی ہے۔ لالۂ صحرائی نے اس کتاب میں اقبال کے ان دو شعروں کو اپنا رہنما بنایا ہے۔

مقام بندگی دیگر، مقام عاشقی دیگر	ز نوری سجدہ می خواہی، ز خاکی بیش ازاں خواہی
چرا خود را نگہداری کہ با ایں بے نیازی ہا	شہادت بر وجود خود، ز خون دوستاں خواہی

چنانچہ انتساب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ لکھتے ہیں۔ "باغ جنت میں پھول کھلانے والی اس پاکیزہ جوئے خوں کے نام جو شہید فی سبیل اللہ کے جسم اطہر سے بہی تھی، بہہ رہی ہے اور انشاء اللہ بہا کرے گی۔"

اس کتاب میں جو حمد ہے وہ بھی جہاد کے تناظر میں لکھی گئی ہے۔ جو نعتیہ نظم ہے اس میں بھی معراج تمنا یہی ہے کہ "عہد نبیؐ میں، شہر نبیؐ کا، کاش، میں انساں ہوتا اور کٹ مرتا میں علم نبیؐ پر، زادِ دین حق میں، پائے نبیؐ پر سر رکھ کر میں موت کی لذت پاتا، اور امر ہو جاتا۔" کتاب میں بائیس غزوات کا ذکر بلیغ اور معنی خیز عنوانات کے تحت ہے۔ دیگر نظمیں بھی جہاد سے متعلق ہیں۔ جگہ جگہ آرٹ پیپر پر تصاویر کی بجائے قرآن مجید کی جہاد سے متعلق آیات مع اردو ترجمہ کے دی گئی ہیں۔ یوں پوری کتاب میں ایک نہایت طاقتور اور

توانا جذبہ ایمانی کار فرما ہے۔ نعت نگاری کا یہ ایک بالکل نیا رخ ہے۔ لالہ صحرائی اس کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ دلنشین ہو جاتا ہے۔

اک طرف شوق شہادت اک طرف عشقِ نبیؐ ہاتھ میں ہے تیغ اور دل میں مہکتا پھول ہے
رحمت کی وہ بارش کو بھی لے آئی تھی ہمراہ شمشیر نبیؐ چمکی تھی جب برق کی صورت

جناب عاصی کرنالی لکھتے ہیں۔ "بحیثیت مجموعی طوالت نگاری اور جزنویسی کے باوجود تمام غزوات شاعر کی فنی ریاضت اور معنوی تلازمات کی پاسداری کے اعتبار سے نہایت خوبصورت، دلکش اور روح پرور تخلیقات ہیں۔" جناب احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں۔ "اس تازہ تصنیف کا ہر شعر ہر لحاظ سے مکمل ہے۔" ہم ان دونوں رایوں کی تائید کرتے ہیں۔ نثر کے اس مشکل موضوع کو شاعری کے قالب میں ڈھالنا کچھ آسان نہ تھا لیکن لالہ صحرائی نے اس مرحلے کو اپنے خلوص نیت اور صدق عزم سے سر کر لیا ہے۔ البتہ کہیں کہیں روانی میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔ مثلاً صفحہ ۱۳۴ پر یہ مصرع "رعب جو اسلام کو حق سے ودیعت ہے ہوا۔" اور صفحہ ۱۴۵ پر یہ مصرع "حضور کی پہ نگاہوں نے ان کو ٹھنڈا کیا۔" صفحہ ۴۵ پر اس شعر میں معنوی بے ربطی پائی جاتی ہے۔

کسی نے حشر میں پوچھا کہ کون ہے رضواں جواب میں یہ فرشتوں نے دی صدا غزوات

لیکن ایسی مثالیں کم ہیں اور موضوع کے پھیلاؤ کے لحاظ سے قرین امکان بھی ہیں۔ ان کا دور کر لینا بہر حال بہتر تھا۔ دو سو صفحات کی یہ کتاب خوبصورت، دیدہ زیب، دلکش، روح پرور، اور ایمان افروز ہے۔ دو سو روپے میں ادارہ مطبوعات "تکبیر" کراچی سے دستیاب ہے۔

آنکھ بنی کشکول

اگر دل میں یہ خواہش پیدا ہو کہ ایسی نعت پڑھنے کو ملے جو اگر گنگنائی جائے تو حمد بھی اپنی پوری شگفتگی کے ساتھ مسکرا اٹھے اور جو نور کے قمقموں، روشنی کے حسین دائروں، تتلیوں کے پروں، قدرتی خوبصورت لبوں، گلوں کی پتیوں اور مشک و عنبر کی خوشبوؤں سے لکھی گئی اور جس کو پڑھ کر یہ یقین بھی آئے کہ لکھتے وقت لکھنے والے کے سامنے اس کے ممدوحؐ بھی جلوہ افروز تھے۔ مزید یہ کہ سادگی، بیان میں دو پرکاری ہو، جس میں فصاحت، بلاغت، عقیدت، ارادت، محبت، تازگی، شادابی، سرشاری، لوک ادب کا انداز اور تاثیر جیسے سب عوامل جمع ہوں تو اس کے لیے نعتیہ ادب میں ایک شاندار اضافہ ہوا ہے۔ اس کا نام ہے "آنکھ بنی کشکول۔" اصل میں یہ حمد و نعت دونوں کا مجموعہ ہے اس کی نعتیں سرور آگیں ہیں تو حمدیں وجد

آفریں ہیں۔ یہ جناب آفتاب کریمی کا واقعی ایک منفرد مجموعہ کلام ہے۔ اس کی خوبیوں کا احاطہ ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی نے نہایت محبت اور توجہ کے ساتھ کیا ہے۔

آفتاب کریمی ایک خاص طبع 'نرم خو' رقیق القلب 'نیک فطرت 'صوفی منش 'فقیر مزاج اور ولی صفت انسان ہیں۔ ان کے دل کی روشنی ان کے قلم کی روشنائی ہے۔ یہ خود نہیں بولتے ان کا قلم بولتا ہے اور ان کے دل کی ترجمانی کرتا ہے اور یوں کرتا ہے کہ الفاظ کا ترنم دل و دماغ کی فضا میں لطیف اور پاکیزہ خوشبو کا رس گھول دیتا ہے۔ یہ شاعری ایک زندہ 'گرم اور بولتی ہوئی شاعری ہے جو براہ راست اپنے ممدوح سے کسب فیض کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ اپنا ابلاغ بھی اپنے قاری یا سامع تک بطور احسن کرتی ہے۔ اس کتاب میں کم و بیش ۳۲ حمدیں '۳۸ نعتیں اور پانچ ملی جلی حمد و نعت ہیں۔ غزل کی ہیئت اور نظم کی مختلف صورتوں میں بھی۔ حمدیں نغمہ 'روح ہیں تو نعتیں سازینہ 'دل۔ حمد کے چند اشعار ہیں۔

حمد و ثنا بیاں کروں توصیف کر سکوں
اعمال نامہ اپنا میں تصنیف کر سکوں

اشکوں سے وضو کرتی ہیں جس رات یہ آنکھیں
کہہ دیتی ہیں اللہ سے ہر بات یہ آنکھیں

یقیں کی منازل بھی اس کا کرم ہیں
سفینے بھی ساحل بھی اس کا کرم ہیں

سانس جو آئے سانس جو جائے کہتی رہے سبحان اللہ
دل کا یہی بس کام ہے دل حمد کرے سبحان اللہ

ذکر صفات و ذات اور قد قامت الصلوٰۃ
تنہائیوں کی رات اور قد قامت الصلوٰۃ

مندرجہ بالا آخری شعر بحر سے ذرا ہٹ گیا ہے لیکن اللہ کی شان ہے کہ روانی میں فرق نہیں آیا۔ یہ عطائے خاص ہے کہ اس شاعر کے باطن کی آواز اس کے ظاہری کلام سے ہم آہنگ رہتی ہے اور خوش نوائی متاثر نہیں ہوتی۔

اب چند اشعار نعتوں سے:

اوصاف حمید و بتلائے قرآن مدینے والے کے
قربان مدینے والے کے قربان مدینے والے کے

اے حامل قرآن مری لاج بھی رکھنا
کونین کے سلطان مری لاج بھی رکھنا

عشق رسول پاکؐ کی منزل بہشت ہے
جس دل کے وہ مکین ہیں وہ دل بہشت ہے

سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے
قربت المنتہیٰ ہیں محمدؐ

سب کو دکھا رہے ہیں وہ رستہ نجات کا
سرکارؐ لے کے آئے ہیں مژدہ نجات کا

خدا کرے کہ وہ سجدہ ہو آخری سجدہ •
جھکے تو پھر نہ اٹھے 'مرے نبیؐ کی مسجد میں

لکھتے رہے ہم نعتیں کل رات بہت روئے
قابو میں نہ آتے تھے جذبات بہت روئے

ایسے حمدیہ اور نعتیہ اشعار جس سے دل پر وارد ہوں وہ ایک غیر معمولی شاعر ہی ہو سکتا ہے۔ تاہم کہیں نہ قصداً یا سہواً بھی ہے۔ مثلاً صفحہ ۷۰ پر ایک شعر میں اہل بیت کو اہل بیعت لکھا گیا ہے۔ یہ واضح طور پر کتابت کی غلطی ہے لیکن رستہ کا قافیہ منبع توجہ طلب ہے صفحہ ۱۴۴ پر لفظ نزع رحلت کے وزن پر آیا۔ دو نعتیہ نظموں میں ہندی شاعری کی اس روایت کو اپنایا گیا ہے جس کے مطابق اظہار محبت عورت کی طرف سے کیا جاتا ہے اور شاعر اپنے لئے صیغہ تانیث استعمال کرتا ہے۔ ہندی شاعری کی یہ روایت اردو شاعری کے مزاج میں نہ داخل ہو سکی ہے نہ اس کا حصہ بن سکی ہے۔ امیر خسرو سے منسوب ہے کہ نظام الدین اولیاء کے وصال کے چھ ماہ بعد اپنے انتقال سے کچھ دن پہلے وصال سے متعلق یہ دوہا کہا تھا۔

خسرو دین سہاگ جاگی، آج تو پی کے سنگ
تن مورا، من پی ہوکا، سو دونوں ایک ہی رنگ

واللہ اعلم بالصواب۔ لیکن ایسی باتیں وہیں زیب دیتی ہیں اور لطف بھی دیتی ہیں جہاں خیال پہلے جاتا ہے۔ مجاز بہرحال مجاز ہے۔ اس کا علامتی سہارا حقیقت کے لیے ہر جگہ موزوں نہیں ہوتا۔ اللہ، معاف فرمائے بہر حال جائے ادب ہے اور تبصرہ نگار کے فہم و ادراک کا قصور بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کتاب ہر لحاظ سے پذیرائی اور تحسین کی مستحق ہے۔ پڑھیے اور جھومیے ہر سوالی کو ایسی کشکول جیسی آنکھ نہیں ملتی جس میں ڈالنے والا ایسے انمول موتی ڈال دے جیسے کہ اس کشکول میں ڈالے گئے ہیں۔ ۱۲۸ صفحات کی یہ کتاب ایک سو روپے میں اقلیم نعت۔ ۲۵۔ ای۔ ٹی اینڈ ٹی شادمان ٹاؤن۔ ۲۔ شمالی کراچی۔ ۷۵۸۵۰ سے مل سکتی ہے۔

حرا تا عرش

اس نعتیہ مجموعے کے شاعر سید نبی رضا عظیم آبادی ایم اے ایل ایل بی (علیگ) ہیں۔ اس میں ایک حمد اور ۱۲۱ نعتیں شامل ہیں۔ تمام نعتیں سرشاری کی کیفیت میں بھیگی ہوئی ہیں لیکن یہ سرشاری بڑھ کر سرمستی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور شاعر کے ہاتھ سے ہوشیاری کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ اسلوب بیان بیحد سادہ ہے لیکن زبان و بیان کی خامیوں سے خالی نہیں۔ مثلاً یہ شعر۔

بیت رضوان نے سب پر عیاں کر دیا — ہاتھ تیرا خداوند کا ہاتھ ہے

یہ لفظ بیت نہیں بیعت ہے۔ اسی طرح سے لفظ نزع کو نزع باندھا گیا ہے۔

نظر رُوئے احمدؐ پہ ہو وقتِ نزع — الٰہی میں اتنی عطا چاہتا ہوں

کئی اشعار میں لفظ علا کو اولی باندھا گیا ہے۔ مثلاً

آپؐ ہیں جلوہ نما ارض و سما سے پہلے
کرسی ولوح و قلم عرشِ اولیٰ سے پہلے

ایک شعر میں رطب اللساں کی بجائے رتب اللساں لکھا گیا ہے۔

رتب اللساں خدا ہے رضا جس کے ذکر میں
اُس حاملِ ثناء کو ہمارا سلام ہو

جناب سید نبی رضا عظیم آبادی فن سخن وری سے واقف ہیں لیکن غالباً مناسب رہنمائی، وقت اور توجہ کی کمی کی وجہ سے اُن کے کلام میں وہ پختگی نہ آسکی جس کا وہ مستحق تھا۔ اس کے باوجود نعتیہ شاعری کے محاسن بھی اس کلام میں موجود ہیں۔ مثلاً کتاب کے نام کے حوالے سے دو شعر۔ ایک حرا سے متعلق اور دوسرا عرش سے متعلق۔

ملا پیغام، ختم الانبیاء ہو
حرا میں اک سفیر معتبر سے

صدائے مرحبا گونجی زمیں سے آسمانوں تک
سوئے عرشِ بریں جس دم وہ نازِ لامکاں گزرے

چند اور منتخب خوبصورت اشعار

ڈالی سجا رہا ہوں درود و سلام کی
جاؤں گا میں حضور میں خیر الانامؐ کی

روح میں تازگی نہیں عشقِ رسولؐ کے بغیر
رونق زندگی نہیں عشق رسولؐ کے بغیر

واں بارشِ انوارِ الٰہی ہے مسلسل
سرکارؐ جہاں کرتے ہیں آرام عزیزو

چھا جائے گی رحمت کی گھٹا قریۂ جاں پر
طیبہ کی طرف اپنی نظر کر کے تو دیکھو

تیرا احسان ہے سرکار دو عالمؐ ورنہ
کس کو معلوم تھا جینے کا سلیقہ کیا ہے

غلامی کی سند اُس گھر سے مل جائے تو کیا کہنا
اگر صدقہ در اطہر سے مل جائے تو کیا کہنا

نقاشی فنکار ازل دیکھے رضا دیکھے
تصویر محمدؐ کی ہے ہر آیۂ قرآں

مندرجہ بالا پہلے شعر کا دوسرا مصرع کچھ تبدیلی چاہتا ہے مثلاً میں جاؤں گا جناب میں خیر الانامؐ کی۔"
۱۴۴ صفحات کی یہ کتاب ۔/۵۰ روپے میں شعری دائرہ۔ ۹/۱۰۵ دستگیر سوسائٹی۔ فیڈرل بی ایریا کراچی۔ ۷۵۹۵۰ سے دستیاب ہے۔

نور بے مثال

جناب حیرت الہ آبادی اگرچہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں لیکن نعت گو بھی ہیں۔ اُن کا پہلا نعتیہ مجموعہ "منارۂ نور" (۱۹۸۹ء) تھا زیر نظر کتاب "نور بے مثال" (۱۹۹۷ء) ان کا دوسرا نعتیہ مجموعہ ہے۔

اس میں ایک حمد' ۳۸ نعتیں اور ایک سلام ہے۔ ان کے علاوہ پوربی زبان میں بھی ۲۰ نعتیں اور ایک سلام ہے۔ جس طرح افسانہ نویس' ناول نگار اور نقاد ڈاکٹر احسن فاروقی کی مادری زبان اودھی تھی اور اردو انہوں نے لکھنؤ میں سیکھی تھی اسی طرح حیرتؔ صاحب کی مادری زبان پوربی ہے۔ اردو انہوں نے بعد میں سیکھی۔ تلمذ اپنے والد بزرگوار حضرت عبرتؔ الہ آبادی سے حاصل کیا جو خود بھی امیر مینائی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ یوں اردو شاعری سے حیرتؔ الہ آبادی کا ایک گہرا اور مضبوط تعلق بنتا ہے۔ پختہ مشقی' احتیاط اور سلیقہ ان کی نعتوں میں نمایاں ہیں۔ ادائے مطلب کے لیے زبان سادہ رکھتے ہیں۔ اپنی حمد میں بھی خدا سے ذہن و دل کی یک زبانی اور حسن بیان کے لیے سوال کرتے ہیں۔ ان کی حمد پوری کی پوری مناجات ہی ہے۔ جس میں اپنے شہر کے لیے شیطانیت کے دور دورے سے نجات حاصل کرنے اور امن و امان کے قیام کے لیے بھی دعا مانگتے ہیں۔ اگرچہ نئے مضامین نعت کی تلاش ان کے یہاں نہیں پائی جاتی لیکن نئی اور تازہ زمینوں میں شعر کہتے ہیں مثلاً۔

سبز گنبد کا ہوا دیدار پہلی مرتبہ		ذہن و دل روشن ہوئے سرکارؐ پہلی مرتبہ
مٹ گئی سیہ راتیں' ٹوٹی ظلم و شر کی شاخ		سر زمین بطحا پر ٹوٹی جب سحر کی شاخ
ہیں جب تک قائم و دائم زمین و آسماں دونوں		ثنائے سرور دیں میں رہیں گے نغمہ خواں دونوں
کچھ غرض ہم کو نہیں ہے فصل گرم و سرد سے		ہم ہیں وابستہ نبیؐ کے نقش پا کی گرد سے
ذہن میں طیبہ مرے' پرچم بلالی ہاتھ میں		آ گیا کشکول لے کر اک سوالی ہاتھ میں
جب بھی دل سے مدحت خیر الوریٰ لکھی گئی		دفتر محبوب حق میں وہ ثنا لکھی گئی

نظر میں کعبہ بسا ہوا ہے' مدینہ دل کی کتاب میں ہے
میں رات دن پڑھ رہا ہوں اُس کو جو زندگی کے نصاب میں ہے

ان اشعار اور ایسے ہی بہت سے اشعار میں حیرتؔ الہ آبادی کی نعتیہ شاعری کا مضبوط رُخ سامنے آتا ہے۔ کہیں کہیں وہ الفاظ کے معنی کو نئی جہت بھی دے دیتے ہیں جس سے جدّت پسندی اور معنی آفرینی کی جھلک دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً اس شعر میں لفظ "مجبور" کا استعمال کہ یہ مجبوری قطعی اختیاری ہے۔

جئیں عشق محمدؐ میں مریں عشق محمدؐ میں		اگر یوں زندگی مجبور ہو جائے تو کیا کہنا

یہ پوری نعت اپنے لہجے اور لحن میں پُر تاثیر ہے۔ جہاں تک دیگر نعتوں کا تعلق ہے اُن میں اخلاص' صداقت اور عقیدت و محبت پورے طور پر اُجاگر ہیں۔ تاہم کہیں کہیں سادہ بیانی روایتی انداز اختیار کر گئی ہے

جس کی وجہ سے ادبی معیار یکساں طور پر قائم نہیں رہ سکا۔ ہاں جذبۂ ایمانی اور احساسِ روحانی سے بھرپور ہیں۔ یہ نعتیں بھی بہت خوب اور دلی جذبات سے معمور ہیں کہ مدحِ گرامی۔۔ نورِ بے مثال ہیں۔

سند فردوس کی مل جائے گی اللہ کے در سے ثنائے رحمتِ کل ذوق سے کرتے اگر ہیں

میں گدائے مصطفیٰؐ ہوں مجھے فخر ہے یہ حیرت بجز اس کے اور ارمان نہ [illegible] ہوگا

اور کیا چاہیے! یہی تو منتہائے مقصود ہے۔

اس کتاب کے علاوہ شاعر کے دو غزلیہ مجموعے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں اور دو زیرِ ترتیب ہیں۔ "نور بے مثال"۔ ر ۱۲۵ روپے میں بزمِ عبرت۔ بی ۲۲۲۔ بلاک ۱۳۔ گلستان۔ فیڈرل بی ایریا۔ کراچی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

انوارِ حرم

"انوارِ حرم" نعتوں کا گلدستہ ہے۔ اس کے مرتبین مجلس احباب ملت کے ارکان ہیں۔ یہ مجلس سال وقتاً فوقتاً حمد و نعت کے طرحی مشاعرے منعقد کرتی ہے۔ سال کا پہلا مشاعرہ حمدیہ ہوتا ہے۔ بعد والے مشاعرے نعتیہ ہوتے ہیں۔ زیرِ نظر شمارہ نمبر ۳، ۵، ۶ ہے جو چار سالوں کے مشاعروں میں پڑھے جانے والے حمدیہ اور نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ کن سالوں میں یہ مشاعرے منعقد کیے گئے ان کا ذکر اس کتاب میں نہیں ہے۔ یہ اس کی خامی ہے۔ بہر حال پہلے سال میں ۱۲ مشاعرے منعقد ہوئے۔ دوسرے سال میں ۱۱ مشاعرے تیسرے سال میں ۸ مشاعرے اور چوتھے سال میں پانچ مشاعرے ہوئے۔

یہ مشاعرے فروغِ نعت کی کوششوں کا حصہ ہیں۔ "انوارِ حرم" کی ان حمدیہ و نعتیہ محفلوں میں جزوی شرکت کے لیے ہم صرف چند اشعار کا انتخاب پیش کرتے ہیں۔ مختصر تبصرے میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن ان سے طرحی زمینوں کا اندازہ ضرور ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے صرف مطلعے دیے جا رہے ہیں۔

حمد

وہی رازداں فنا کا، وہی رازداں بقا کا یہ جہاں بھی ہے خدا کا، وہ جہاں بھی ہے خدا کا

افسر ماہ پوری

زمانہ تیرا ہے، کون و مکاں بھی تیرا ہے نظام کارگہ دو جہاں بھی تیرا ہے

جمیل عظیم آبادی

خداوندا تو اپنے ذکر کو وردِ زباں کر دے
پھر اس کے بعد عشق مصطفٰےؐ کا ترجماں کر دے
اختر لکھنوی

مددِ طلب جو رہے دل خدا کی قدرت سے
تو پاؤں چومے گی منزل خدا کی قدرت سے
...... سجاد سخن

نعت

آسماں حیرت زدہ ہے دیکھ کر دنیا کا رنگ
سارے رنگوں پر ہے غالب گنبد خضرا کا رنگ
اعجاز رحمانی

تحریر کیجئے، کبھی تقریر کیجئے
سرکارؐ کے پیام کی تشہیر کیجئے
قاری سید حبیب اللہ حبیب

توجہ آپؐ کی جب کاشفِ اسرار ہوتی ہے
تو ہر خفتہ حقیقت زیست کی بیدار ہوتی ہے
عثمان رمز

پھیلا ازل کا نور جو پیکر سے آپؐ کے
سایہ گزر سکا نہ برابر سے آپؐ کے
انجم شادانی

مرے نبیؐ سے اُجالا یہ شش جہات میں ہے
مرے نبیؐ سا بھلا کون کائنات میں ہے
غفار شاد

وہ جو خم آپؐ کے در پر ہیں رسول عربیؐ
حاملِ سر بہ فلک سر ہیں رسول عربیؐ
قمر وارثی

کم سے کم واسطہ دنیا کی طلب سے رکھنا
کام بس پیرویٔ شاہِ عربؐ سے رکھنا
نعیم الرحمن
جوہر

یہ ہم نے معجزہ اسم رسول پاکؐ کا دیکھا
کہ ہر جانب تصور میں خدا لکھا ہوا دیکھا
سہیل
غازی پوری

خواب روشن ہو گئے، مہکا بصیرت کا گلاب
جب کھلا شاخِ نظر پر اُنؐ کی رُویت کا گلاب
صبیح رحمانی

۶۶۸ صفحات کی اس کتاب میں شامل ۶۴۸ حمدیں اور نعتیں شامل ہیں۔ مندرجہ بالا سرسری انتخاب کے علاوہ ان میں بہت سے اچھے اچھے اور معیاری اشعار پڑھنے کو ملتے ہیں۔ تاہم بہت سے ایسے اشعار بھی سامنے آتے ہیں جو نعتیہ ادب کے بلند معیار پر پورے نہیں اُترتے۔ نعت کو مطلوبہ ادبی معیار دینے کے لیے خصوصی محنت اور توجہ کی ضرورت ہے۔ اگر صرف حصولِ ثواب کی بات ہے تو شعر گوئی کی بجائے صلوٰۃ و سلام کو حرزِ جاں اور وردِ زباں کرنے سے کئی گنا زیادہ رحمتوں اور ثواب کا اجر حاصل ہو سکتا ہے۔ مقصود حوصلہ شکنی نہیں بلکہ نعت نگاری کی صلاحیت کو جلا دینے اور مزید اُبھارنے کی ضرورت کی طرف ہے۔ حصولِ منزل کے لیے کاوکاوِ سخت جانی ہائے شوق سفر بھی چاہیے۔ حمدوں نعتوں کا یہ گلدستہ ۲۰۰/ روپے میں مجلسِ احبابِ ملت۔ بی۔ ۴۵۲۔ سیکٹر ۱۱۔ اے۔ نارتھ کراچی سے دستیاب ہے۔

آب و تاب رنگ و نور

عصر جدید میں بھی وقتِ رواں میں پورے پاکستان میں جو ادارے فروغِ نعت کے لیے کوشاں ہیں اُن میں خصوصاً دو اداروں نے اپنی انفرادی اور امتیازی حیثیت کو منوالیا ہے۔ اُن میں سے ایک دبستان وارثیہ فاؤنڈیشن اور دوسرا ادارہ اقلیم نعت ہے۔ دونوں اداروں کا دائرہ کار اور لائحہ عمل واضح اور مخصوص ہیں۔ اقلیم نعت کی کاوشوں سے قارئین "نعت رنگ" بخوبی واقف ہیں۔ جہاں تک دبستان وارثیہ کا تعلق ہے اُس کی سرگرمیوں میں طرحی نعتیہ مشاعروں کا باقاعدہ انعقاد اور اشاعتی کام شامل ہیں۔ اب تک دیگر کتب کے علاوہ ماہانہ طرحی مشاعروں کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ زیرِ مطالعہ تیسرا نعتیہ مجموعہ ۱۹۹۶ء میں منعقد بارہ طرحی ردیفوں کے مشاعروں میں پڑھی گئی حمدوں اور نعتوں کا گلدستہ ہے۔ ترتیب و پیشکش نہایت عمدہ اور نفیس ہے۔ صوری حسن کے علاوہ معنوی خوبیاں نہایت دلکش ہیں۔ کتاب پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ دبستان وارثیہ نہایت خاموشی اور غیر محسوس طریقے سے حمد و نعت گوئی کی تربیت کا فریضہ بھی انجام دے رہی ہے۔ اب تک شعرائے کرام قوافی پر طبع آزمائی کرتے چلے آ رہے تھے لیکن دبستان وارثیہ نے بالکل نئے انداز میں ردیفوں کی بلندیوں اور وسعتوں میں طائرِ فکر کو پر کشائی کا موقع فراہم کیا ہے۔ اگر قارئین اس مجموعے کے ساتھ پچھلے دو مجموعوں کا مطالعہ بھی کریں تو نعت گوئی میں نہ صرف عمودی سفر کا اندازہ کریں گے بلکہ اس کے افقی سفر سے بھی لطف اندوز ہو سکیں گے۔ جہاں ناپختگی کا احساس ہوتا ہے وہاں مزید مشق و مزاولت سے بہتری کی گنجائش موجود ہے۔

کتاب کا نام "آب و تابِ رنگ و نور" سال کی پہلی ردیف اور سال کی آخری ردیف سے مرکب ہے۔

پروفیسر آفاق صدیقی کے پیش لفظ کا عنوان بھی انتاہی خوبصورت ہے۔"جلوہ بہ جلوہ آب وتاب" پوری کتاب حمد و نعت کے رنگ و نور کی آب و تاب سے جگمگا رہی ہے۔ان میں خیال کی خوبصورتیاں اور فکر و فن کی فیض رسانیاں دونوں پہلو بہ پہلو اپنی رفعتوں کی طرف مائل پرواز ہیں۔خیال کے لیے نئے اور دلکش پہلو سامنے آتے ہیں اور فکر کے نئے زاویے نظر نواز ہوتے ہیں۔یہ کتاب حمد و نعت کے معیاری ادب میں یقیناً ایک اضافہ ہے۔ ۴۳ شعرا نے ان طرحی مشاعروں میں حصہ لینے کی سعادت حاصل کی ہے۔اس محفل کے بزرگ ترین شاعر حضرت نشتر اکبر آبادی عازمِ خلد ہو چکے ہیں۔اُن کے دو شعر پہلی اور آخری ردیفوں کے حوالے سے۔

سب نے دیکھی ہے ہماری شاعری کی آب و تاب
میری معراجِ تخیل میں ہے بام رنگ و نور

ہم نبیؐ کے چاہنے والوں کے در کی خاک ہیں
اُنؐ سے وابستہ ہوں پستی میری فطرت میں نہیں

قمر وارثی جو دبستان وارثیہ کی مجلس عاملہ کی روحِ رواں ہیں اپنی اس پیش کش کے لیے تحسین کے مستحق بھی ہیں اور پذیرائی کے بھی۔جو قارئین حمد و نعت کے موضوع پر جدید معیاری شعری ادب پڑھنا چاہتے ہیں اُن کے لیے ۳۰۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ہدیۃً۔/۱۴۰ روپے میں دبستان وارثیہ۔۱۲۔ ایل۔۳۴۶۔اورنگی۔کراچی کی طرف سے ایک فرحت بخش،روح پرور اور ایمان افروز تحفہ ہے۔

آدم تا رحمت عالم

جناب انوار عزمی ایک قادر الکلام شاعر ہیں۔انھوں نے اپنی جدت طبع کی ایک نئی راہ یہ نکالی ہے کہ "آدم تا رحمت عالم" کے نام سے ایک کتاب تحریر کی ہے جس میں ۳۵ انبیائے کرام اور رسولان عظام کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔کتاب کا انتساب ان الفاظ میں ہے۔"خیر کی قوتوں کے نام جو ابتدا سے آج تک اللہ کی زمین پر سچائیوں کے اُجالے پھیلانے کے لیے جہل کے اندھیروں سے مصروف جہاد ہیں۔"

مذہبی شاعری کا ایک بالکل نیا رُخ سامنے آیا ہے۔ہر نظم کی ابتدا ایک رباعی یا قطعہ سے ہوتی ہے۔ ہر نظم سے پہلے اپنے موضوع کا مختصر تعارف نثر میں ہے۔اُن کا ذکر قرآن میں کتنی بار آیا ہے یا نہیں آیا ہے۔ انھوں نے کتنی عمر پائی۔کن لوگوں پر مبعوث کئے گئے۔خاص واقعات کیا تھے۔اس اختصار کے لیے شاعر نے تفصیلی مطالعہ کیا ہے۔بیشتر نظمیں مثنوی کی ہیئت میں ہیں۔یہاں مثنوی سے مراد روایتی مثنوی اور اُس کی مخصوص بحریں نہیں ہیں۔چند نظمیں مسدس اور غزل کی فارم میں بھی ہیں۔انوار عزمی کو مختلف اصناف سخن پر عبور حاصل ہے۔یہ نظمیں انھوں نے بیحد عقیدت،جذبۂ اسلامی اور تازگی ایمان کے ساتھ لکھی

ہیں۔ توحید کا نور اور نبوت و رسالت کے شعور کا اُجالا ان تمام نظموں میں پھیلا ہوا ہے۔ وہ زبان، قلم اور دل کی گہرائیوں سے اپنے سچے جذبات کا اظہار فکر و فن کے لوازم کے ساتھ کرتے ہیں۔ توحید و رسالت کے فرق کو ہر جگہ ملحوظ رکھتے ہیں۔ تمام نظموں میں بے ساختگی اور فطری روانی ہے جو شاعر کے تلمیذ الرحمن ہونے کی گواہی دیتی ہیں۔ شعریت اپنی خوبصورتی' سلاست اور لطافت کے ساتھ موج زن ہے۔ اس کتاب کے مطالعے کے دوران شاعر کے ساتھ قاری بھی سورۂ بقر کی آخری تین آیتوں کی تفسیر اور ایمان مفصل کی تصویر بن جاتا ہے۔ کتاب ایک حمد سے شروع ہوتی ہے۔ ہماری رائے میں پہلے شعر کا دوسرا مصرع پہلا اور پہلا مصرع دوسرا ہوتا تو بہتر تھا۔ حضرت صالح والی نظم میں ایک شعر ہے۔

ایک عرصہ ہوا عمل اس پر   پھر زمانہ یہ حکم بھول گیا

یہاں زمانہ سے مراد لوگ ہیں لیکن وقت کو اہلِ جہاں کے معنوں میں استعمال نہ کرنا انسب ہے۔

حضرت ابراہیمؑ والی نظم میں ایک شعر ہے۔ اس میں شتر گربہ ہے۔ دُور ہو جانا چاہئے۔

تیری اُمتؐ میں نہیں ہم لوگ اس کے باوجود   بھیجتے ہیں ہم تمہاری ذات پر لاکھو درود

کتاب کے آخر میں "اکتساب" کے عنوان سے ایک تعلّی آمیز نظم ہے جس میں بہ اصرار اس مصرع کی تکرار کی گئی ہے۔ "ہو سکے تو کیجئے میری بزرگی کو سلام۔" یہ نظم ایک بندۂ مومن کی طرف سے اپنی ذات و صفات پر فخر و مباہات کا اظہار ہے۔ اس میں شاعرانہ حُسن تو موجود ہے لیکن ایک بندۂ مومن کا عجز و انکسار مفقود ہے۔ مذکورہ مثالی خوبیوں کے حامل مسلمان اگر واقعی ہمارے معاشرے میں موجود ہوتے تو ہم صدیوں سے ناگفتہ بہ حالات کا شکار نہ ہوتے۔ یہ نظم مناسب تبدیلی سے بہتر ہو سکتی ہے۔ جناب انوار عزمی کے لیے بہت آسان ہے کہ وہ ایسا کر لیں۔

۱۶۰ صفحات کی یہ دلکش اور خوبصورت کتاب۔

مرکزی انجمن سہروردیہ کراچی' پی ایم سی انڈسٹریز' الف ۷ ۱۳ سینٹرل ایونیو روڈ ایس آئی ٹی ای۔ کراچی 75730' پاکستان سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

نقش کفِ پا

"نقش کفِ پا" الحاج وقار احمد وقار صدیقی کی نعتوں کا مجموعہ ہے۔ ۱۱۹ صفحات کی اس کتاب میں ۵۲ صفحات پر شاعر کی عقیدتیں' نیاز مندیاں' عجز و انکسار اور دین و ایمان کا اظہار اشعار کی صورت میں روشن ہے۔ ۲۷ صفحات پر مختلف اصحاب کے مضامین شاعر اور اس کی شاعری کے بارے میں ہیں۔ مقدمہ پروفیسر ڈاکٹر خورشید خاور امروہوی نے تحریر کیا ہے جس میں انھوں نے صاحب کتاب کی شاعری کے فنی اور فکری محاسن

پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب کی شاعری میں جذبۂ ایمان کی سچائی اور اسلام سے خلوص و محبت کی گہرائی کا احساس ہوتا ہے۔ جذبہ، فکر اور فن ساتھ رہتے ہیں۔ اسلام کے آفاقی پیغام اور انسانیت کے لیے اس کی اہمیت اور افادیت سے بھرپور نظام کا شعوری ذکر دلی سرشاری کے انداز میں یوں کرتے ہیں کہ ایمان کی تازگی ذہن اور روح دونوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس شعری سفر کی راہ اس طور سے متعین ہوئی۔

سوچتا تھا میں قلم کا حق ادا کیسے کروں — غیب سے آئی ندا نعتِ رسولِ پاکؐ لکھ

اسرار کھل رہے ہیں خدا کی کتاب کے — او صاف لکھ رہا ہوں رسالت مآب کے

علم و عمل کی جان ہے پیغامِ مصطفےٰؐ — عظمت کا اِک نشان ہے پیغامِ مصطفےٰؐ

چنانچہ وہ نہایت سچائی اور بیحد صفائی کے ساتھ ہر دانش ور اہلِ عقل اور صاحبِ علم سے خطاب کرتے ہیں۔

تو صاحبِ نظر ہے تو اسلام کر قبول — دل پر بڑے ادب سے محمدؐ کا نام لکھ

بیان کی شگفتگی اور ردیفوں کی تازگی کے ساتھ نعتیہ شعر کہتے ہیں۔ چند اشعار

ایمان کا معیار ملا شاہِ امَمؐ سے — سرمایۂ افکار ملا شاہِ امَمؐ سے

وہاں ہے جلوۂ رحمت چلو مدینے چلیں — وہاں ہے دین کی دولت چلو مدینے چلیں

حق پہ مرنا جانتا ہوں مصطفےٰؐ والوں میں ہوں — کیوں ڈروں گا اہلِ باطل سے خدا والوں میں ہوں

اس کتاب میں جو نعتیہ کلام ہے وہ اگرچہ مقدار میں کم ہے لیکن اپنے معیار میں بہت ہے۔ شہِ کونینؐ آقا رسول ہاشمیؐ اے سبز گنبد کے مکیںؐ حضورؐ میرے حضورؐ ذکرِ رسولؐ مدینے کی بہاریں اور محمدؐ کے شہر میں جیسی ردیفوں میں اچھی نعتیں کہیں ہیں۔ جذبے کی شدت احساس کی گہرائی اور پیروی رسولؐ کے داعیہ سے معمور ہیں۔ ہدیہ امصنف کے حق میں دعائے خیر۔ ناشر ہے بزم تزئین ادب (رجسٹرڈ) بیت الفیاض۔ اے۔ ۳۰۸۔ بلاک این۔ شمالی ناظم آباد۔ کراچی۔ ۷۴۷۰۰

نعت میری زندگی

نعت میری ہے زندگی نعت ہی سے پیار ہے
نعت ہی کا میرے دل میں اک حسیں گلزار ہے

یہ شعر جناب طاہر سلطانی کا ہے۔ "نعت میری زندگی" اُن کا دوسرا حمدیہ اور نعتیہ مجموعہ کلام ہے۔ اس میں آٹھ حمدیں اور تریسٹھ نعتیں شامل ہیں جب انھوں نے نعت گوئی کو اپنی زندگی کا بنیادی شعار قرار دے

لیا تو کہا۔

اب زندگی خوشی میں بسر ہو کہ غم کے ساتھ
ہوں مطمئن کہ آپ کی نسبت ہے دم کے ساتھ

اب تیرگی کا نام نہیں میری راہ میں
قندیل عرش بن گئی روشن نگاہ میں

اب اندھیروں سے کوئی یہ کہہ دے میرے رستے میں ہرگز نہ آئیں
روشنی نسبت مصطفےٰ کی مجھ کو رستہ دکھانے لگی ہے

نعت اشکوں سے لکھوں اور سحر ہو جائے
زندگی اُن کی ثناء ہی میں بسر ہو جائے

طاہر سلطانی کی نعتیں اپنے جذبات و محسوسات میں تو تر و تازہ ہیں ہی لیکن زبان و بیاں کے لحاظ سے بھی شاداب ہیں۔ یہ اُن کے اپنے موضوع سے خلوص کی دین ہے۔ اُن کی نعتوں سے معروف اہل قلم بھی متاثر ہیں۔ چند آراء "طاہر سلطانی نے نعت گوئی کے تازہ پیرایوں پر خصوصی توجہ دی ہے۔ ان کے کلام میں قلبی کیفیات اور عقیدت کا والہانہ اظہار ملتا ہے۔" (پروفیسر سحر انصاری)

"طاہر سلطانی نے شاعرانہ نزاکتوں اور لفظی معنوی صنفوں سے بڑا کام لیا ہے۔" (پروفیسر آفاق صدیقی)

"ان کی نعتیں تاثیر سے لبریز ہیں اور دل و روح کی بالیدگی کا سبب ہیں۔" (تابش دہلوی)

"طاہر سلطانی کی شاعری میں وہ تمام بنیادی عناصر و لوازم موجود ہیں جو اچھی حمد و نعت کی تخلیق میں سازگار ہوتے ہیں۔" (پروفیسر عاصی کرنالی)

"میں نے ان نعتوں کو امعان نظر پڑھا ہے۔ مجھے اطمینان اور روحانی مسرت حاصل ہوئی۔" (راغب مراد آبادی)

"کلام میں کہیں کہیں جدت بھی ہے۔ حسنِ معنی بھی ہے لیکن سادگی ان کے مزاج کی ان کی شاعری پر بھی سایہ فگن ہے۔ (ادیب رائے پوری)

"طاہر سلطانی کی حمد ہو یا نعت دونوں میں صحت عقائد، ذات و صفات باری تعالیٰ کی جلالت اور عظمت مصطفویؐ سے آگاہی کی جھلک نظر آتا ہے۔ انھوں نے نعتیہ شاعری کے لیے بڑی مہارت کے ساتھ مترنم بحروں کا انتخاب کیا ہے۔" (رشید وارثی)

طاہر سلطانی کی نعتیہ شاعری میں طبع زاد خوبیاں بہت ہیں۔ انھوں نے دبستان وارثیہ اور اُنکی طرحی ردیفوں سے بھی خاصا استفادہ کیا ہے لیکن چونکہ مشقِ سخن کی ابتدا ہے اس لیے خامیاں بھی موجود ہیں مثلاً صفحہ ۶۷ پر درج نعت کے کئی مصرعے بحر سے خارج ہیں۔ عروض کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ شاعر کے پاس ذہن رسا، طبع رواں، سوز دلی، ذوق و شوق اور محنت کی لگن جیسے اثاثوں کی موجودگی میں فن کی تکمیل ان کے لیے مشکل نہیں۔ بہت سی خوبیوں کے ہوتے ہوئے چند خامیاں بھی کیوں رہیں۔ فکر و فن

کے تمام دیئے سر قرطاس روشن رہنے چاہئیں۔ مجموعی طور پر یہ نعتیہ شاعری دلکش اور قابل مطالعہ ہے۔

۱۹۶ صفحات کی یہ کتاب ۔ر ۵۰ روپئے میں ادارۂ چمنستان حمد و نعت ٹرسٹ۔ ۲۶ر ۳۸۔ بی ون۔ لیاقت آباد۔ کراچی۔ ۱۹ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

انتخاب نعت (حصہ دوم)

ایک نہایت خوبصورت منظر میں گنبد خضرا نظر افروز ہے۔ آسمان پر ہلکے اور گہرے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ بادلوں کے جھروکوں سے کہیں کہیں آسماں کی نیلاہٹ دکھائی دے رہی ہے۔ سورج کی نرم روشنی نے پورے منظر کو اپنی وسعتوں میں اُجال دیا ہے۔ اس منظر کی عکسی تصویر کے بعد جو صفحات ہیں دو اس منظر کے پس پردہ آرام فرما دنیا کی عظیم ترین شخصیت کا یہ قول یاد دلاتے ہیں کہ مجھے ہند کی طرف سے خوشبو آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس خوشبو کا ایک حصہ برصغیر کے اردو نعت گو شعرا کے حروف عقیدت میں کشید ہو کر ان صفحات کو مہکا دیا ہے اور مشام جاں کو معطر کر رہا ہے۔ نعتوں کا یہ انتخاب "انتخاب نعت" حصہ دوم کے نام سے مارچ ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا ہے۔ اس سے قبل حصہ اول چار سو سے زائد شعرا کے نعتیہ کلام کا انتخاب شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔

اس خوبصورت زیدہ زیب اور دل آویز حمد و نعت کے مجموعے کے مرتب ہیں محترم عبدالغفور قمر۔ اس میں موضوعاتی تقسیم کے لحاظ سے تقریباً ساڑھے تین سو شعرا کا کلام شامل ہے۔ اب تک شائع ہونے والے منتخب نعتوں کے مجموعوں میں یہ مجموعہ الگ الگ سا نظر آتا ہے۔ اپنی اس کاوش کے سلسلے میں مرتب رقم طراز ہیں۔ "میرا ہدف ایسی نعت ہے جو کم و بیش معروضی احساسات پر اُٹھائی گئی ہو۔ میری اپنی عقیدت واردات اور میرے اپنے جذبات و کیفیات مجھے معیار مہیا کریں گے۔ اچھا نعتیہ شعر میرے دل کو مسخر کر لیتا ہے اور میرے خون کے ساتھ گردش کرنے لگتا ہے...... میرا دل چاہتا ہے سوز دل والا کوئی شخص ابھی سامنے آجائے تو اُسے سناؤں۔ خود بھی رودوں اور اُسے بھی رُلاؤں۔" یہ اس قابل قدر اور بیش قیمت مجموعے کی پہلی خصوصیت ہے۔ دوسری خصوصیت ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی بتاتے ہیں۔ "جناب قمر نے اپنی زندگی کے روز و شب نعتوں کے مطالعے اور ذات رسالت مآب کے بارے میں سوچتے ہوئے اور اس ذات اقدس و اعظم کو اپنے وجود کی گہرائیوں میں محسوس کرتے ہوئے گذارے ہیں...... عبدالغفور صاحب نے نعتیہ مجموعوں کا مطالعہ گہرائی اور محبت کے ساتھ کیا ہے۔ ان کے انتخاب دوسرے انتخابات کا نقش مکرر نہیں۔" تیسری خصوصیت جناب حفیظ تائب لکھتے ہیں۔ "جناب عبدالغفور قمر کا انتخاب نعت کئی نسلوں کا عقیدت نامہ ہے۔" چوتھی خصوصیت اس کتاب کی مرتب کے سفر حرمین شریفین کی خود نوشت روداد ہے جس کو

پڑھیے تو روح جھومنے لگتی ہے اور قاری محسوس کرتا ہے کہ وہ بھی اس مسافر کے ساتھ ہے۔ پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ ہر نعت میں سے وہی اشعار چنے گئے ہیں جنھوں نے بطور خاص مرتب کو متاثر کیا ہے۔ اثر اور تاثیر سے بھرپور ہیں اور دل ربا کیفیات سی معمور پڑھتے پڑھتے قاری وہاں پہنچ جاتا ہے جہاں اُسے پہنچ جانا چاہیے۔ ان اشعار کے مختلف عنوانات کے تحت ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ جہاں مرتب نے ضروری سمجھا منتخب نعتوں کی خوبیوں کی نشان دہی بھی کی ہے جس سے ان کے ذوق مطالعہ کی لطافت اور نفاست اور نظر نقد کی بلند معیاری نمایاں ہوتی ہے۔ ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ مرتب نے ہر قسم کی گروہ بندی اور تعصب سے بالاتر ہو کر صرف اور صرف حب رسول کو اپنا معیار بنایا ہے اور اقبال کے اس مصرعے کو پیش نظر رکھا ہے۔

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ

یہ خاص ترکیب ہی اہلِ اسلام کو ایک مرکز پر جمع کرتی ہے اور ان کے اپنے مخصوص مزاج کی تشکیل کرتی ہے۔ بلکہ دیگر اقوام عالم سے ممیز بھی کرتی ہے۔ کتاب کے آخر میں حصہ فارسی ہے جس میں چار فارسی کی بیحد اثر آفریں نعتیں شامل ہیں۔ کتاب کے ٹائیٹل کی دوسری طرف عربی کے دو اشعار سبز زمین پر سفید حروف میں درج ہیں جو مواجہ شریف کی جالیوں پر کندہ ہیں۔ ترجمہ "اے (صلی اللہ علیہ وسلم) بہتر اُن سب سے جن کے جسم مبارک خاک میں مدفون ہوئے ہیں۔ اور اُن کی خوشبو سے جنگل اور پہاڑ مہک گئے ہیں۔ میری جان اس پاک قبر پر فدا جس میں آپؐ سکونت فرما ہیں۔ اس قبر شریف میں پرہیزگاری ہے اور اس میں بخشش و سخاوت اور کرم و مہربانی ہے۔" یہاں عین مناسب ہوگا اگر یہ بیان کر دیا جائے کہ روضۂ منورہ کی جالیوں میں یہ کلمہ بھی کندہ ہے۔ "لا الہ الا اللّٰہ الملک الحق المبین محمد رسول اللہ صادق الوعد الامین۔"

یہ پوری کتاب ایک خاص پاکیزہ فضا میں جگمگا رہی ہے۔ عقیدتوں، محبتوں اور ارادتوں کے تمام گہرے اور پختہ رنگ اس میں جھلک رہے ہیں۔ دورانِ مطالعہ قاری ان تمام رنگوں میں نہا سا جاتا ہے اور وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اُس کی روح زمین کی کثیف فضا سے اُوپر اُٹھ کر عالم بالا کی لطیف فضا میں محوِ پرواز ہے۔ مرتب اس کے لیے نہ صرف داد کے مستحق ہیں بلکہ مبارکباد کے بھی ہیں۔ یہ حسین کتاب ہدیۃً ۳۰۰ روپے میں رسالے کے سائز میں ۴۴۸ صفحات پر مشتمل ڈاکٹر توحید قمر۔ EE-19۔ فیز 4۔ ایل سی ایچ ایس۔ لاہور کینٹ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ دو شعر مرتب کی نذر ہیں۔

عبدالغفور نے جو کیا انتخاب نعت	کیا خوب ہو گئی ہے مرتب کتاب نعت
نعتیں تو شاعروں نے لکھی ہیں الگ الگ	یہ ہیں سبھی کے ساتھ شریک ثواب نعت

خلاصۂ کلام

نعت رنگ کے قارئین کے لیے متذکرہ بالا کتب پر تبصرے پیش کیے گئے۔ ان کتابوں میں خوبیاں زیادہ ہیں جو ایمان بالّسان اور قلبی عقیدتوں کو آئینہ دار ہیں۔ خامیاں کم ہیں جو ہر درجہ میں اور ہر سطح پر بوجوہ در آئی ہیں۔ کتابوں کے شوقین صاحبان استطاعت سے بہر حال یہ توقع بجا طور پر کی جاسکتی ہے کہ وہ ان کتابوں کو خرید کر اطمینان اور سکون کے ساتھ ان کا مطالعہ کریں۔ اس سے نہ صرف ذوق مطالعہ میں نکھار پیدا ہوگا بلکہ مصنفین مؤلفین اور ناشرین کی عملی حوصلہ افزائی بھی ہوگی۔ نیز حمد و نعت کے شعبے میں بہتر تخلیقات کے امکانات قوی تر ہوں گے۔ آخر یہ شعبہ بھی عظیم آفاقی ادب کا حصہ ہیں۔ اس ضمن میں ہمارے تخلیق کاروں پر بھی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ زبان و بیان اور فکر و فن کے اعلیٰ معیار قائم کر کے احسن الخالقین کا حق ادا کرنے کی پوری پوری کوشش لازم ہے۔ اگر دوسرے شہروں کی تحریکوں سے متاثر ہو کر ادب کے مخصوص اسالیب پھل پھول سکتے ہیں تو مکے اور مدینے سے تحریک پانے والے جذبے اعلیٰ تر، معیاری اور آفاقی ادب کا حصہ کیوں نہیں بن سکتے۔ دنیا، دین اور آخرت کی سہ سمتی فلاح مضمر ہے۔

خطوط

تابش دھلوی...... کراچی

نعت رنگ کا چوتھا شمارہ ملا' میں نے اس رسالے کو آپ کے ذوق سلیم اور آپ کی ترویج صنف نعت گوئی اور فروغ نعت کی کوششوں کا صلہ پایا' آپ اس سلسلے میں جو کام کر رہے ہیں وہ نہایت قابل قدر ہے۔ اللہ آپ کو توانائی اور حوصلہ دے!

تعجب ہے کہ ارباب نقد و نظر نے صنف نعت کو اپنی تحریروں میں وہ مقام اور درجہ نہیں دیا جو دوسری اصناف سخن کو دیا ہے آخر کیوں؟ غالباً اس کی وجہ مذہب سے کم تعلقی اور رسول ﷺ کی تعریف و توصیف کے حوالے سے اس کو (نعوذ باللہ) یک رخہ سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا رہا' صنف نعت پر جتہ جتہ کام ہوا جو نہ ہونے کے برابر ہے' نعتوں کے مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں اور ایک آدھ کتاب تاریخ نعت کے حوالے سے منظر عام پر آئی ہے جس سے سیری نہیں ہوتی۔ آپ کا کام ٹھوس ہے اور آپ نے نعت کو ادبیات کی اعلیٰ اصناف میں شامل کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

موجودہ شمارہ میں ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کا مضمون "نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم" نہایت فکر انگیز ہے اور لفظ و صوت کے حوالے سے جو گفتگو کی گئی ہے وہ اہل علم کے لیے اور خاص طور پر شعرا کے لیے سبق آموز ہے ایسے مضامین ادبیات میں خوشگوار اضافہ ہیں۔ رشید وارثی صاحب نے بھی "اردو نعت اور شاعرانہ تعلّی" کے عنوان سے نئے اسلوب سے شعرا کا محاکمہ کیا ہے جو شعرا کو رسولؐ کے اوصاف اور ان کی تعلیمات کے بیان کے سلسلے میں زیادہ احتیاط کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

** ** **

کالی داس گپتا رضا...... ممبئی۔ بھارت

نعت رنگ کتاب نمبر 4 ملی۔ نعت رنگ جس شان سے نکلا ہے وہ جناب آپ اور آپ کے رفقائے کار ہی کا حصہ ہے۔ جو کچھ بھی رسول عالی مقامؐ کے تعلق سے لکھا جائے گا وہ محترم تو ہو ہی جائے گا۔ ان معنوں میں نعت رنگ احترام سے پڑھی جانے والی کتاب ہو گی۔ مبارکباد قبول فرمائیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر......لاہور

نعت رنگ کا چوتھا رنگ ملا اور اس رنگ کو بھی گزشتہ رنگوں کی طرح خوش رنگ پایا۔

صبیح صاحب! منہ دیکھی بات نہیں نعت کے حوالے سے سنجیدہ فکری پر مبنی آپ کی یہ کاوش لائق تحسین ہے گزشتہ شماروں کی مانند تازہ شمارے میں بھی نعت کے فن کے بارے میں بعض اچھے مقالات پڑھنے کو ملے اس ضمن میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، نور احمد میر ٹھی، احمد ہمدانی، مجید بیدار کے مقالات خصوصی تذکرہ چاہتے ہیں ان میں سے بیشتر مقالات کی اساس تحقیقی مواد پر استوار ہے اور اس میں ان کی افادیت مضمر ہے۔ ان کے علاوہ دیگر مقالات بھی موضوعات کے تنوع کے لحاظ سے خوب ہیں۔ ظاہر ہے اس نوع کا پرچہ مرتب کرنے کے لیے محنت اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے جس کی آپ کے پاس کمی نہیں اور اسی لیے "نعت رنگ" فکری اعتبار سے قابل توجہ جریدہ ثابت ہوتا ہے۔

** ** **

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی......فیصل آباد

"نعت رنگ" ایک صحیفۂ دلنواز ہے اس نے صدیوں کا قرض ادا کر دیا ہے نعت اب گوشۂ خمول نہیں اور نہ ہی ادبی حملوں یا تنقیدی نشتروں سے گریزاں ہے کہ اب اس کی ادبی منزلت کی پاسداری ہو رہی ہے۔ یہ سعادت کتنے قرنوں سے آپ کے لیے ودیعت تھی کہ ادبیات عالیہ کو "ادبیات عالیہ" ثابت کرنے کا اہتمام ہو ہر شمارہ نئے افق کھول رہا ہے اور ہر تحریر نئی جہتوں سے آشنا کر رہی ہے اللہ تعالیٰ آپ تمام ساتھیوں کو اس مقدس مشن میں استقامت عطا فرمائے کہ نعت لکھنا اگر تلوار کی دھار پر چلنا تھا تو نعت پر "نقد و نظر" پل صراط سے گذرنا ہے رب سلّم کی دعا ہی دے سکتا ہوں کہ یہی حصار عافیت ہے جناب کشفی صاحب کا خط آیا تھا ان کی محبتوں کا اسیر ہوں جلد جواب لکھوں گا۔ سلام عرض کیجئے گا "نعت رنگ" میں ان کی تحریر نے رنگوں کی کہکشاں بھر دی ہے۔

** ** **

ڈاکٹر پروفیسر عنوان چشتی......نئی دہلی

میں نے نعت رنگ کے دونوں شمارے جستہ جستہ دیکھے۔ علماء کے مضامین دیکھے آپ اپنا کام کرتے رہیے نعت رنگ میں صوفیوں اور غیر مسلموں کی نعتیں ضرور شامل کیجئے آخر ہمارے سماج کا ایک بڑا حصہ ان حضرات پر مشتمل ہے اردو زبان سب کی زبان ہے ایک پبلشر آئے تھے وہ بچوں کے لیے اور بڑوں کے

لیے دو الگ الگ "نعتیہ گل دستے" شائع کرنا چاہتے تھے میں نے آپ کی دو نعتیں انتخاب کرلی ہیں ان گلدستوں میں شامل کر رہا ہوں۔ ٹھیک کیا نہ میں نے۔

............**

ڈاکٹر خورشید رضوی...... لاہور

"نعت رنگ" کا تازہ شمارہ اور آپ کا گرامی نامہ یکے بعد دیگرے وصول ہوئے آپ کی کرم گستری پر ممنون اور اپنی نالائقی پر شرمندہ کہ بروقت رسید بھی نہ بھیج سکا آپ نے پوچھا ہے گوشہ کیسا لگا؟ کیا عرض کروں۔ مختصراً اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اپنی اوقات اور اس اعزاز پر نظر کر کے آنکھیں نم ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

پرچے کا مواد سب کا سب بہت خوب ہے۔ کس کس کا نام لے کر داد دوں ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی نے اپنے فاضلانہ مقالے میں نہایت باریک ادبی ولسانی نکات اٹھائے ہیں جناب رشید وارثی' عزیز احسن اور جناب نور احمد میرٹھی نے اپنے اپنے موضوع کا کمال محنت سے بہت اچھا تجزیہ پیش فرمایا ہے۔ حسرت حسین حسرت مرحوم کے فن نعت گوئی پر جناب حفیظ تائب کا مضمون بطور خاص اچھا لگا اور یہ حسن اعتراف اس پختہ گو' درویش صفت شاعر کا حق تھا۔

............**

پروفیسر عاصی کرنالی...... ملتان

نعت رنگ کا شمارہ نو ملا۔ خوب سے خوب تر' حسین سے حسین تر' مفید سے مفید تر ہر شمارہ مائل بہ فروغ و ترقی۔ آپ اس قدر معیاری' وقیع اہم مضامین ومقالات کیسے جمع کر لیتے ہیں جن میں ابداع بھی ہے اور علم افروزی اور خرد افزائی بھی اور پھر اتنی کثرت کے ساتھ ان کا حصول اور جمع و ترتیب آپ کے "معجزات فن" میں شامل ہے آپ کے رفقاء کا ایثار واعانت لائق تحسین ہے تاہم آپ روح رواں ہیں اور آپ کی ریاضت مہارت اور لیاقت "شاد باش" کے قابل ہے۔

صبیح رحمانی خود تو ہزاروں سال تک زندہ رہیں گے ہیں لیکن انہوں نے نعت پر تنقیدی اور تحقیقی ذائقوں کے مضامین کی تحصیل وابلاغ کا جو نیا رخ نکالا ہے اور واقعی حمد و نعت بلکہ دینی ادب میں جو ایک جدت اختیار کی ہے اس کے سبب ان کا نام اور کلام قید ماہ وسال سے آگے تک جائے گا اللہ اس جہاد و عزیمت کو قائم رکھے۔

ڈاکٹر انور مینائی...... کولار۔ بھارت

"نعت رنگ" ملا مشمولات کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نعت کی سمت کو نئی وسعتوں سے ہمکنار کرنے کے لیے یہ مبارک سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کا طویل مقالہ "نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم" شمارے کی جان ہے' جو مقالہ نگار کے تبحّر علمی اور ژرف نگاہی کا جواز ہے۔ موصوف نے "لفظ" کی تخلیقی اہمیت وغایت سے متعلق حوالوں کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ شعر کی صوری ومعنوی' جمالیاتی و تاثراتی سطح پر بھی بحث کی گئی ہے...... تلازمۂ خیال یعنی Assouation Of Thought کے ضمن میں عرض ہے کہ ضیغم۔ سرخ' لیلیٰ کی انگلیاں' مجنوں کی پسلیاں وغیرہ کو علامتوں' استعاروں اور پیکروں سے منسوب کیا جا سکتا تھا نہ کہ تلازمۂ خیال سے۔

"اب روزمرہ گفتگو میں "تو" نے "تم" اور آپ کے لیے جگہ خالی کردی ہے" یہ جملہ اس لیے کھٹکتا ہے کہ زمانہ لاکھ بدل جائے کوئی اپنے سے بڑوں کو' "تو" سے خطاب نہیں کرے گا' البتہ ہندوستانی ہندی ٹی وی سیریلس میں "تو" اور "تم" کا فرق مٹ گیا ہے۔ پاکستانی ٹی وی سیریلس کے متعلق راقم التحریر لاعلمی کا اظہار کرتا ہے۔

"کہا جاتا ہے کہ کوئی دو لفظ ہم معنی نہیں ہوتے" مقالہ نگار نے یہ کیوں فرض کرلیا کہ کہی سنی بات پر اعتماد ہوتی ہے۔ درحقیقت ہر زبان میں ہم معنی الفاظ کا ذخیرہ موجود ہوتا ہے۔ معنیہ اور لغویہ کے لیے Lexeme فہیہ کے لیے Sememe کی اصطلاحوں کی تجویز سے اتفاق کیا جا سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو کا استعمال اور آپؐ کے سراپا کو منظور کرنے سے متعلق مقالہ نگار نے جو ٹھوس حوالے دیئے ہیں وہ مقالے کو وقیع بناتے ہیں۔

رشید وارثی صاحب نے "اردو نعت اور شاعرانہ تعلّی" تعلّی کے اصطلاحی معنوں کے علاوہ اس کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالی ہے۔ اور نعتیہ شعرا کو احساس دلایا ہے کہ نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مصداق ہے۔ شاعر رسولؐ' دربان رسولؐ اور خادم رسولؐ ہونے کے دعوے کے بجائے شاعر کو چاہیے کہ حفظ مراتب کو ملحوظ رکھے اور خاکساری کا پہلو اختیار کرے۔ عزیز احسن کا مضمون "اردو نعت اور جدید اسالیب" لائق مطالعہ ہے۔ نور احمد میرٹھی نے "غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری" میں حالاں کہ غیر مسلم شعرا کی نعتیہ شاعری کا احاطہ کرنے کی سعی ہے۔

مگر "کچھ اور چاہیے وسعت" کے تقاضے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس وسیع موضوع پر مزید تحقیق لازمی ہے۔ تاہم مضمون نگار نے نعتوں کے عالمی تراجم کا جو تذکرہ کیا ہے وہ معلوماتی ہے۔ ڈاکٹر فرمان

فتح پوری معتبر نقاد ہیں انہیں چاہیے تھا کہ "اردو نعت گوئی میں ہیئت کے تجربوں کی ضرورت" میں وہ نعتیہ سانیٹ 'نعتیہ ہائیکو' نعتیہ ماہیے'، نعتیہ ترائیلے' نعتیہ ثلاثیاں وغیرہ کا ذکر حوالوں کے ذریعے کرتے۔ نعتیہ شاعروں کے مجموعوں پر تاثرات کی شمولیت نے "نعت رنگ" کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ بیشتر نعتوں کے شعر متاثر کن ہیں۔ خدا کرے کہ "نعت رنگ" کا سلسلہ جاری رہے اور اسے حیات دوام نصیب ہو۔

............**

سرشار صدیقی...... کراچی

"نعت رنگ" کی چوتھی جلد رحمت دو عالمؐ کی نسبت سے نعت بن کر نازل ہوئی۔ ممنونیت کے ساتھ دعا ہے کہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں آپ کی یہ کاوشیں شرف قبول حاصل کریں۔ آمین۔

علالت کے بہت سے نقصانات کے باوجود فرصت کا ایک فائدہ ضرور میسر ہے' فرصت جو عالم صحت میں آرزو کی حیثیت رکھتی ہے۔ کوشش کرتا ہوں کہ فراغت کے یہ اوقات مطالعے اور آموختے سے معنویت پا سکیں۔

آپ کا جریدہ کھولا تھا کہ قرعہ فال کی طرح محبّی ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب کا مضمون سامنے آگیا۔ ورق ورق، ٹھہر ٹھہر کر، سمجھ سمجھ کر کئی نشستوں میں ختم کیا۔ میرا خیال ہے کہ اس مضمون کی تفہیم کے لیے محض سرسری مطالعہ کافی نہیں۔ اس میں غور و خوض کے لیے متعدد علمی اور فکری مسائل چھیڑے گئے ہیں اور کئی سنجیدہ سوال اٹھائے گئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اہل قلم اور اہل نظر کے لیے اس کے مولو پر مکالمہ واجب آتا ہے۔

میں وسیع المطالعہ نہیں۔ لیکن بہر حال پچھلی نصف صدی سے پڑھنے ہی کا کار طفلاں انجام دے رہا ہوں اور لکھنے کا شوق فضول اس کے علاوہ ہے ان محدودات کے پیش نظر' یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں نے "زبان' زندگی اور اظہار" کے موضوع پر اس مضمون سے بہتر کوئی تحریر نہیں دیکھی۔

"لفظ اور نعت" پر لکھتے ہوئے کشفی صاحب نے اردو کے معتوب ترین لفظ "تو" کو فکری دلائل اور منطقی استدلال سے ادب اور شاعری کی دنیا کا ایک زندہ' توانا اور مقدس لفظ ثابت کر دیا ہے اور اس طرح ایک پرانی بحث کی بساط لپیٹ دی ہے۔ میں ابھی تو اس مضمون کے مندرجات کے سحر میں ہوں۔ تحیر کا یہ حصار ٹوٹے اور توانائی بحال ہو تو تفصیل کے ساتھ اپنا تاثر تحریر کروں گا۔

امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔

محسن احسان...... پشاور

مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں کن الفاظ میں آپ کو مبارک باد پیش کروں۔ آپ نے "نعت رنگ" کے تین ضخیم شمارے نکال کر نہ صرف بر صغیر کے مسلمانوں پر احسان کیا ہے بلکہ تمام عالم اسلام آپ کے اس شاندار کام کو سراہے گا۔ یہ جان جوکھوں کا کام تھا اور آپ کرم کردگار اور احسان محبوب پروردگار سے اس منزل سے خوش اسلوبی سے گذر آئے۔ اسے جاری رکھیے۔ کہ اہل دل اور اہل بصیرت کے لیے یہی سامان منزل آخرت ہے۔ آپ کے تینوں شمارے نعت نگاری کی تاریخ مرتب کرنے والوں کے لیے مشعل راہ کا کام کریں گی۔ جدید عہد پر نعت نگار حضرات نے جو نئے اسلوب اور نئی طرز نعت . نگاری کو عطا کی ہے وہ بھی لائق تحسین ہے۔ اور اسکی ایک مستقل اور وقیع ادبی حیثیت ہے۔

میری دعا آپ کے لیے اور آپ کے تمام رفقاء کے لیے دل سے نکلتی ہے۔ آپ کے معاونین رشید وارثی، عزیز احسن، سید معراج جامی اور انور حسین صدیقی قابل مبارکباد ہیں۔ خدا کرے ایسے محبت کرنے والے دیگر احباب بھی آپ کے ساتھ قدم ملا کر چلیں۔

عزیز احسن صاحب کا شکریہ ادا کر دیجئے کہ انہوں نے اجمل و اکمل پر تبصرہ فرمادیا۔ مجھے تو ان سے کچھ زیادہ ہی توقع تھی۔ کبھی فرصت ملے تو وہ ضرور اس پر لکھیں۔ میرے لیے باعث مسرت ہوگا اور ان کے لیے باعث ثواب۔

..............**

ڈاکٹر نجم الاسلام...... حیدر آباد۔

عنایت نامہ شرف صدور لایا، جس میں آپ نے اپنے رسالے کے لیے نعت کے موضوع پر کوئی مضمون لکھنے کی دعوت دی ہے۔ شکریہ۔

اس سے قبل آپ کا ایک مکتوب گرامی اور بھی موصول ہوا تھا اور نعت کا ایک تازہ ترشمارہ بھی ملا تھا۔ یہ سب مضمون لکھنے کی ترغیب دلانے کے لیے کافی ہے۔

لیکن اپنے کاموں میں مشغول رہنے کی وجہ سے بڑی معذرت کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ مستقبل قریب میں کوئی مضمون پیش کرنا مشکل ہے البتہ آئندہ کسی شمارے کے لیے کوئی مضمون "نعت کے سیاسی پہلو" پر لکھنے کا خیال رکھتا ہوں جب بھی تکمیل کو پہنچے گا آپ کی خدمت میں بھیجنے کی سعادت حاصل کروں گا آپ کیسا عمدہ رسالہ نکال رہے ہیں اور کیسے پاکیزہ مقاصد کے ساتھ خدا اس کو بیش از بیش فروغ عطا فرمائے تہنیت پیش کرتا ہوں اس کی مسلسل اشاعت پر۔

افتخار امام صدیقی...... ممبئی بھارت

کراچی کے سفر میں آپ سے ملاقاتیں ہوئیں مجھے اچھا لگا "نعت رنگ" کے لیے آپ کوشاں ہیں اور میں آپ کے ساتھ ہوں اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ایک سچے عاشق رسول ﷺ سے ملاقات کروادی۔ نعت رنگ کے لیے میں نعتیں بھجوادوں گا' نعتوں پر مضامین بھجوادوں گا میں نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے اللہ اسے ضرور پورا کروائے گا "نعت رنگ" پر "شاعر" میں تبصرہ بھی ہوگا اور اس کا اعلان بھی آئے گا آپ مطمئن رہیں ستمبر میں پاکستان کے سفر کا ارادہ ہے اس وقت تک "شاعر" کا خاص نمبر بھی شائع ہو جائے گا شاعر کے دو حالیہ شمارے آپ کے نام پوسٹ کیے گئے ہیں شماروں کی وصولیابی کی رسید اور اس خط کا جواب بھیجیں تاکہ یہ اطمینان رہے کہ آپ کے اور میرے درمیان رابطہ ہو گیا ہے۔

............**

ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی...... حیدر آباد

نعت رنگ کے کئی شمارے نظر سے گزرے آج کے دور میں جبکہ دنیا مادہ پرستی کے حوالے سے دور تک نکل گئی ہے اور ہمارا پڑھا لکھا طبقہ بھی اسی کو دنیا سمجھتا ہے آپ کا مذہب سے اتنی گہرائی کے ساتھ تعلق اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے زندگی کے روحانی پہلو کو احسن طریقے پر سمجھا ہے۔ یہ آپ کی انفرادیت بھی ہے اور جدوجہد کی ایک اعلیٰ مثال بھی ہے۔ آپ کو اس کا اجر آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ملے گا بلکہ مل رہا ہے دنیا اب صبیح رحمانی کو ایک عاشق رسول کے نام سے یاد کرتی ہے اور میرا خیال ہے یہ اتنی بڑی سعادت ہے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہے۔ آپ نمایاں ہیں اور انفرادیت کے حامل ہیں۔ کاش یہ مرتبہ ہمیں بھی نصیب ہو۔ آپ تو ان لوگوں میں سے ہیں جن کا دین بھی ہے اور دنیا بھی۔ ہماری تحریر ختم ہو جائے گی آپ کی عقیدت' جذبہ' جوش اور والہانہ انداز جس کی بنیاد عشق رسول ہے باقی رہے گی۔

............**

ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیف...... کراچی

آپ یقیناً مجھ سے متعارف نہیں ہیں۔ میں ایک کم آمیز اور گوشہ گیر قسم کا آدمی ہوں۔ دینی اور ادبی ذوق ضرور رکھتا ہوں۔ سہ ماہی جریدہ "سیرت طیبہ" میں میرے مضامین اور نعتیں تسلسل کے ساتھ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ چند کتابیں بھی طبع ہو چکی ہیں جن میں ایک دیوان بھی شامل ہے۔ تالیفات کے اعلیٰ اور معیاری ہونے کا مدعی نہیں۔

"نعت رنگ" کے دو شمارے نظر نواز ہوئے۔ درمیانی شمارہ بد قسمتی سے دستیاب نہ ہو سکا۔ صرف نعت کے حوالے سے اتنا کچھ مواد اکٹھا کرنا یقیناً جوئے شیر لانا ہے جبکہ مضامین بھی معیاری اور جامع ہوں۔ اس باطنی حسن پر مستزاد اس کا ظاہری جمال بھی دیدنی ہے۔ آپ کی ہمت اور استقامت قابل تحسین ہے۔ جہاں ان مضامین سے علمی ذوق تسکین پاتا ہے وہیں بصیرت کو بھی فروغ ملتا ہے۔ یعنی دل اور دماغ دونوں کو روشنی ملتی ہے۔ مضامین پر تبصرہ یارائے زنی کا میں اپنے کو اہل نہیں پاتا۔ بہر حال حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر عقیدت کے پھول نچھاور کرنا اور حضور ﷺ کے محامد و نعوت کی خوشبو سے دماغ کو معطّر رکھنا جذبۂ ایمانی کا تقاضا ہے۔

یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ نہ میں کوئی نامور ادیب ہوں نہ محقق۔ ادب کا ایک ادنیٰ طالب علم ضرور ہوں۔ یہاں میں تیسرے شمارے کے خطوط کے حصہ میں لاہور سے جناب ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب کے ایک مراسلہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے میرا مقصد محترم مراسلہ نگار پر کسی نوع کا اعتراض ہرگز نہیں ہے۔ اس لیے کہ مجھے اپنی کم علمی کا اعتراف ہے لیکن حقیقت کی مکمل تصویر کے لیے اس نقطہ کی نشاندہی مجھے ضروری معلوم ہوئی۔ مراسلہ نگاروں کی بزم میں بڑے قد آور نام نظر آتے ہیں جس میں میں اپنے کو بہت کوتاہ قد محسوس کرتا ہوں۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے عاصی کرنالی صاحب کے اس مضمون پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے جس میں ایک شعر کو انہوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے منسوب کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا ارشاد ہے کہ جس دیوان فارسی کو خواجہ معین الدین چشتی کا نام دیا جاتا ہے وہ دراصل انکا نہیں بلکہ معین الدین ہروی کا ہے۔ دلیل میں حافظ محمود شیرانی کی سند پیش کی ہے۔ حافظ صاحب کا وہ مضمون میری نظر سے بھی گذرا ہے۔ ان کے دلائل کے پیش نظر میں بھی ان کا ہم خیال تھا۔ لوگوں نے ان کی تحقیق کو کافی سمجھا اور کسی نے ضرورت محسوس نہیں کہ اس کی مزید چھان بین کی جائے۔ بعد میں نقادانِ ادب نے ان کا حوالہ ہی کافی سمجھا۔

کچھ دن قبل ایک کتاب "لمعات خواجہ" دیکھنے کا اتفاق ہوا جو معین الدین احمد اور شمس بریلوی کی مشترکہ تالیف ہے۔ ان حضرات نے بہت قوی شواہد سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ فارسی دیوان خواجہ معین الدین چشتیؒ ہی کا ہے معین الدین ہروی کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ کتاب کافی ضخیم ہے اور ان کے دلائل کے وزن کا اندازہ اس کو پڑھ کر ہی ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب کی نظر سے وہ کتاب شاید نہیں گذری۔ وجہ ظاہر ہے کہ اتنی کتابیں طبع ہوتی رہتی ہیں۔ کسی فردِ واحد سے یہ توقع کرنا کہ ہر کتاب کا اس

نے مطالبہ کیا ہو گا غیر فطری ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحب اس کتاب پر نظر ڈال لیں تو ان کی رائے بھی میری طرح تبدیل ہو جائے گی۔ ڈاکٹر صاحب سے میں معذرت خواہ ہوں۔ کسی قسم کی گستاخی میرے پیش نظر نہیں ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ حافظ محمود شیرانی صاحب اس برِ صغیر ہندوپاک میں پہلے ادیب ہیں جنھوں نے کلام معین پر اس قدر تصریح کے ساتھ لکھا ہے ورنہ عموماً خواجہ غریب نواز کے سوانح نگار حضرات نے شیرانی صاحب کے مقالہ کا حاصل یہ ایک جملہ لکھنے ہی پر اکتفا کیا ہے کہ "یہ دیوان خواجہ معین الدین سنجری چشتیؒ کا نہیں بلکہ معین الدین ہروی صاحب معارج النبوۃ کا ہے"

حضرت شمس بریلوی اور معین الدین صاحب رقم طراز ہیں کہ "ان سوانح نگاروں نے اس امر کی ذرا بھی زحمت گوارا نہیں فرمائی کہ وہ اس کی صحت کو نقد و تبصرہ کی روشنی میں دیکھتے اور غور کرتے کہ اس قول میں کہاں تک صداقت ہے اور یہ معیار درایت پر پورا اترتے ہیں یا نہیں۔ انھوں نے اپنی جگہ یہ سمجھ لیا کہ چونکہ حافظ محمود شیرانی صاحب نے یہ لکھ دیا ہے اور فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ کلام خواجہ غریب نواز کا کلام نہیں ہے اس لیے یہی درست ہو گا۔ اس سلسلہ میں ہم کو صاحب آب کوثر جناب ڈاکٹر شیخ اکرام صاحب اور یوسف سلیم چشتی صاحب پر تعجب ہے کہ ان دونوں حضرات نے بایں دیدہ وری تحقیق کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ "لمعات خواجہ" کے مؤلفین شمس بریلوی اور معین الدین احمد نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ "ہم نے اپنی اس تصنیف میں اس مسئلہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔ یعنی ایک تحقیقی مقالہ کی شکل میں داخلی اور خارجی ہر ہر پہلو سے اس کلام کو کسوٹی پر کسا ہے اور الحمد للہ کہ دلائل نے اس نتیجہ پر پہنچا دیا کہ یہ کلام معرفت نظام صرف خواجہ غریب نواز ہی کا کلام ہے۔ یہ صفحات ناقدانہ بحث کے ہر پہلو کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ تحقیق کی جہاں تک رسائی ہو سکی ہے ہم وہاں تک پہنچے ہیں اور الحمد للہ کہ تائید الٰہی کی رہنمائی کی بدولت ایسے اسباب تک رسائی ہو گئی جن کی موجودگی میں خواجہ غریب نواز کے کلام سے انکار ممکن نہیں"

میری ناچیز رائے میں حضرت شمس بریلوی اور معین الدین احمد دونوں نام علم و ادب کی دنیا میں اتنے غیر معتبر نہیں کہ ان کی تحقیق کو در خور اعتنانہ سمجھا جائے۔

..............**

گوہر ملسیانی...... صادق آباد

"اقلیم نعت" سرزمین نعت میں "نعت رنگ" کے ذریعے گلہائے نعت کھلا رہی ہے حسن و زیبائش ہی

نہیں علمی و تحقیقی حوالے سے بھی صنف نعت کو زرخیز بنا رہی ہے۔ چار شمارے "نعت رنگ" کے معیار کو پرکھنے کے لیے ہر اہل علم 'نعت گو' تنقید نگار کے لیے کافی ہیں۔ آپ ستائش کے لائق ہیں کہ آپ نے وہ میدان منتخب کیا ہے جس میں رہرو کو قدم قدم سنبھال کر رکھنا ہوتا ہے۔ پھر اس کی مشکلات بھی وہی سمجھ سکتا ہے جس نے کبھی اس گلستان کی آبیاری کے لیے خون پسینہ ایک کیا ہوا۔

............**

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی۔ کراچی

گرامی قدر حضرت شکیل عادل زادہ نے مہینا بھر پہلے بتایا تھا کہ انہوں نے نعت رنگ نمبر ۴ میں میرا خط پڑھا، مجھے اس وقت تک اس کی اشاعت کی خبر نہ تھی۔ آپ نے انھیں یہ تازہ شمارہ مہینا بھر پہلے پہنچایا ہوگا مگر دو روز قبل آپ نے مجھے نعت رنگ کا شمارہ بھجوایا، بہت شکریہ۔ نور کی بہار کے مقدس مہینے میں محافل میلاد کی کثرت ہے اور اس ذکر سے میرے شغف کا احوال آپ پر عیاں ہے۔ ایسے میں سطر سطر آپ کا یہ شمارہ تو نہ پڑھ سکا مگر یہ میرے سرہانے رہا اور میں نے ہر اس لمحے میں اسے دیکھا جو مجھے میسر ہوا۔ رشید وارثی صاحب نے اس تحریر پر خوب لکھا جس کے بارے میں میرے مطبوعہ خط میں صرف کچھ اشارے تھے۔ جناب ابوالخیر کشفی کی تحریر میں "شب اسرا کے دولہا" کے الفاظ ص ۴۶ پر ہیں جو شاید (نعت میں) معترضہ بتائے ہیں، کیا میں ایسا سمجھا ہوں یا کشفی صاحب نے واقعی معترضہ بتائے ہیں؟ اگر ان کے نزدیک معترضہ ہیں تو کیوں ہیں؟ جاننا چاہوں گا۔ ص ۵۰ پر ہے کہ "اس لیے بہت سے صاحبان "اللہ" کے لفظ پر اصرار کرتے ہیں اور خدا کے لفظ کے استعمال سے گریز کرتے ہیں کیوں کہ خدا کی جمع خداؤں استعمال ہوتی ہے۔" اس حوالے سے عرض ہے کہ لفظ "خدا" اللہ کا نام نہیں ہے 'خدا حافظ (وغیرہ) کہنا جائز ہے مگر "اللہ" کہنے پر ثواب ہوتا ہے' چالیس نیکیاں ملتی ہیں اور مومن کو ثواب کی طلب و خواہش بدیہی بات ہے۔ ص ۴۸ پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے دو اشعار لکھے ہیں 'ان کے بارے میں بھی سمجھ نہیں سکا کہ کشفی صاحب کا اعتراض کیا ہے؟ علاوہ ازیں جسمانی یک جائی اور شب اسراء کے حوالے سے کس نے کہا ہے؟ راجا رشید محمود کا جو شعر ہے اس میں بھی غالباً یہ بات نہیں ہے (یہ شعر اسی صفحے پر ہے) ص ۱۳۳ پر راجا رشید محمود صاحب مدیر ماہ نامہ نعت لاہور کے ایک اداریے کے کچھ جملے ہیں اور ان میں کچھ الفاظ ضرور قابل اصلاح ہیں' ہو سکتا ہے انہوں نے کسی کیفیت کے اثر میں یہ اداریہ لکھا ہے' میرے نزدیک ہمارا ایمانی تشخص بہت اہم اور عظیم ہے۔ غیر مسلم 'میرے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدح میں کیا اور کتنا ہی رطب اللسان کیوں نہ ہو وہ کسی مومن کے برابر نہیں ہو سکتا' بڑا یا بہت بڑا ہونا تو دور کی بات ہے۔ اور یہ الفاظ بھی مجھے تو کسی غیر مسلم یا بدمذہب کے لیے گوارا نہیں کہ "میرا سر تو ہر اس شخص کے آگے متقاخم سمجھیں جو

اپنا سر میرے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جھکاتا ہے۔ وہ کوئی بھی ہو۔" پروفیسر محمد اقبال جاوید کی دو تحریریں اس شمارے میں ہیں۔ فرماتے ہیں "حقیقت یہ ہے کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مبالغے سے کام لیا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ (ص ۱۷۹) پروفیسر صاحب نے اپنے جملے کو واضح نہیں کیا' انہیں یہ فرمانا چاہیے کہ ایسا مبالغہ جو غلط ہو (یعنی شرعی حدود سے 'باہر ہو) ورنہ شان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی کوئی حد ہی نہیں۔ امام بوصیری فرماتے ہیں ۔

فان فضل رسول اللہ لیس حد فیعرب عنہ ناطق بفم

ص ۱۸۱ پر پروفیسر اقبال جاوید صاحب لکھتے ہیں :۔ میں بعد توبہ واستغفار لکھتا ہوں کہ قرآن مجید میں موسیقیت کی جو شان "یہ الفاظ بعد توبہ واستغفار کے بھی یوں صحیح نہیں بلکہ یوں ہو سکتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت پر موسیقیت کی ہر شان بھی قربان۔ پروفیسر صاحب نے ۱۸۲ پر لکھا ہے کہ خیال رہے کہ نعت ذرا سی بے احتیاطی (بزعم خویش عقیدت) سے حمد بن جاتی ہے "عرض کرنا چاہوں گا کہ حمد کا لفظ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے منع تو نہیں ہے ان کا تو اسم گرامی ہی "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے جس کا مادّہ ہی حمد ہے۔ وہ شاید مروّج اصطلاح میں مراد لیتے ہوئے فرما رہے ہیں البتہ انہوں نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ "حقیقت یہ ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کے مرتبے سے گرا دینا' اپنے ایمان کو ختم کر لینا ہے اور مرتبے سے بڑھا دینا شرک ہے' (مرتبے سے بڑھا دینا' یعنی خدا کا شریک یا اس کے مثل یا ہمسر قرار دینا) ص ۱۸۵ پر رشید وارثی صاحب نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا ایک شعر لکھ کر لفظ "یار" کے بارے میں جو توجیہ لکھی ہے اس پر تعجب ہوا۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب نے غالب کی نعتیہ غزل کے عنوان سے ص ۲۱۲ پر غلام احمد پرویز کے ساتھ "مرحوم" کا لفظ جانے کیسے لکھ دیا؟ اور حیرت وافسوس کہ ان کا حوالہ نعت کے حوالے سے ان کی تعریف کے ساتھ پیش کیا۔ آنجہانی پرویز نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو گستاخیاں کی ہیں اور علمائے دیوبند نے بھی اس شخص کے بارے میں تکفیر کے فتاویٰ شائع کیے اس کے بعد اس شخص کی ایسی تعریف اور حوالے کا بیان قابل گرفت ہے۔

ص ۳۱۳ پر احمد صغیر صدیقی صاحب نے اپنے مکتوب میں "مولائے کل' آقائے دوجہاں۔ سرکار دو عالم" کے القاب رسول کریم صلی اللہ علی وآلہ وسلم کے لیے تسلیم نہیں کیے' وہ فرماتے ہیں کہ یہ "تمام القاب مجھے رب رحمان ورحیم کے محسوس ہوتے رہے ہیں" احمد صغیر صاحب سے عرض ہے کہ زبان سے کہنا اور قلم سے لکھنا دونوں احتیاط سے مشروط ہیں اور قلم اٹھانے سے پہلے کچھ زیادہ احتیاط لازم ہے۔ علم کے مطابق فہم اور فہم وعلم میں توازن و مطابقت نہ ہو تو اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ علم و فہم کسی ایک کی کمی ہی اعتراض واختلاف کی بنیاد بنتی ہے یا پھر حقائق سے چشم پوشی پر اعتراض واختلاف ہوتا ہے۔ احمد صغیر

صاحب آیات قرآنی میں یہ القاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ملاحظہ فرماسکتے ہیں' وہ اعتراض کی بجائے استغفار کر لیتے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو شان بہت ہی بلند ہے۔ سیدنا غوث اعظم کا فرمان ہے "وانا شیخ الکل" احمد صغیر صاحب شاید یہاں بھی کچھ اور ہی محسوس کریں گے۔ انھیں چاہیے کہ وہ مولا' سرکار اور آقا کے معانی و مفاہیم کو جانیں اور سمجھیں اور لفظ "کل" کے بارے میں محض اپنے فہم کو سب کچھ نہ سمجھیں۔ دیو بند کے علماء کے ساتھ "مطاع العالم اور مطاع الکل" کے القاب لکھے گئے ہیں حالاں کہ ان کے لیے کسی طرح یہ القاب درست نہیں خواہ وہ کتنی تاویلیں کیوں نہ کریں......

احمد صغیر صاحب کی تسلی کے لیے آیات واحادیث پیش کر سکتا ہوں ضرورت ہو تو رابطہ فرمائیں وہ لفظ "مولانا" پر بھی غور فرمائیں' قرآن کریم میں انت مولانا اورھو مولانا کے الفاظ اللہ کے لیے ہیں پھر ہر داڑھی والے کو مولانا کیوں کہہ دیا جاتا ہے؟ سورۂ تحریم میں ہے فان اللّٰہ ھو مولاہ و جبریل و صالح المومنین. قرآن میں "کل" کا لفظ ۳۲۵ سے زائد مرتبہ آیا ہے۔ کلا ۱۵ مرتبہ۔ کلمہ ۷ مرتبہ۔ کلما ۵ مرتبہ۔ کلھم ۴ مرتبہ وہ ذرا دیکھیں اور بتائیں ہر جگہ کیا معنی ہیں؟ انھیں شاید نہیں معلوم کہ العالمین ماسوی اللہ کو کہتے ہیں اس کے آقا و مولیٰ اور سردار و سرکار نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

صبیح رحمانی صاحب! جس قدر مطالعہ ہو سکا اس کے حوالے سے فوری تحریر پیش کر رہا ہوں تفصیلا لکھنے کا یارا نہیں اور محافل و مشاغل کی اس کثرت سے جلد فراغت نہیں ہو گی۔ اگر کچھ لمحے میسر آئے تو مزید خامہ فرسائی کروں گا۔ اللہ کریم آپ کے شوق اور جذبے میں برکت فرمائے اور آپ کی کاوشیں مقبول و نافع بنائے۔ آمین۔ کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معذرت خواہ ہوں۔ اگست کے آخر میں بیرون ملک روانگی ہے' حرمین شریفین حاضری کے بعد وطن واپسی ہو گی...... انشاءاللہ

پیر زادہ اقبال احمد فاروقی...... لاہور

"نعت رنگ" کا چوتھا شمارہ بصد انداز رعنائی بصد آداب زیبائی تشریف لایا۔ دل خوش ہو گیا آپ حسن نفاست اور محنت سے "نعت رنگ" کے مجلہ کو سجاتے ہیں۔ وہ ایک "مرقع رنگ و بو" بن کر سامنے آتا ہے "نعت رنگ کا ایک ایک مضمون صوری اور معنوی خوبیاں لے کر آیا ہے۔ میں ہر مضمون پر ہدیۂ تحسین پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اپنے تاثرات اور جذبات کا اظہار کرنے کو جی چاہتا ہے مگر کس کس بات پر بات کروں مجھے اس شمارے میں صرف دو مقالات پر اظہار خیال کرنا ہے۔

ایک مقالہ جناب پروفیسر حفیظ تائب صاحب کا ہے۔ جو انھوں نے "حسرت حسین حسرت اور فن نعت گوئی" کو مرتب کرتے وقت بڑی محنت اور جانفشانی سے کام لیا ہے۔ دوسرا مقالہ تو نہیں "خاکہ" ہے

جسے محترمہ بلقیس شاہین صاحبہ نے "انؐ کا تمنائی" کے عنوان سے سپرد قلم کیا۔ ان دونوں تحریروں میں ایک مشترک انداز ہے۔ کہ دو گمنام نعت گو شعرا کو بڑی حسن و خوبی سے متعارف کرایا ہے۔ اگر یہ دونو شعرا گمنام نہیں ہیں تو کم از کم ہم جیسے کم سواد قارئین کے لیے نئے نام ضرور ہیں۔ حسرت حسین حسرت لاہور سے اور مسرور کیفی کراچی سے نعت رنگ کے صفحات کے دامن پر اس انداز سے جلوہ گر ہوئے ہیں۔ اور دل کی گہرائیوں میں اترے جیسے کہ چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں اور تنگ و تاریک جگہوں سے قدم قدم چلتے چلتے "ایوان ایوان" کے تخت پر آ بیٹھے ہیں۔ فاضل مقالہ نگاروں کے قلم نے ان دونوں نعت نویس شعرا کو نہایت ہی لطیف انداز سے متعارف کرایا ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں سمیٹ کر

بڑے بڑے علمی کارناموں سے آشنا کر دیا ہے۔ ہم لوگ لاہور میں رہتے ہیں۔ نعت خوانی کی مجالس میں راتیں گذارتے ہیں۔ نعت خوانوں کے ساتھ دعوتیں اڑاتے ہیں نعت نویس حضرات سے آشنائی ہے نعت گو حضرات سے شناسائی ہے نعت نمبروں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مگر نہ لاہور میں کبھی حسرت حسین حسرت کو دیکھا نہ کراچی میں کبھی مسرور کیفی کو سنا۔ میں ممنون ہوں حفیظ تائب صاحب کا اور سپاس گذار ہوں محترمہ بلقیس شاہین صاحبہ کا جنھوں نے بارگاہ رسالت ﷺ کے دو ثنا خوانوں کو متعارف کرایا متعارف بھی اس انداز سے کرایا کہ پڑھتے پڑھتے ان کی محفل نعت میں جا پہنچے۔

یہ ایک اچھا انداز ہیں۔ سخنوران نعت کا تذکرہ کسی نہ کسی انداز میں سامنے آتا رہتا ہے مگر کبھی نعت کے انداز میں ذکر آگیا۔ کبھی نعت کے ایک شعر کی دل پسند پر دل جھوم اٹھا۔ مگر ایسے لوگوں کو جو مغل پورہ ریلوے ورکشاپ لاہور اور پرانی کراچی کے تنگ و تاریک گلیوں میں زندگی گذار دیں انہیں اٹھا کر خیابان نعت کا گل سر سبز بنا کر پیش کرنا بڑی ہمت اور قابلیت کی بات ہے۔ جب ان دونوں کے نمونہ ہائے کلام پر نظر پڑی تو۔

دل و جاں وجد کناں جھک گئے بہر تعظیم!

حضور کی بارگاہ میں یہ گلفشانی یہ سخن رانی یہ نعت خوانی بڑی نعمت کی بات ہے ماشاءاللہ ماشاءاللہ۔ حضور کی محبت میں بسنے والے کہاں کہاں رہتے ہیں! پھر حضور کی نگاہ التفات کہاں کہاں روشنی بخشتی ہے! مجھے ان دونوں کے تعارف سے بڑی خوشی ہوئی۔

نعت رنگ کے خوبصورت صفحات سے کتنے اچھے لوگوں کے نام شائع کرتے ہیں۔ آپ نے اس گلدستۂ نعت کو نہ صرف "رنگ نعت" بنا کر پیش کیا۔ بلکہ اہل محبت کا ایک خوبصورت باغ بنا کر پھیلا دیا ہے۔ آپ کی اس خوبصورت کاوش پر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میرے پاس پاکستان اور ہندوستان سے سیکڑوں رسالے آتے ہیں۔ جن کے صفحات پر نعت رسولؐ کی خوشبوئیں بکھری ہوئی ہوتی ہیں۔

بعض رسائل علمی و ادبی مقالات سے مزین ہوتے ہیں۔ بعض نعت نمبر لے کر جلوہ گر ہوتے ہیں بعض نعت نمبر کے نام سے مستقل کتاب بن کر سامنے آتے ہیں بعض مجلّے اتنے خوبصورت آتے ہیں۔ کہ کسی کو عاریتاً بھی دینے کو جی نہیں چاہتی۔ مگر آپ کا "نعت رنگ" جس قدر تحقیقی۔ تنقیدی اور توصیفی مقالات لے کر آتا ہے اس کی حیثیت منفرد ہے۔ مجھے اس سلسلہ میں آپ کی ذاتی کاوش اور احسن انتخاب مقالات پر بھی خراج تحسین پیش کرنا ہے آپ ارباب فکر قلم سے کتنا گہرا ربط رکھتے ہیں۔ اور انہیں کس انداز سے آمادہ کر لیتے ہیں کہ وہ "نعت رنگ" کے لیے ایسی ایسی تحریریں لائیں جس سے دل و دماغ جھوم جھوم اٹھتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ سے بیس شمارے منگوا کر اپنے احباب کو ہدیہ پیش کروں۔ تا کہ ان کے دل خوش ہو جائیں۔

لاہور میں آپ کی آمد کی خبر سنی۔ تو آنکھیں بچھا دیں جہاں تک نظر گئی! مگر آپ نہ آئے حسرت ملاقات رہی باقی۔

..............**

احمد صغیر صدیقی ...... کراچی

"نعت رنگ" کا چوتھا شمارہ پیش نظر ہے۔ معیار اور تعداد دونوں لحاظ سے خوب ہے' اس بار محترم ابوالخیر کشفی نے ایک نہایت عمدہ مضمون دیا۔ "اللہ اور رسول خدا کے لیے "تو" اور تیرا" کے ضمیروں کے استعمال کے بارے میں انہوں نے جس مدلّل انداز سے لکھا اس نے دل خوش کر دیا۔ میں سمجھتا ہوں اب ان ضمیروں کا استعمال کسی کے دل میں نہیں چبھنا چاہیے ۔

اپنے جناب سحر انصاری تو معلوم نہیں کس طرح شاید جوشِ تحسینی میں "تو تڑاق" والا جملہ لکھ گئے ورنہ وہ تو انتہائی دل جو آدمی ہیں اور علم کا ایک چاہ عمیق۔ دل آزاری سے ان کو دور کی بھی نسبت نہیں۔ آج تک انہوں نے اپنے تبصروں یا دیباچوں میں کسی انتہائی گئے گزرے شاعر کے بارے میں بھی کبھی یہ نہیں لکھا کہ اس کی تصنیف ایک عہد ساز تصنیف نہیں۔

جناب رشید وارثی اور عزیز احسن صاحب کے مضامین اس بار بھی نہایت خیال انگیز ہیں اور معیار ساز بھی۔ دوسرے ناقدین بھی ایسے موضوعات پر نجانے کیوں نہیں لکھ رہے ہیں۔ آخر یہ دونوں کب تک لکھیں گے۔ میں نے خطوط کے حصے میں دیکھا کہ عالی صاحب نے تو صاف لکھ دیا ہے کہ وہ "ان" موضوعات پر نہیں لکھ سکتے اور یہ کہ ان کے پاس...... "اتنا وقت نہیں" خیر عالی صاحب کے پاس ان باتوں پر لکھنے کے لیے وقت نہ ہونے کی بات سمجھ میں آتی ہے لیکن مولانا کوکب نورانی بھی کہتے نظر آئے کہ "وہ اتنے گھرے ہوئے ہیں کہ وعدہ بھی نہیں کر سکتے یا ظاہر ہے کہ اس فضا میں تو بس ایسے ہی مضامین آپ کو

ملا کریں گے جیسا نعیم صدیقی صاحب کی ایک نعت پر ڈاکٹر ایوب شاہد کا ہے جس میں ایک خاصی کمزور سی کاوش کی شان میں ایک غلو آمیز تبصرہ کیا گیا ہے۔

صفحہ ۳۵۱ پر پروفیسر محمد اقبال جاوید نے رسولؐ خدا کے "بے سایہ" ہونے کا ذکر کیا ہے۔ میں تو سمجھتا رہا تھا کہ شاید علامہ سلیمان ندوی نے دلائل سے اس بات کو نادرست ثابت کر دیا ہے۔ بہر حال ضرورت ہے کہ اس پر کچھ از سر نو لکھوائیں اور کسی اچھے محقق سے۔

صفحہ ۳۱۷ پر ایک گمنام قاری صاحب نے "خالق" کے لفظ کو کسی عام آدمی کے لیے ممنوع قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس کے سامنے کے معنی ہیں "تخلیق کرنے والا" بھلا اس کے استعمال میں کیا قباحت ہے؟

آپ کے ہاں کتابت میں "شعرا" کو شعراء "انشا" کو "انشاء" لکھا جا رہا ہے یعنی آگے ہمزہ جوڑی جا رہی ہے۔ کیا یہ بلاوجہ نہیں؟ موجودہ شمارے میں میری نعتیہ نظم کی پہلی سطر میں سہو کتابت ہے۔ "پیمبروں کی بزم میں" صحیح سطر ہے مگر چھپا ہے "پیمبر کی بزم میں"

حافظ حبیب الرحمٰن سیال......نواب شاہ

آپ کے ارسال کردہ "نعت رنگ" کے تین محبت بھرے تحفے ملے۔ کچھ عرصہ شہر سے باہر ہونے کی وجہ سے وصولی میں تاخیر ہوئی، جس کے لیے معذرت قبول فرمایئے۔ حقیقت میں یہ ہیچمدان کسی طرح بھی اتنی محبت اور اپنائیت کے قابل نہیں لیکن نعت پاک سے کسی طرح کی بھی نسبت ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دیتی ہے۔ یہ بات میرے لیے باعث انبساط و مسرت ہے کہ سندھ میں نعتیہ شاعری پر پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کی سعادت مجھے نصیب ہو رہی ہے۔ ایسے وقت میں آپ دوستوں کا پرخلوص تعاون ناقابل فراموش ہے۔

محترم نعتیہ ادب کے جس پہلو کو آپ نے صفحۂ قرطاس پر سجایا ہے وہ میرے جیسے طالب علموں کے لیے جس قدر فائدہ مند ہو سکتا ہے اس کا اندازہ صرف کوئی طالب علم ہی لگا سکتا ہے۔ اردو میں نعتیہ ادب پر آپ کی کاوش تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔

مدحت رسول ﷺ کی سعادت تقریباً ہر زبان کو حاصل ہے۔ لیکن سندھی زبان نے آپؐ کی ثناء اور تعریف کو ایک منفرد مقام دیا ہے مگر جغرافیائی قیود اور میڈیائی ذرائع کم ہونے کے باعث منظر عام پر نہیں آسکا۔ انشاءاللہ میں اس سلسلے میں تحقیقی مضمون لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

سندھی ادب میں نعتیہ شاعری پر تنقیدی پہلو کو یکسر فراموش کر دیا گیا ہے یا نا کافی ہے۔ البتہ اصناف کے لحاظ سے جس قدر صنفوں کو نعت کا سنگھار بنایا گیا ہے، اردو ادب میں میری نظر سے نہیں گذرا۔ مثلاً سہ حرفی، صنف واسع الشفتین، صنعت عکس و ترد، صنعت تحت النقاط، صنعت فوق النقاط، صنعت

حروف متصل ،صنعت عمودی عکس اور بغیر الف کے وغیرہ اس سلسلے میں "نعت رنگ" کے مؤقر مضمون نگاروں کو دعوت فکر و تحقیق ہے۔

آخر میں ایک گذارش عرض کرتا چلوں کہ نعت رنگ کے لکھنے والے ماشاء اللہ کافی تحقیق اور عرق ریزی سے مضامین لکھتے ہیں۔ اگر عہد رسالت ﷺ میں "نعت" کو ترنم کے ساتھ سنانے یا اس کی شرعی حیثیت کو واضح کریں تو کیا ہی اچھا ہو۔ ڈاکٹر غلام یاسین طاہری میری طرف سے پرُ خلوص سلام قبول فرمایئے۔

** ...... ** ...... **

ضیاء الحسن...... کراچی

نعت رنگ کی کتاب نمبر ۲ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ دیگر وجوہات کے ساتھ اس کی ایک بڑی وجہ تو نعت میں "تو"، "تم" کے استعمال پر ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی صاحب کے دلائل ہیں جو بہر حال سمجھ میں آنے والے ہیں اور اکثر بزرگ شعرا کے کلام سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اور دوسری خاص بات یہ کہ نعت رنگ نمبر ۳ میں پروفیسر افضال انور صاحب کے مضمون کے مجھ پر اثرات ہوئے تھے کہ (خدا معاف کرے) بعض نعت خواں میری نظروں سے گر گئے تھے اور میں ان کو ناپسند کرنے لگا تھا۔ لیکن نعت رنگ نمبر ۴ میں جب رشید وارثی صاحب کے معروضات پڑھے تو مجھے ہر اعتراض کا تسلّی بخش جواب مل گیا۔ میں نے غور کیا تو یہ باتیں شرعی طور پر بالکل ٹھیک ہیں۔ اور ہر بات کا حوالہ موجود ہے جس سے نعت خوانوں کے بارے میں میری سابقہ رائے بحال ہوئی۔ جس کے لیے میں آپ کا شکر گذار ہوں اور رشید وارثی صاحب کے لیے دعائے خیر کا طالب۔ آپ کا یہ انداز اچھا لگا کہ آپ شکوہ ،جواب شکوہ کی طرح تصویر کے دونوں رخ پیش کر دیتے ہیں۔ جس سے بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

** ...... ** ...... **

جاوید احمد مغل...... جیکب آباد

آپ کی مرتب کردہ کتاب "نعت رنگ نمبر ۴" پڑھی۔ اندازہ ہوا کہ کسی سے کتاب لیکر واپس کرنے کو حماقت سے کیوں تعبیر کیا جاتا ہے۔ بحر حال ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب کے مضمون کے تیسرے حصے "لفظ اور نعت" اور رشید وارثی صاحب کے مضمون "اردو نعت اور شاعرانہ تعلّی" کو فوٹو کاپی کروا کر کتاب بادل نخواستہ واپس کرنی پڑی۔ قارئین کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سلسلے کی گزشتہ کتابوں میں بھی یہی معیار برتا گیا ہے۔ آپ نے مختلف اہل قلم سے واقعی بڑے معیاری مضامین لکھوا کر شائع کئے ہیں۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ نور احمد میر ٹھی' احمد ہمدانی' پروفیسر محمد اقبال جاوید' پروفیسر آفاق صدیقی' ڈاکٹر شمیم ترمذی' اور ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحبان کے مضامین بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں محترمہ بلقیس شاہین کا تحریر کردہ خاکہ بہت خوش نما اور منفرد ہے۔ مطالعات کتب کے زیر عنوان شفیق الدین شارق صاحب اور عزیز احسن صاحب کے تبصرے بہت معیاری روایتی تبصروں سے بہت مختلف اور قابل تعریف ہیں۔

اسی طرح "مدحت" کے عنوان سے بہترین نعتوں کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ آخر میں یہ اعتراف بھی ضروری ہے کہ موضوع کے اعتبار سے رشید وارثی صاحب کا مضمون "اردو نعت اور شاعرانہ تعلّی" کی ایک ایک سطر علم سے لبریز ہے۔ اور معلومات افزا ہے۔ اتنا معلوماتی مضمون آج تک میرے مطالعہ میں نہیں آیا۔ میں راولپنڈی کے جناب امین راحت چغتائی کی اس رائے سے سو فیصد متفق ہوں کہ یہ بڑے کام کی "چیز" (معلوم ہوتے) ہیں۔ خدا آپ سب کو خوش رکھے۔ اور سلسلۂ "نعت رنگ" کی آئندہ کتابیں بھی اسی طرح معیاری ہوں۔

ڈاکٹر شگفتہ شیریں...... کراچی

نعت رنگ کا ہر شمارہ اُس کھلتی کلی کی مانند ہے جس کی نمو ہر نئی صبح کے ساتھ ہے۔ جس کی خوشبو دنیا کے ہر ہر گوشے تک پہنچ رہی ہے اور لوگوں کو مستفید کر رہی ہے۔

ایک ایسی حسین کاوش جو آج کل کے افراتفری کے دور میں دلوں کے لیے سکون و اطمینان کا باعث ہے۔ جو رنگ و نسل کی قید سے آزاد ہے اور (بصد احترام) نہایت ہی مستند شخصیات کی موجودگی میں بھی مجھ جیسی ادنیٰ لب و لہجہ رکھنے والی قاریہ کو دعوت شرکت دیتی ہے۔

نعت رنگ کے ہر پہلو کو اگر موضوعِ گفتگو بنایا جائے تو یقیناً ایک عرصہ درکار ہو گا لیکن جس نظم نے میری توجہ بالخصوص اپنی جانب مبذول کرائی وہ Sister Camilia Badr کی "I Wonder" ہے۔

ایک خاتون ہونے کے ناتے میری تعریف کو شاید جانبداری سمجھ لیا جائے لیکن سچ یہ ہی ہے کہ تخیلات کی یہ ایسی اڑان ہے جو حقائق کی وسعتوں کو مسخر کیے لے رہی ہے۔

ہماری تو ابتدا ہی اس تصور سے ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات ہماری رگ گلو سے بھی نزدیک تر ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہمارے نفس کے رواں رہنے کا باعث ہے پھر ایک ایسا تصور جس نے نہایت ہی سادہ الفاظ میں واضح کر دیا کہ ہماری زندگیاں' ہمارا رہن سہن اخلاق کی ان تمام حدوں سے گر چکا ہے جہاں ہمیں اپنی ہر جنبش اپنے مونس و غم خوار سے چھپانے کی ضرورت پیش آ رہی ہے۔ ہم اپنا اصل چھپا کر مصنوعی عادات و اطوار کا لبادہ اوڑھتے چلے جا رہے ہیں جس کی حد پستیوں کی مہیب تاریکیوں میں ہے اتنے بہادرانہ انداز میں حقائق سے پردہ اٹھانا اور پھر نہایت ہی۔ خوبصورت الفاظ میں اسے عام فہم بنانا Sistor

Camilia اور آفتاب کریمی صاحب کا ہی کمال
خوب کیا لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا بھی
ایک سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا س
دامن رحمت میں سمیٹے ہوئے ہے۔ وہ ہمارے ہر
شفاعت کی امید رکھتے رہیں اور رات کی تاریکیوں م
مانگتے ہیں اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ذریعہ
کریمی صاحب! مجھے یقین ہے کہ سرکار صلی
ضرور بچائے گی۔ بصد معذرت عرض ہے کہ یہ نظ
اس طبقے کی آئینہ دار ہے جس کی تعداد ابھی بھی آ
تقلید نہیں کی ہے جو اچھائی برائی کا فرق مٹا دے۔ ا
ہو اچہ جائیکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات آپ
تمنا کرتے ہیں آپ کے ہر عمل کو اپنا میر کارواں بن
اپنا عکس دیکھنے سے زیادہ ان اسلامی اور انقلابی سوچو
جن کا اختتام اسی منزل پہ ہو اجس تک پہنچنے کی سرکا
باوجود ایک نئی نسل کی نمائندہ ہونے کے جس
اپنے مستقبل سے خائف نہیں۔

ہو سکتا ہے۔ آفتاب کریمی صاحب نے ترجمہ کیا اور بہت
ں بھی کچھ بچاؤ کی صورت ہے؟

ہدا تو ہے جو ہمیں باوجود ہماری تمام سیہ کاریوں کے اچھے
اچھے برے کو جانتے ہیں اس کے باوجود، بھی ہم ان سے
ں آنکھوں میں اشکوں کا سمندر لیے اپنی کوتاہیوں پر معافی
تے ہوئے اللہ تعالیٰ سے توبہ کے خواستگار ہوتے ہیں۔
اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمیں گہری پستیوں میں جانے سے
م (باوجود اپنی تمام خوبیوں کے) ہمارے معاشرے کے
نے میں نمک کے برابر ہے۔ ابھی ہم نے مغرب کی اتنی
بھی ہمارے دلوں سے ہمارے بزرگوں کا احترام ختم نہیں
لوگ تو ماشاء اللہ اس مقام پر ہیں کہ جہاں لوگ پہنچنے کی
تے ہیں۔ اس وقت ہمیں ضرورت ایک شفاف آئینے میں
ں کی ہے جو ہمارے راستوں کو ایک نئی جہت دے سکیں۔
ر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مومن کو نوید سنائی ہے۔
ں پر الزام بے راہ روی خاصے یقین سے لگایا جاتا ہے میں

Camilia اور آفتاب کریمی صاحب کا ہی کمال ہو سکتا ہے۔ آفتاب کریمی صاحب نے ترجمہ کیا اور بہت خوب کیا لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ابھی بھی کچھ بچاؤ کی صورت ہے؟

ایک سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا سہارا تو ہے جو ہمیں باوجود ہماری تمام سیہ کاریوں کے اپنے دامن رحمت میں سمیٹے ہوئے ہے۔ وہ ہمارے ہر اچھے برے کو جانتے ہیں اس کے باوجود بھی ہم ان سے شفاعت کی امید رکھتے رہیں اور رات کی تاریکیوں میں آنکھوں میں اشکوں کا سمندر لیے اپنی کوتاہیوں پر معافی مانگتے ہیں اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ذریعہ بناتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے توبہ کے خواستگار ہوتے ہیں۔

کریمی صاحب! مجھے یقین ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمیں گہری پستیوں میں جانے سے ضرور بچائے گی۔ بصد معذرت عرض ہے کہ یہ نظم (باوجود اپنی تمام خوبیوں کے) ہمارے معاشرے کے اس طبقے کی آئینہ دار ہے جس کی تعداد ابھی بھی آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ ابھی ہم نے مغرب کی اتنی تقلید نہیں کی ہے جو اچھائی برائی کا فرق مٹادے۔ ابھی ہمارے دلوں سے ہمارے بزرگوں کا احترام ختم نہیں ہوا چہ جائیکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات آپ لوگ تو ماشاء اللہ اس مقام پر ہیں کہ جہاں لوگ پہنچنے کی تمنا کرتے ہیں آپ کے ہر عمل کو اپنا میر کارواں بناتے ہیں۔ اس وقت ہمیں ضرورت ایک شفاف آئینے میں اپنا عکس دیکھنے سے زیادہ ان اسلامی اور انقلابی سوچوں کی ہے جو ہمارے راستوں کو ایک نئی جہت دے سکیں۔ جن کا اختتام اُسی منزل پہ ہو جس تک پہنچنے کی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مومن کو نوید سنائی ہے۔

باوجود ایک نئی نسل کی نمائندہ ہونے کے جس پر الزام بے راہ روی خاصے یقین سے لگایا جاتا ہے میں اپنے مستقبل سے خائف نہیں۔